

عَنْ ابْنِ أَبِي عَمِيرَةَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا وَاهْدِيْهُ (سنن ترمذی)  
 سیدنا عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ! مسافر کو ہادی اور مہدی بنا،  
 اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے!

﴿﴾  
 سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی حقیقت  
 ﴿﴾

# الصَّوَارِعُ الْحَسَنَةُ عَلَى مَنْحَرِ طَاعَتِ مُعَاوِيَةَ

قاری ظہور احمد فیضی کی کتاب الْأَحَادِيثُ الْمَوْضُوعَةُ  
 فِي فَضَائِلِ مُعَاوِيَةَ كَاتِبِي تَحْقِيقِي جَائِزَه

بقلم

عُلاَمَہٗ حُسَيْنِ قَلَاوِزِي (غلام الحدیث وعلوم)

لَحْظ

پروگریسو بکس

مولانا عاطف سلیم نقشبندی



عَنْ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا وَاهْدِنَا (سنن ترمذی)  
 سیدہ عبدالرحمن بن ابی میرہ رضی اللہ عنہ یہاں کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے اللہ! مسافر کو ہدایت دے اور ہماری ہدایت دے،  
 اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے!

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی حقیقت

الْبَصَائِرُ الْحَسَنَاتُ

عَلَى مَنْحَرٍ

طَائِعٍ مُّعَاوِيَةٍ

قاری ظہور احمد فیضی کی کتاب الْاَحَادِيثُ الْمَوْضُوعَةُ  
 فِي فُضَائِلِ مُعَاوِيَةَ کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ

بقلم (مقدمہ) غلام حسین قادری (مقام الحدیث و علوم)  
 مولانا عاطف سلیم نقشبندی

پروگریسو بکس  
 پوسٹ باکس ۵۰ غزنی سٹریٹ  
 آرہ بازار لاہور  
 فون 042-37124354 فکس 042-37382705

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی حقیقت

جميع حقوق الطبع محفوظة  
جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

# الصَّوَارِظُ الْجَدِيدَةُ عَلَى مَنَحَرِ طَاعَةِ عَمْرٍاءِ

بقلم: غلام حسین قادری (خادم المذہب وعلوم) مولانا عاطف سلیم نقشبندی

باراول	جولائی 2019ء
پرنٹرز	آر، آر پرنٹرز، لاہور
سرورق	النافع گرافکس
تعداد	600/-
ناشر	چوہدری غلام رسول - میاں جواد رسول میاں شہزاد رسول
قیمت	= / روپے

ملنے کے پتے

ملات پبلی کیشنز  
۱۲۔ تنج بخش روڈ لاہور

فون 0323-8836776 / 042-37112941

ملات پبلی کیشنز

فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111

E-mail: millat\_publication@yahoo.com

شوروم ملات پبلی کیشنز دوکان نمبر 5۔ مکہ سنٹر نیوارو بازار لاہور 0321-4146464  
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

پروگریسو بکس  
یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ  
اردو بازار لاہور  
فون 042-37124354 فکس 042-37352795

## فہرست

صفحہ	عنوانات
11	❖ عرض ناشر
12	❖ مقدمہ
18	❖ ناصبیت کسے کہتے ہیں؟
23	❖ دوسری دلیل اور اس کا محاسبہ
25	❖ تیسری دلیل اور اس کا جواب
26	❖ ظہور احمد فیضی کا سادات کے بارے میں ہلکا انداز اور چھپی ہوئی ناصبیت کا ظہور
27	❖ چوتھی دلیل اور اس کا رد
28	❖ اہلسنت کو ناصبی کہنا کس کا طریقہ ہے؟
29	❖ اصل تکلیف کیا ہے؟
30	❖ دعویٰ اعتدال کی حقیقت
30	❖ موضوع حدیث کی بحث
30	❖ موضوع حدیث کا حکم
31	❖ حدیث موضوع کیسے ثابت ہوتی ہے
35	❖ اصول فیضی در اثبات حدیث موضوع
38	❖ تعظیم صحابہ اور مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصابت
44	❖ صدر الشریعہ کی خوبصورت ترجمانی
44	❖ فیضی کا اہلسنت کے مسلک سے انحراف
48	❖ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول سے استدلال میں فیضی صاحب کی خیانت
49	❖ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں بدترین خیانت
52	❖ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا



صفحہ	عنوانات
55	❖ نذیر حسین دہلوی کے قول میں بدترین خیانت
59	❖ فاطمی شہزادے کی ضرب قاہر
59	❖ باغی و جائز کا اطلاق جائز یا ناجائز؟
59	❖ باغی کے اطلاق میں اختلاف ائمہ کا بیان
61	❖ باغی کا اطلاق کس معنی میں ہے؟
62	❖ علامہ عبداللطیف سندھی ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان
63	❖ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق
64	❖ ہمارے زمانے میں باغی کا اطلاق جائز نہیں
65	❖ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اور اس کا جواب
67	❖ شخصیات کے بارے میں حدیث کی گھڑنے کی ابتداء
68	❖ کس کے بارے میں سب سے زیادہ احادیث گھڑی گئیں؟
69	❖ کسی کے حق میں حدیث کا گھڑا جانا کس بات کو لازم ہے؟
73	❖ بغض حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فیضی کو سب قبول ہے
75	❖ صحیح مسلم پر طعن کا جواب
78	❖ دکتور خلیل ملا خاطر کی تحقیق
79	❖ بلا تبصرہ
79	❖ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا تفصیلی بیان
86	❖ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول
88	❖ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید
89	❖ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید
90	❖ حافظ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ پر فیضی کا غضب معکوس
91	❖ حافظ ابن عراق الکنتانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید
91	❖ امام بخاری پر جلال
93	❖ جہالت کی انتہاء



صفحہ	عنوانات
94	❖ قابل غور عقیدہ
95	❖ جہالت یا خیانت
96	❖ علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں خیانت
97	❖ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید
97	❖ شیخ محقق شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید
99	❖ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول
100	❖ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ
106	❖ امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ
108	❖ کرامیہ پر بھی فیضی صاحب کی نوازشات
109	❖ ابن سبا کا جانشین
109	❖ محدثین کرام کے بارے میں نازیبا انداز
110	❖ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی کیا تحقیق ہے؟
113	❖ حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
117	❖ محدثین کے حدیث مذکور پر احکام
118	❖ شاید اول: حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث:
120	❖ حدیث عبد الرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
120	❖ محقق جدید کی تحقیقات جدیدہ
123	❖ ثقہ راوی کا کسی حدیث میں متفرد ہونا
126	❖ بھان متی کا کنبہ
128	❖ منکر پر موضوع کا اطلاق
129	❖ قتیبہ نے کیا کہا؟
131	❖ حدیث مسلمہ بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فیضی صاحب کے طعن
132	❖ ایک اور خیانت
134	❖ ناصبیت کے الزام کی انتہاء



صفحہ

عنوانات

- 138 ❖ حدیث: "اللہم املاہ علما وحلما"
- 143 ❖ محقق جدید کی تحقیق عجیب
- 145 ❖ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 147 ❖ نشئی کی طرف سے نشے کے الزام کی تحقیق
- 151 ❖ امام ذہبی کے نزدیک حدیث مذکور کا حکم
- 152 ❖ باری آتی ہے عقل فیضی کی
- 154 ❖ جھانسنہ کسی اور کو دیں
- 155 ❖ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محبوب خدا اور رسول عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
- 156 ❖ مجہول راوی کی حدیث کا حکم
- 157 ❖ غیر صحیح کا معنی
- 162 ❖ حدیث زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 163 ❖ فیضی کی پھر دھوکے بازی
- 165 ❖ ہیرا پھیری کس نے کی
- 166 ❖ پانی میں مدھانی
- 167 ❖ یا معاویہ أنت منی وأنا منک
- 171 ❖ عبدالعزیز بن بحر کی سند
- 171 ❖ مخلصانہ مشورہ
- 172 ❖ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام
- 175 ❖ چور کون ہے؟
- 178 ❖ پھر خیانت
- 179 ❖ چوری اوپر سے سینہ زوری
- 179 ❖ حلم معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 183 ❖ ناصبی کی تہمت
- 183 ❖ امام کھول شامی کی روایت



صفحہ	عنوانات
184	❖ صاحب موضوعات کے اعتراضات علی السند کے جوابات
184	❖ اصول محدثین کے لیکن مرضی فیضی کی
185	❖ حلم حضرت معاویہ پر اثر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم
191	❖ تجربہ اپنے اوپر کیجئے
191	❖ یہ تجربہ بھی ضرور کیجئے
194	❖ م۔ت۔ غلام
195	❖ صاحب سری معاویہ
202	❖ جاہل کون؟
204	❖ حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ پر طعن
205	❖ دوسری حدیث
207	❖ حاطب اللیل کون؟
208	❖ اہل سنت سے گزارش
209	❖ کان پر قلم رکھنے والی حدیث
211	❖ جلنے والے کا منہ کالا
212	❖ اصول فیضی لیکن کہاں؟
216	❖ شیر کا جنتی ہونے کی گواہی دینا
219	❖ محمد بن زیاد الاہلہانی پر نصب کی تہمت کا جواب
220	❖ پھر خیانت
222	❖ سنیوں کو ناصبی قرار دینے کی تحریک
223	❖ ایک اور خیانت
226	❖ حدیث: اللہم اجعلہ ہادیامہدیا
226	❖ حکم الحدیث
227	❖ حضرت سیدنا عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
231	❖ خیانت جو نہ کرے تو فیضی کیسے ہو؟



صفحہ	عنوانات
232	❖ کیا مغالطہ آرائی کا نام تحقیق ہوتا ہے؟
233	❖ محدثین پر کس نے اعتماد کیا؟
233	❖ بغض و عداوت کی انتہاء
235	❖ بغض میں جو ہو کیا نہ کرے؟
236	❖ فیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف
239	❖ فیضی صاحب کی خرمستیاں
239	❖ جیسا منہ ویسی ---
240	❖ حدیث پر درایتاً اعتراض
242	❖ اہل باطل سے سرقہ
242	❖ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت و عظمت
244	❖ تدلیس تسویہ
248	❖ اس واقعے کا اصل ماخذ کیا ہے؟
250	❖ فیضی کی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بدترین گستاخی
251	❖ اپنے ہی گراتے ہیں نشیمن پر بجلیاں
251	❖ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیتیں
251	❖ یہ بال مبارک میرے منہ اور ناک میں رکھ دینا
251	❖ یہ ناخن مبارک میری آنکھوں پر رکھ دینا:
252	❖ ناخن پس کر انہیں میری آنکھوں کا سرمہ بنا دینا:
252	❖ ناخن مبارک رکھ کر مجھے سپرد خدا کر دینا:
252	❖ یہ قمیص رسول کفن کے نیچے جسم پر رکھ دینا:
252	❖ اگر بنی تو ان سے بنے گی:
253	❖ میرا نصف مال بیت المال کو دے دیا جائے:
253	❖ چادر انور کا بیس ہزار درہم دے کر حاصل کرنا:
253	❖ انصار کے ساتھ برا سلوک کرنے کا الزام

صفحہ	عنوانات
254	❖ واقعہ حضرت سیدنا ابوالیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
257	❖ روایت حضرت سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
258	❖ قصہ حضرت ابوقنادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
259	❖ حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ
261	❖ تہمت شرب خمر
264	❖ امام بیہقی کے کلام کا معنی
265	❖ گوگلی ترجمہ
267	❖ ایک واقعے کی غلط نسبت اور اس کا جواب:
269	❖ سود کی تہمت کا جواب
289	❖ تاویل الاحادی
292	❖ حدیث کا انکار یا راوی پر وہم کا شبہ
296	❖ حدیث کا انکار کرنے کا الزام اور اس کا جواب:
303	❖ سب سے پہلے سنت کو بدلنے والا
305	❖ طفیفی کی حدیث میں تحریف
306	❖ ائمہ اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریحات
306	❖ جمع طرق کا فائدہ
307	❖ فیضی صاحب کا نیا قاعدہ
308	❖ ساری محنت کس کے لیے
308	❖ عیدین میں اذان کی ابتداء کس نے کی
310	❖ تکبیرات میں کمی کس نے کی؟
311	❖ فیضی کی جہالت
311	❖ فیضی صاحب کی کمال مہارت
312	❖ خطبہ عیدین کی تقدیم
317	❖ پھر دھوکہ



صفحہ	عنوانات
318	❖ مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب دشتم کرنے کا الزام
328	❖ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری
330	❖ میسون بنت بحدل
331	❖ تابعی کس کو کہتے ہیں
332	❖ فیضی تبع قلب ہٹی کا قول
334	❖ فیضی کی ہرزہ سرائی
335	❖ تاریخ کی اس طرح کے واقعات میں شرعی حیثیت
337	❖ اس واقعے کا ماخذ کیا ہے؟
339	❖ اکل باطل کی نسبت
347	❖ الہدایہ والنہایہ کا حوالہ کیوں نہیں دیا؟
348	❖ مزید جوابات
348	❖ فیضی صاحب کے محقق العصر کا فیصلہ:
349	❖ جنت کی بشارت
350	❖ اعتراضات فیضی کی حقیقت
351	❖ ثور بن یزید
352	❖ صحیح بخاری میں ائمہ اہل بیت کی روایات
353	❖ فیضی کے سربراہ کا فیصلہ
354	❖ ملا علی قاری کا موقف کیا ہے



## عرضِ ناشر

انسان دنیا میں رہ کر اپنی عزت، شہرت، عظمت اور ناموری کے لیے گونا گوں کام کرتا ہے لیکن دل کی اتھاہ گہرائیوں میں حقیقی اور واقعی اطمینان و سکون نہیں پاتا، آخر وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے: **لَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَكَ طَائِفَاتٌ**۔ کے دلوں کا اطمینان و سکون ذکرِ الہی ہی میں مضمر ہے جس کے ذیل میں تلاوت، نوافل، خوش گفتاری اور تالیفِ قلوب وغیرہ جیسے بے شمار اعمال و اعتقادات آتے ہیں جن سے آخرت سنورتی ہے اور جو مدعائے مسلم ہے البتہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انور میں سب سے پسندیدہ کام دینِ متین میں لگے رہنا ہے خواہ تدریسی، تقریری، تالیفی و تصنیفی شکل میں ہو یا تعلیمی و محافلِ علمیہ کے انعقاد کی صورت میں ہو بہر حال ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اپنی آخرت سنوارنے کے لیے دنیا میں رہ کر کچھ تو ضرور کرے تاکہ بارگاہِ الہی و مصطفائی میں حاضری کے موقع پر کائنات کے سامنے رسوائی اٹھانا نہ پڑے۔ بفضلہ تعالیٰ ہم نے بھی دوسرے اسلامک پبلشرز کی طرح نثری سلسلے کا آغاز کر رکھا ہے اور مختصر عرصہ میں مسند ابوداؤد طیالسی، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ، مسند حمیدی، المعجم الاوسط، شرح المعجم الصغیر، معجم الاوسط، معجم الکبیر للطبرانی، شرح ریاض الصالحین، شرح ابوداؤد، شرح بہارِ شریعت، علامہ خرپوتی کی شرح قصیدہ بردہ شریف، الانتقاء جامع المسانید الشریعہ جیسی ضخیم کتب کے تراجم شائع کیے ہیں جنہیں زبردست پذیرائی ملی ہے۔ علاوہ ازیں تفسیر و حدیث و سیرت و تاریخ و فقہ کی کئی مشہور و معروف اور مایہ ناز کتب کے تراجم ان شاء اللہ جلد منظر عام پر آئیں گے۔ ان تمام کتب کی تیاری میں جن افراد کی مدد ہمارے شامل حال ہے ادارہ اُن تمام لوگوں کا تہہ دل سے شکر گزار ہے۔

ادارہ پروگریسو بکس کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ جہاں پر اہل ایمان کے اعمال کی اصلاح کا خیال رکھا جائے وہیں پر اہل سنت و الجماعت کے نظریات و عقائد پر ترجیحی کام کرنا بھی ادارہ کی اولین ترجیحات میں شامل رہا ہے، اسی سلسلہ میں ادارہ دفاعِ صحابہ کے عنوان پر اس سے پہلے بھی اہل ایمان کے ایمان کی تقویت کے لیے کام زیورِ طبع سے آراستہ کر چکا ہے۔ زیرِ نظر کتاب ”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی حقیقت“ بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ آخر میں ادارہ محترم عبدالغفار دوانہ (کراچی) کا انتہائی مشکور ہے جنہوں نے اس کام کے چھاپنے میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا، نیز مولانا عاطف سلیم صاحب کا ادارہ خصوصی طور پر مشکور ہے جن کی وساطت سے ادارہ کو یہ کتاب چھاپنے کی سعادت ملی۔ آپ لوگوں کی دعاؤں کے طلبگار:

☆ چوہدری غلام رسول ☆ چوہدری شہباز رسول ☆ چوہدری جواد رسول ☆ چوہدری شہزاد رسول ☆





## مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا وحبیبنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلى آله وسلم وصحبه أجمعين وعلى كل من تبعهم إلى يوم الدين

اہلبیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی محبت ہم اہلسنت کی رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے، ان کی محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے، ان سے عقیدت ہمارا طرۂ امتیاز ہے، ان کی خدمت، ان کی تعظیم ہمارے لیے باعث سعادت ہے۔ اہلسنت کا بچہ بچہ اہلبیت کی محبت و الفت سے سرسار ہوتا ہے۔

اہلبیت کی محبت کا معنی، ان کے ہر فرد سے عقیدت رکھنا، ان کے علما کی پیروی کرنا ہے، ان کی محبت ہی کا تقاضہ ہے کہ نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بھی محبت کی جائے، ان کی تعظیم کی جائے، اپنی زبانوں کو جس طرح اہلبیت اطہار کے لیے محتاط رکھتے ہیں، اسی طرح صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لیے بھی احتیاط کے ساتھ استعمال کریں۔

اہلبیت کی تعظیم بھی اس لیے ہے کہ یہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک ہیں، اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تعظیم بھی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت مبارک کے لیے ان ہستیوں کو منتخب فرمایا۔

امام قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ومن توقیرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وبرۃ بر آلہ وذریۃہ وأمہات المؤمنین  
أزواجہ

”نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و اطاعت میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پاک بیویوں امہات المؤمنین سے بھلائی کرے۔“

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مع شرح الشفا ج ۲ ص ۸۱)

مزید فرماتے ہیں:

ومن توقیرہ وبرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم توقیر أصحابہ وبرہم ومعرفة حقہم والاقتداء بہم وحسن الشناء علیہم والاستغفار لہم  
 ”نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم میں سے یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کے صحابہ کی تعظیم کی جائے، ان کے ساتھ بھلائی کی جائے، ان کے حق کو جانا جائے، ان کی پیروی کی جائے، ان کی تعریف کی جائے، ان کے لیے استغفار کیا جائے۔“ (الشفاء مع الشرح ج ۲ ص ۸۹-۹۰)  
 امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ومن توقیرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم توقیر أصحابہ والسکوت عما شجر بینہم

”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم میں سے آپ کے اصحاب کی تعظیم ہے اور ان کے درمیان ہونے والا معاملات سے سکوت کرنا ہے۔“ (السیف المسلول ص ۵۲۵)  
 ان صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لیے سب سے بڑا شرف یہ تھا کہ انہیں اس ہستی کی صحبت حاصل ہوئی جس کی بارگاہ سے ہر رفعت تقسیم ہوتی ہے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اس شرف عظیم نے ان کو اپنے غیر سے ممتاز بنا دیا۔

مناقب ابی حنیفہ للکلی میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:  
 مقام أحدہم مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ساعة واحدة خیر من عمل أحدنا عمرہ وان طال

”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان میں سے کسی ایک لمحہ بھر گزارنا ہماری ساری زندگی کے عمل سے بہتر ہے چاہے کتنی لمبی عمر کیوں نہ مل جائے۔“

(مناقب ابی حنیفہ للککوردی ص ۷۷)

صحابہ کرام علیہم الرضوان پر طعن و تشنیع کرنے والا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر طعن کا ارادہ کرتا ہے، کیونکہ وہ براہ راست تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر تو طعن کر نہیں سکتا، اس لیے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر طعن کرتا ہے، بلکہ اس طعن کے ذریعے وہ قرآن و سنت کے احکام کو باطل قرار دینا

چاہتا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ کبیر ابوزرعہ رازی بیان کرتے ہیں:

اذا رأيت الرجل يتنقص أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فاعلم انه زنديق، لان الرسول صلى الله عليه وآله وسلم عندنا حق، والقرآن حق، وانما ادعى اليه هذا القرآن والسنن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، وانما يريدون ان يمحوا شهودنا ليطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم اولى، وهم زنادقة.

”جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کی تنقیص کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ زندقہ ہے۔ اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے نزدیک حق ہیں، قرآن حق ہے، ہم تک قرآن اور سنن، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے ہی پہنچائی ہیں تو جو لوگ ہمارے گواہوں پر جرح کرتے ہیں وہ قرآن سنت کو باطل کرنا چاہتے ہیں، جرح تو انہی کے لائق ہے اور یہ زندقہ ہیں۔

(الكفاية في علم الرواية ص ۴۸)

ائمہ اہلسنت کا اتفاق ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مابین ہونے والے مشاجرات میں خاموشی اختیار کی جائے گی، کسی کی تنقیص نہیں کی جائے گی، ان سے یہ امور اجتہاد کی بنیاد پر صادر ہوئے، آپسی جھگڑوں میں مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے، جبکہ آپ کے مقابل آنے والے صحابہ کرام علیہم الرضوان خطا پر تھے، لیکن یہ خطا اجتہادی تھی، جس پر وہ ایک اجر کے مستحق قرار پائے۔

امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

واعتقاد أهل السنة تزكية جميع الصحابة والثناء عليهم كما أثنى الله سبحانه وتعالى ورسوله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وما جرى بين معاوية وعلى رضي الله تعالى عنهما كان مبنياً على الاجتهاد، لا منازعة من معاوية في الإمامة.

”اہل سنت کا یہ طریقہ کار ہے کہ وہ تمام صحابہ کا تزکیہ کرتے اور ان کی تعریف کرتے ہیں، اور حضرت امیر معاویہ اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جو جنگ ہوئی یہ اجتہاد پر مبنی تھی، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے خلافت میں کوئی جھگڑا نہیں تھا۔“

(احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۰۵)



الشاہ امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: حضرت مرتضوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنہوں نے مشاجرات و منازعات کئے ہم اہلسنت ان میں حق، جانب جناب مولیٰ علی (اور ان کے مقابل آنے والوں کو) برغلط و خطا (مانتے) اور حضرت اسد اللہی کو بدرجہا ان سے اکمل و اعلیٰ جانتے ہیں مگر بایں ہمہ بلحاظ احادیث مذکورہ زبان طعن و تشنیع ان دوسروں کے حق میں نہیں کھولتے، اور انہیں ان کے مراتب پر جو ان کے لیے شرع میں ثابت ہوئے رکھتے ہیں، کسی کو کسی پر اپنی ہوائے نفس سے فضیلت نہیں دیتے، اور ان کے مشاجرات میں دخل اندازی کو حرام جانتے ہیں، اور ان کے اختلافات کو ابو حنیفہ و شافعی جیسا اختلاف سمجھتے ہیں، تو ہم اہل سنت کے نزدیک ان میں کسی ادنیٰ صحابی پر بھی طعن جائز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ) ج ۲۹ ص ۳۷۶

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم صحابی ہیں، آپ کی تعظیم و تکریم کرنا، آپ کا ذکر خیر کرنا باعث برکت ہے، اہلسنت ہمیشہ آپ کا ذکر خیر کے ساتھ کرتے رہے، کچھ عرصے سے اہلسنت کہلانے والے کچھ افراد نے طریقہ اہلسنت سے ہٹ کر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کا دروازہ کھولا ہوا ہے، علمائے اہلسنت کثر ہم اللہ تعالیٰ ان کی بدگوئیوں کا جواب دیتے آئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سلامت رکھے دعوت اسلامی کے امیر مولانا الیاس قادری صاحب کو جنہوں نے اپنے مدنی چینل پر سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس منایا، جس پر اہلسنت میں چھپے وہ افراد جن کے دل میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بغض چھپا ہوا وہ کھل کر سامنے آیا، شوشل میڈیا پر جو طوفان بدتمیزی ایک مخصوص طبقے نے برپا کیا وہ حیرت انگیز تھا۔

اللہ تعالیٰ باطل کے رد کے لیے اپنے بندے مقرر فرماتا ہے، جہاں بغضی افراد اپنی آخرت برباد کرتے ہوئے گمراہ کن نظریات کا پرچار کرتے رہے، وہیں نوجوانان اہلسنت ان کے اعتراضات کو تار عنکبوت ثابت کرتے رہے۔

ان اہل باطل میں جس شخص نے اپنی آخرت برباد کرنے میں سبقت حاصل کی وہ قاری ظہور احمد فیضی ہے۔ موصوف پہلے اپنی کتب شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور شرح اسنی المطالب میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن و تشنیع کرتے رہے ہیں، لیکن اب مکمل جامہ سے باہر آ کر اپنے پیشروں کو بھی شرما گئے ہیں۔

موصوف نے دعوت اسلامی کے شعبہ المدینۃ العلمیہ کی طرف سے لکھی گئی کتاب ”فیضان امیر معاویہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ“ کا جواب لکھنے کی کوشش کی، جس کا نام موصوف نے ”الاحادیث الموضوعۃ فی فضائل معاویہ“ رکھا ہے۔ کتاب کا مقصد تو موصوف نے یہ بیان کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں جو احادیث گھڑی گئی ہیں، ان کے بارے میں وضاحت کر دیں کہ یہ موضوع ہیں، اور ناصبیت کا رد کریں۔ موضوع احادیث کا رد کرنا ایک اچھا مقصد ہے، اسی طرح ناصبیت کا رد بھی ضروری ہے، لیکن کتاب پڑھنے کے بعد بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ موصوف کا مقصود ہرگز یہ نہیں، ان کا اصل مقصد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صریح توہین کرنا، آپ پر جھوٹے الزامات لگانا، اور فضیلت میں آنے والی ہر بات کا رد کرنا ہے، اس کے لیے موصوف نے ہر طرح کی خیانت سے کام لیا ہے، عبارتوں میں قطع و برید کی ہے، جس نے بھی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دفاع کیا یا آپ کے فضائل بیان کیے ہیں، اس پر موصوف خوب برسے اور ناصبی ہونے کے طعنے دیئے ہیں۔ یہ تمام باتیں کتاب میں باحوالہ پڑھ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم نے اس کتاب میں موصوف کے باطل اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ موصوف نے کتاب دو حصوں میں تقسیم کی ہے، پہلے حصے میں کتاب فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موجود بعض احادیث پر کلام کیا ہے اور انہیں موضوع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جبکہ دوسرے حصے میں حدیث مبارک اللہم اجعلہ ہادیا مہدیا پر طعن کیا ہے اور اہل باطل کی کتب سے سرقہ کرتے ہوئے حدیث پر عقلی اعتراضات کیے ہیں۔

ہم نے اس کتاب کو مقدمہ اور دو حصوں پر تقسیم کیا ہے، موصوف نے کتاب کی ابتداء میں تمہیداً اہلسنت پر ناصبیت کا الزام لگایا ہے، حدیث موضوع پر بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں وارد ہر حدیث موضوع ہے۔

ہم نے مقدمہ میں ناصبیت کے معنی پر بحث کی ہے۔ نیز موصوف فیضی کے اہلسنت پر ناصبیت کے الزامات کا تفصیلی جواب دیا ہے۔ مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصابت اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تعظیم پر ائمہ اہل سنت کا موقف ذکر کیا ہے، نیز موصوف فیضی کے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر اعتراضات کے جواب دیئے ہیں۔

حدیث موضوع کیسے ثابت ہوتی ہے، اس بات کو بیان کیا ہے، نیز کن شخصیات کے حق میں سب سے زیادہ احادیث گھڑی گئیں باحوالہ ذکر کیا ہے۔

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا معنی، حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا معنی، امام نسائی، امام حاکم کے واقعے کا جواب و محل بیان کیا ہے۔

کتاب کے پہلے حصے میں وہ احادیث جن پر موصوف نے کلام کیا ہے ان کا تحقیقی و الزامی جواب دیا ہے۔ فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مذکور احادیث اگرچہ کہ عند التحقیق موضوع نہیں، لیکن میرا اپنا موقف یہ ہے کہ ان میں سے بعض احادیث جس درجہ کی ہیں ان کو بیان نہ کرنا بہتر ہے، اور خوش آئند بات یہ ہے کہ میری اطلاع کے مطابق ادارہ ان احادیث کو اگلے ایڈیشن میں شامل نہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اسے کہتے ہیں حق کو قبول کرنا۔ لیکن فیضی نے جن روایات پر کلام کیا ہے، وہ درجہ موضوعیت تک نہیں پہنچتی۔

دوسرے حصے میں حدیث اللہم اجعلہ ہادیامہدیا پر فیضی کے بے سرو پا اعتراضات کا تفصیلی جواب دیا ہے۔ ان میں سے بعض اعتراض وہ ہیں جن کے جوابات ہمارے ائمہ بارہا اپنی کتب میں دے چکے ہیں، لیکن فیضی جیسے لوگ دوبارہ وہی پرانے اعتراضات اٹھا کر لے آتے ہیں۔

ہم اس کتاب میں سے بعض مقامات فیس بک پر پوسٹ کر چکے ہیں، جس پر احباب اہلسنت کی طرف سے بڑی حوصلہ افزائی کی گئی اور ہماری ان تحریروں کی بڑی پذیرائی نصیب ہوئی۔ احباب کا اصرار تھا کہ جلد سے جلد کتاب مارکیٹ میں لائی جائے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے اس کتاب کے حوالے سے کسی بھی طرح تعاون کیا، میں علامہ عاطف سلیم نقشبندی صاحب کا تہہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے اس کام کو چھپوانے میں خصوصی دلچسپی کا اظہار فرمایا اور ان کی وساطت سے چوہدری جواد رسول صاحب، ادارہ پروگریسو بکس نے مسلکی محبت میں اس کتاب کو طبع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے اور انہیں دین متین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

کتاب میں علمی و تحقیقی کسی طرح کی غلطی پائیں تو ضرور مطلع فرمائیں۔

خادم علم الحدیث:

غلام حسین القادری





## ناصریت کسے کہتے ہیں؟

ظہور احمد فیضی نے اپنی کتاب الاحادیث الموضوعات میں متعدد مقامات پر اہل سنت پر ناصریت کی تہمت لگائی ہے، لیکن کسی مقام پر ناصریت کی تعریف نہیں کی کہ ناصریت کہتے کسے ہیں کیونکہ اس سے ان کا سارا اوویلا بے بنیاد ثابت ہوتا، لہذا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ناصبی کہتے کسے ہیں اولاً اسے بیان کر دیا جائے۔ معتبر لغات اور ائمہ کی واضح تصریحات کے مطابق مولائے کائنات مولا مشکل کشا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ یا اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بغض و عداوت رکھنے کا نام ناصریت ہے، ایسے شخص کو ناصبی کہا جاتا ہے۔

قاموس میں ہے:

والنواصب، والناصریۃ، وأهل النصب: المتدينون ببغضة علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
لأنهم نصبوا له أی: عاۃ

”نواصب، ناصبیہ اور اہل نصب سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے بغض علی رضی اللہ عنہ اختیار کر رکھا ہے کیونکہ وہ حضرت علی کے خلاف کھڑے ہوئے یعنی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دشمنی رکھی۔“ (القاموس المحیط) ج ۱ ص ۱۳۳

امام محدث مرتضیٰ زبیدی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وَأَظْهَرُ وَالْخِلَافَ، وَهُمْ طَائِفَةٌ مِنَ الْخَوَارِجِ

”یعنی انہوں نے حضرت علی کی کھلے عام مخالفت کی اور وہ خوارج کا ہی ایک گروہ تھا۔“

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

وَهُمُ الْمُتَدِينُونَ بِبَغْضَةِ سَيِّدِنَا أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، وَيَعْسُوبِ الْمُسْلِمِينَ، أَبِي الْحَسَنِ عَلِيٍّ

بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ و کرم وجہہ.

”یعنی ناصبی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سیدنا امیر المؤمنین یعسوب المسلمین، ابوالحسن علی بن ابی

طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے بغض کو اختیار کیا۔“ (تاج العروس ج ۴ ص ۲۷۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وهو الانحراف عن علي وآل بيته

”یعنی حضرت علی اور آپ کے گھرانے سے منہ موڑنا ناصبیت ہے۔“ (فتح الباری ج ۱ ص ۴۷)

الکلیات للکفوی میں ہے:

يقال أيضاً لمذهب هو بغض علي بن أبي طالب وهو طرف النقيض من الرفض.

ويقال لهم: الطائفة النواصب، وهم مثل الخوارج

”ناصریت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض رکھنے والے مذہب کو بھی کہا

جاتا ہے اور یہ (ناصریت) رافضیت کی ضد ہے اور انہیں الطائفة النواصب یعنی ناصبی گروہ بھی

کہا جاتا ہے اور وہ خوارج کی مثل ہیں۔“ (الکلیات للکفوی ص ۷۶)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

”ان (اہل بیت کرام) کی محبت بحمد اللہ تعالیٰ مسلمان کا دین ہے، اور اس سے محروم ناصبی

خارجی جہنمی ہے واللہ باللہ تعالیٰ، مگر محبت صادقہ نہ وہ روافض کی سی محبت کا ذبیہ، جنہیں ائمہ اطہار

فرمایا کرتے تھے: خدا کی قسم تمہاری محبت ہم پر عار ہوگی۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۴۲۱)

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

”یزید بے شک پلید تھا، اسے پلید کہنا اور لکھنا جائز ہے، اور اسے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہ کہے گا

مگر ناصبی کہ اہل بیت رسالت کا دشمن ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۴ ص ۶۰۳)

کیا کسی مقام پر نواصب کی تعریف یہ کی گئی ہے:

”جو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے محبت کرے یا ان کا دفاع کرے وہ ناصبی ہے؟“

اب آئیے موصوف فیضی نے جن بے ڈھنگے دلائل سے اہل سنت و جماعت کو ناصبی ثابت کرنے کی

کوشش کی ہے، ان کا جائزہ بھی لے لیتے ہیں، موصوف نے امیر دعوت اسلامی مولانا الیاس قادری صاحب

اطال اللہ عمرہ کو ناصبی ثابت کرنے کے لیے چار دلیلیں دی ہیں۔

موصوف اہل السنۃ کے ناصبی ہونے پر پہلی دلیل دیتے ہیں:

”ان لوگوں نے اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقدس اسماء کے ساتھ لفظ علیہ السلام کہنے یا لکھنے کے مسئلے کو اپنی اس کتاب میں درج کر دیا ہے جس کا نام ہے: کفریہ کلمات کے بارے

میں سوال و جواب۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۸)

اقول وباللہ التوفیق! یہاں فیضی صاحب نے یہاں زبردست مغالطہ دیا ہے، ہم بھی حیران تھے کہ کیا مولانا الیاس قادری صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کفر لکھ دیا ہے؟ لیکن جب ہم نے کتاب کھول کر اس مقام کو تلاش کیا تو سارا عقدہ کھل گیا۔

اولاً: امیر دعوت اسلامی نے اس مسئلے پر اہلسنت کے موقف کو بیان کیا ہے، کفر تو دور کی بات اس کو حرام تک نہیں کہا، بلکہ صرف اتنا لکھا کہ منع ہے۔ اس کتاب کا موضوع کفریہ کلمات کے بارے میں وضاحت کرنا ہے، ضمن میں کئی فوائد اس کتاب میں مذکور ہیں۔

ثانیاً: کیا یہاں مسئلہ خاص اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے؟ جی نہیں ایسا نہیں ہے۔ یہ مسئلہ انبیائے کرام علیہم السلام سے متعلق کلمات کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے، موصوف فیضی نے یہ تاثر دیا ہے کہ یہ مسئلہ اہل بیت اطہار کے لیے خاص طور پر بیان کیا گیا ہے، حالانکہ کتاب میں ہیڈنگ ہے: ”غیر نبی کے ساتھ علیہ السلام بولنا کیسا؟“ سوال یہ لکھا گیا ہے: غیر نبی کے ساتھ علیہ السلام لکھنا اور بولنا کیسا ہے؟ اس پر جواب دیا گیا: منع ہے۔

پھر فتاویٰ امجدیہ کا جزئیہ ذکر کیا گیا جس میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام مبارک کے ساتھ علیہ السلام لکھنے کے بارے میں سوال و جواب مذکور ہے۔

(کفریہ کلمات کے بارے میں سوال جواب ص ۲۳۳)

لیکن موصوف نے الزام لگاتے ہوئے مسئلہ اہل بیت اطہار کے ساتھ خاص کر دیا ہے! وجہ کیا ہے؟ عنقریب آپ جان لیں گے کہ ان کا مقصد اہل بیت کی محبت کو آڑ بنا کر صحابہ کرام علیہم الرضوان پر طعن کرنا اور جوان کا دفاع کرنا ان کو اپنے طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا ہے۔

ثالثاً: اسی کتاب ”کفریہ کلمات کے بارے میں سوال و جواب“ میں سادات کرام کے بارے میں سوال و جواب کی کھل ایک فصل ہے جس میں سادات کرام کی توہین کرنے والے کے احکام، توہین کرنے



والوں کا انجام، سادات کرام سے حسن سلوک کا صلہ، ان کی تعظیم و تکریم کس قدر ضروری ہے اور کیوں ضروری ہے، سب باتیں احادیث اور اقوال ائمہ کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں، لیکن موصوف کو یہ مکمل گفتگو نہ جانے کیوں نظر نہیں آئی! یا ان کے نزدیک سادات کے فضائل کی نعوذ باللہ کوئی اہمیت ہی نہیں ہے؟

رابعاً: غیر نبی کے ساتھ علیہ السلام کا مسئلہ امیر اہل سنت دامت برکاتہم العالیہ نے اپنی طرف سے تو نہیں لکھا جو کچھ علمائے اہلسنت نے لکھا ہے اسی کو نقل کیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح سنن ابی داود میں لکھتے ہیں:

وقد اختلف العلماء في الصلاة على غير الأنبياء فقال مالك، وأبو حنيفة، والشافعي والأكثر: لا يصلى على غير الأنبياء استقلالاً، لا يقال: اللهم صل على أبي بكر، أو عمر، أو علي، أو غيرهم ولكن يصلى عليهم تبعاً، فيقال: اللهم صل على محمد وآل محمد وأصحابه وأزواجه وذريته۔ كما جاءت الأحاديث، وقال أحمد وجماعة: يصلى على كل واحد من المؤمنين مستقلاً، واحتجوا بهذا الحديث وبقوله - عليه السلام -: ((اللهم صل على آل أبي أوفى)) وكان إذا أتاه قوم بصدقتهم صلى عليهم، واحتج الأكثرون بأن هذا النوع مأخوذ من التوقيف واستعمال السلف، ولم ينقل استعمالهم ذلك، بل خصوا به الأنبياء، كما خصوا الله تعالى بالتقديس والتسبيح، فيقال: قال الله سبحانه وتعالى، وقال الله تعالى، وقال عز وجل، وقال الله جلّت عظمتہ، وتقدسست أسماؤه، وتبارك وتعالى ونحو ذلك، ولا يقال: قال النبي عز وجل وإن كان عزيزاً جليلاً ولا نحو ذلك.

وأجابوا عن الأحاديث أن ما كان من الله ورسوله فهو دعاء وترحم، وليس فيه معنى التعظيم والتوقير الذي يكون من غيرهما، وكذا الجواب عن قوله تعالى: (إن الله وملائكته يصلُّون على النبي) الآية

وأما الصلاة على الآل والأزواج والذرية فإنما جاء على التبع لا على الاستقلال، والتابع يحتمل فيه ما لا يحتمل استقلالاً.

”علماء کا انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی اور پر صلاۃ بھیجنے میں اختلاف ہے، امام مالک،

امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور اکثر علما کا یہ قول ہے کہ غیر نبی پر مستقلاً درود نہیں پڑھا جائے گا، یوں نہیں کہا جائے گا ”اللھم صل علی ابی بکر، أو عمر، أو علی“ ہاں بالتبع پڑھا جائے گا یوں پڑھا جاسکتا ہے ”اللھم صل علی محمد وآل محمد وأصحابہ وأزواجہ وذریئہ“ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، جبکہ امام احمد اور ایک جماعت کا یہ قول ہے ہر مؤمن پر مستقلاً درود پڑھا جاسکتا ہے، اور انہوں نے باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے، اور اس حدیث سے کہ جب کوئی قوم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے صدقات لے کر آتی تو آپ ان کے لیے رحمت کی دعا فرماتے ہیں، اکثر علما نے دلیل یہ دی ہے کہ اس طرح کے جملوں کا استعمال نص یا استعمال سلف سے ہی جانا جاسکتا ہے اور اسلاف سے یہ منقول ہی نہیں، انہوں نے اس کو انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص رکھا ہے جیسا کہ تقدیس و تسبیح کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص رکھا ہے تو یوں کہا جاتا ہے ”قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ، وقال اللہ تعالیٰ، وقال عز وجل، وقال اللہ جلّت عظمتہ، وتقدست أسماؤہ، وتبارک وتعالیٰ“ یوں نہیں کہا جاتا ”قال النبی عز وجل“ اگرچہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عزت و بزرگی والے ہیں، اور حدیث کے بارے میں انہوں نے ارشاد فرمایا: جب صلاۃ کا لفظ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہو تو اس میں ترحم کا معنی (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اور دعا کا معنی (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے) ہوتا ہے۔ اور یہی معنی (إن اللہ وملائکتہ یصلُّون علی النبی) کا ہے اور رہا آل، ازواج اور ذریت پر صلاۃ تو وہ مستقلاً نہیں بالتبع ہے اور بالتبع میں بہت سے وہ کام درست ہوتے ہیں جو مستقلاً درست نہیں ہوتے۔“

پھر فرماتے ہیں:

وقال الشيخ محیی الدین: اختلف أصحابنا فی الصلاۃ علی غیر الأنبیاء هل یقال: ہو مکروه أو مجرد ترک أدب؛ والصحيح المشهور: أنه مکروه کراهۃ تنزیہ. وقال الشيخ أبو محمد الجوینی: والسلام فی معنی الصلاۃ فإن اللہ تعالیٰ قرن بینہما فلا یفرد بہ غائب غیر الأنبیاء، فلا یقال: أبو بکر، وعمر، وعلی۔ علیہ السلام۔ وإنما یقال ذلك خطأً للأحیاء والأموات فیقال: السلام علیکم ورحمة اللہ، واللہ أعلم

”امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہمارے (شوافع) ائمہ کا غیر نبی پر درود پڑھنے میں اختلاف ہے کہ اس کو مکروہ کہا جائے گا یا یہ صرف ترک ادب ہے، صحیح اور مشہور یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے، اور شیخ ابو محمد الجونی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: سلام، صلاۃ کے معنی میں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ملایا، لہذا انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی کو بھی غیبت میں علیہ السلام نہیں کہا جائے گا، یوں نہیں کہیں گے: ابوبکر، وعمر، وعلی۔ علیہ السلام ہاں کسی زندہ یا وفات یافتہ کو خطاب کرتے ہوئے یوں کہیں گے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

(شرح سنن أبی داؤد) (ج ۵ ص ۴۴۳-۴۴۴)

قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الشفا میں اس مسئلے پر تفصیل کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے۔ خود موصوف فیضی اس بات کو مانتے ہیں کہ اہل سنت کے یہاں بالعموم یہی تاثر ہے کہ اہل بیت عظام کے ساتھ ایسے الفاظ استعمال کرنا شیعیت ہے، جی ہاں موصوف اپنی کتاب شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لکھتے ہیں:

”ہم اہل سنت کے ہاں بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ اہل بیت عظام کے اسماء کے ساتھ ایسے الفاظ کا استعمال کرنا شیعیت ہے، راقم الحروف کے لاشعور میں بھی یہی عامیانہ تصور تھا، لیکن جب کتب اہل سنت میں یہ الفاظ بکثرت سامنے آئے تو میں یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ یہ الفاظ شیعہ شعار یا شیعہ اصطلاح نہیں۔“ (شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۷۳۴)

اس کے بعد موصوف نے اہل بیت کے ساتھ علیہ السلام کہنے پر دلائل دیئے ہیں، ہمارا یہ موضوع نہیں اس پر کسی اور مقام پر گفتگو کریں گے، سوال یہاں یہ ہے کہ جب یہ ایک عام تصور اہلسنت میں کہ یہ شیعہ اصطلاح ہے، تو اس کی ممانعت پر آپ نے امیر دعوت اسلامی پر ناصبیت کا فتویٰ کیسے لگا دیا؟ کیا یہ فتویٰ ان اکابر ائمہ پر بھی لگے گا جو اس کی ممانعت کے قائل ہیں یا یہ فتویٰ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جن سے آپ کو خوف نہیں تھا کہ یہ آپ کو کسی طرح کا جواب دیں گے؟

دوسری دلیل اور اس کا محاسبہ

اہلسنت کو ناصبی ثابت کرنے کے لیے موصوف نے دوسری دلیل یہ دی کہ:

”ان لوگوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی کہنے کو

بے ادبی پر محمول کیا یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کھلی تنقیص ہے۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۹)

اصل میں یہ آپ کا کھلا تعصب ہے اول تو آپ کو معلوم ہی نہیں کہ یہ بات کس وقت کہی گئی، ہم نے وہ پروگرام نیٹ سے نکال دیکھا اس وقت مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بیان کیے جا رہے تھے اسی دوران یہ حدیث آئی: ”أنت أخی فی الدنیا والآخرۃ“ تو امیر اہلسنت نے اس کی وضاحت کر دی، یہ کھلی تنقیص ہو گئی؟ اس کے بعد فضائل بیان ہوتے رہے، منقبتیں پڑھی جاتی رہیں، مساجد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہلبیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اعلان ہوا، یہ کھلی تنقیص ہے؟

حالانکہ خود موصوف فیضی نے اپنی کتاب شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اس موضوع پر لکھا ہے، جس سے واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ فرامین بطور نوازش و تواضع کے تھے، ہمارے لیے یہ جائز ہی نہیں کہ ہم کسی کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی یا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کسی کا بھائی کہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحدیثِ نعمت کے لیے اپنی ایک مخصوص اخوت کا اعلان کیا تھا۔ آئیے موصوف کے بعض اقتباسات ملاحظہ فرمائیں اور یہاں عجلت کا اندازہ لگائیں لکھتے ہیں: ”بالکل ٹھیک ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مومن ہیں اور اس شرعی لحاظ سے تمام مومن آپ کے بھائی ہیں، لیکن ایسا کہلوانا بے ادبی ہے کیونکہ سیدنا آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہم السلام تک اور سیدنا جبریل علیہ السلام سے لیکر ادنیٰ فرشتہ تک تمام مومن ہیں، بلکہ تمام اہل اسلام جنات بھی مومن ہیں تو کیا سب کو اپنا بھائی کہا جائے گا؟ کیا آپ یوں کہیں گے کہ آدم علیہ السلام میرے بھائی ہیں اور جبریل علیہ السلام بھی میرے بھائی ہیں؟ بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنا بھائی فرمایا اور آخر زمانہ کے لوگوں کو بھی اپنا بھائی فرمایا، مگر یہ سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کرم نوازی اور تواضع ہے ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا یا خود کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی کہتے پھریں۔“

مزید لکھتے ہیں:

”یاد رکھیے! روزِ مرہ کی گفتگو میں عرف عام کی رعایت کرنا انتہائی ناگزیر ہے، حتیٰ کہ عرف عام

کو بعض مرتبہ شریعت کی نصوص پر بھی ترجیح دی جاتی ہے۔“



مزید لکھتے ہیں:

”سوفقط شرعی جواز کے طور پر مومن ہونے کے حوالے سے سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک اور جبریل علیہ السلام سے لیکر ادنیٰ فرشتہ تک اور تمام مومن جن ہمارے بھائی ہیں مگر عرف عام میں ایسا نہیں کہا جاسکتا۔“

مزید لکھتے ہیں:

”سطور بالا کی روشنی میں ہر چند کہ ہر مومن شخص کو جائز ہے کہ وہ خود کو اخوار رسول (رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی) یا اخو آدم (آدم علیہ السلام کا بھائی) وغیرہ کہہ سکتا ہے، لیکن عموماً ایسا کہنا مناسب نہیں، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو برسر منبر خود کو اخوار رسول فرمایا تھا اس میں ان کی توجہ نسب و قرابت پر نہ تھی، (الی) ان کے ذہن میں تو وہ مخصوص اخوت تھی جو انعام الہی کے طور پر فقط ان ہی کے حصہ میں آئی تھی۔“

مزید لکھتے ہیں:

”معلوم ہوا کہ یہ ایک مخصوص اخوت تھی، اسی لیے مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحدیث نعمت کے طور پر برسر منبر اس کا تذکرہ فرمایا۔“ (شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۳۷۳-۳۷۷)

اب کیا موصوف اپنے لیے بھی پسند کریں گے کہ ان پر ناصبیت کا فتویٰ لگا دیا جائے؟

### تیسری دلیل اور اس کا جواب

تیسری دلیل دیتے ہیں:

”سادات کرام کے بارے میں ہلکا انداز اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ خود کو سید ظاہر کر کے فوائد و عزت حاصل کرنے کی کوشش مت کریں، آخر اس کبیدگی خاطر کو کیا سمجھا جائے؟“

واقعی جب تعصب کی پٹی آنکھوں پر بندھ جائے تو ایسی باتوں کا صادر ہونا کوئی بعید بات نہیں، امیر اہل سنت سادات کرام کا کس قدر احترام کرتے ہیں اس پر لاکھوں لوگ شاہد ہیں، آپ نے اپنی قبیعین کی گھٹی میں سادات کرام کی محبت پلائی ہے، صرف اسی سال کو دیکھیں تو محرم الحرام کی آمد سے قبل رسالہ ”سادات کرام کی تعظیم“ پڑھنے کی ترغیب دلائی جس کا لاکھوں لوگوں نے مطالعہ کیا، جہاں تک رہا سادات کرام کو اپنے آپ کو سید ظاہر نہ کرنے کا مشورہ دینا تو امیر اہلسنت، اپنے متعلقین چاہے وہ حفاظ ہوں، علما

ہوں یا سادات، ہر ایک کو سمجھاتے ہیں کہ اپنے آپ کو حافظ کہتے ہوئے، عالم یا مفتی کہتے ہوئے، سید کہتے ہوئے غور کر لیں کہ اس میں نیت کیا ہے؟ اگر اچھی نیت ہے تو کوئی بات نہیں، ہاں اگر اپنے اس منصب سے کوئی دنیاوی نفع اٹھانا چاہتے ہیں تو ایسا نہ کریں۔ کیا اس طرح سمجھانے میں کوئی برائی ہے؟

حالانکہ خود موصوف فیضی اپنی کتاب ”مناقب الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا“ میں لکھتے ہیں:

”اس مسئلہ میں سادات کرام کے حق میں معقول و موزوں بات یہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف عظام کی سیرت کو مد نظر رکھتے ہوئے طاعت پر کاربند رہیں اور نسب پر گھمنڈ سے اجتناب فرمائیں، جبکہ ہمارے لیے شرعاً اور عقلاً اور مفید ترین بات یہ ہے کہ ہم ان کی فضیلت کا اعتراف کریں اور ان کی تعظیم کو قائم رکھیں اگرچہ ان کے اعمال کتنے ہی برے ہوں۔“

(مناقب الزہراء ص ۲۱۲-۲۱۳)

یہی بات اس سے اچھے انداز میں امیر اہلسنت سمجھائیں تو ان پر ناصبیت کا فتویٰ کیوں؟

ظہور احمد فیضی کا سادات کے بارے میں ہلکا انداز اور چھپی ہوئی ناصبیت کا ظہور

موصوف نے اپنی مختلف کتب میں دیباچہ و ہابیہ کے بکثرت حوالے دیئے ہیں اور اس کتاب میں تو اکثر استدلال ان لوگوں کی کتب سے ہی کیا ہے، مثلاً گنگوہی، خلیل انپٹھوی، وحید الزمان، زکریا سہارنپوری، عبد الرشید نعمانی، صدیق حسن بھوپالی وغیرہ، ان میں کسی کے نام کے ساتھ علامہ لکھا ہے تو کسی کے نام کے ساتھ مولانا لکھا ہے، تو کسی کو شیخ الحدیث لکھا ہوا ہے، لیکن دیکھیں جب باری آتی ہے، سیدہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لال، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جگر گوشہ، حضرت علامہ سید عرفان شاہ مشہدی موسوی کاظمی دامت برکاتہم العالیہ کی تو ان کا قلم کس قدر حقارت کے ساتھ لکھتا ہے:

”مولوی عرفان شاہ مشہدی لکھتا ہے۔“ (شرح اسنی المطلب ص ۳۲۹)

کیوں جناب وہ بد مذہب جن میں بعض تو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز کے بھی جواز کے قائل نہیں، ذکر شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ناجائز کہتے ہیں، وہ تو آپ کے نزدیک علامہ و مولانا ہیں، لیکن ایک سید زادہ کس لیے آپ کے نزدیک ان کے برابر بھی قابل تعظیم نہیں! آخر اس کبیدگی خاطر کو کیا سمجھا جائے؟

کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ بی بی زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ بیٹا، آپ کے باطل نظریات کا رد

ببانگ دہل کرتا ہے۔

چوتھی دلیل اور اس کا رد

موصوف چوتھی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”موصوف اپنی گفتگو میں آل کو مؤخر اور صحابہ کو مقدم رکھتے ہیں اور صحابہ و اہل بیت کہتے ہیں،

اہل بیت و صحابہ نہیں کہتے، حالانکہ قرآن و سنت نے انہیں مقدم رکھا ہے تعامل اہل سنت بھی اسی

پر ہے۔۔۔ الخ“۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۹)

یہاں سے ظاہر ہوا کہ تکلیف اصل میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ذکر سے ہے، کیا کوئی عقل صحیح

رکھنے والا بتا سکتا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ذکر کو مقدم رکھنا ناصبیت کی دلیل کس طرح ہے؟

ہر مقام پر کلمات کے ادا کرنے کا اپنا اسلوب ہوتا ہے، دعوت اسلامی والے جب درود پاک پڑھتے

پڑھاتے ہیں تو اس طرح پڑھتے ہیں: علی آلک واصحابک یا حبیب اللہ۔ جی فیضی صاحب فرمائیں یہاں

دعوت اسلامی والوں نے آل کو ہی مقدم رکھا ہے کیا اس سے آپ کی مزعومہ ناصبیت کا رد ہو جائے گا؟

جہاں کلمات کی خوبصورتی مقصود ہوتی ہے وہاں یہی دیکھا جاتا ہے کہ کون سا لفظ مقدم ہو اور کون سا

مؤخر ہو تو کلام میں لفظی خوبصورتی آئے گی، مثلاً ہم کلمات استعمال کرتے ہیں انبیاء و مرسلین علیہم السلام

حالانکہ مرسلین عظام، کا مرتبہ انبیاء کرام سے بڑھ کر ہے،

قرآن مجید میں بعض مقامات پر جنات کا ذکر انسان پر مقدم کیا گیا ہے، حالانکہ انسان جنات سے

افضل ہیں، قرآن مجید میں بعض مقامات پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا نام حضرت ہارون علیہ السلام سے پہلے

ہے اور بعض مقامات پر ہارون علیہ السلام کا، جبکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام سے

افضل ہیں۔

اگر تعصب کی پٹی اپنی آنکھوں سے ہٹائیں گے تو بہت امثلہ مل جائیں گی۔

امیر اہلسنت اور دعوت اسلامی کی اہل بیت سے محبت پر ہمیں کسی کو دلیل دینے کی کوئی ضرورت تو

نہیں، کیونکہ لیس الخبر کا المعاینۃ لیکن ہمارا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑا ہے جو اپنے کرتوتوں پر پردہ

ڈالنے کے لیے دن میں سورج کا انکار کر دیتے ہیں، اس لیے کچھ باتیں ذکر کر دیتے ہیں۔

المدینہ العلمیہ کی طرف سے حضرت سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت سیدتنا سیدہ کائنات

فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا، مولائے کائنات مولا مشکل کشا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت پر کتب ایک عرصہ دراز سے لکھی ہوئی شائع ہو رہی ہیں اور ایک ضخیم کتاب میری معلومات کے مطابق مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت پر زیر ترتیب ہے۔

ان ہستیوں کے ایام انتہائی احترام و عقیدت سے منائے جاتے ہیں، سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد میں مسلسل ۱۱ دن تک مدنی مذاکرہ ہوتا ہے، ان حضرات کی نیاز کی جاتی ہے، اہل بیت اطہار کے نام پر مساجد و جامعات المدینہ موجود ہیں، سادات کا جس قدر احترام دعوت اسلامی میں کیا جاتا ہے، ہر دوست بلکہ مخالف منصف مزاج بھی اس کی گواہی دے گا کہ اس کی مثل شاید کسی اور مقام پر نہیں مل سکے گی، امیر اہلسنت دامت برکاتہم العالیہ کو دیکھا گیا ہے کہ آپ مدنی چینل پر کسی کے نام کے ساتھ سید سنتے ہیں تو عقیدت سے ہاتھ چومتے ہیں۔

بہر حال یہ تو بطور جواب ہم نے کچھ باتیں ذکر کی ہیں ورنہ اہل بیت اطہار کی محبت کے لیے امیر اہلسنت اور دعوت اسلامی والوں کو آپ سے سند لینے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم اہلسنت خانہ زاد غلامان اہل بیت تھے، ہیں اور رہیں گے، اور اس کا صلہ بھی ہمیں اہل بیت اطہار اور ان کے نانا جان رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملے گا۔ ہم رضویوں کی تو روز کی دعا یہ ہوتی ہے۔

دو جہاں میں خادم آل رسول اللہ کر۔ حضرت آل رسول مقتدا کے واسطے۔ (شجرہ قادریہ)

ذرا اپنے حال پر غور کریں آپ لوگوں نے کیا کیا ہے؟ آپ تو حب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صرف نام لیتے ہیں اور مقصود اس میں بھی سب صحابہ ہوا کرتا ہے، اہلسنت کو ناصبی کہنا کس کا طریقہ ہے؟

ہاں! یہ ضرور ہے کہ روافض ہمیشہ اہلسنت پر ناصبی ہونے کی تہمت لگاتے آئے ہیں، امام ہبۃ اللہ لا لکائی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

علی بن المدینی یقول: من قال: فلان مشبه علمنا أنه جہمی، ومن قال: فلان مجبر

علمنا أنه قدری، ومن قال: فلان ناصبی علمنا أنه رافضی

”امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاد امام اجل امام علی بن مدینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو

یہ کہتا ہے فلاں مشبہ ہے: تو ہم جان لیتے ہیں کہ وہ ٹھہمی ہے، جب کوئی کہتا ہے: فلاں جبریہ ہے، ہم جان لیتے ہیں کہ یہ قدری ہے، اور جب کوئی کہتا ہے: فلاں ناصبی ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ یہ رافضی ہے۔“ (شرح اعتقاد اہل السنۃ ج ۱ ص ۱۶۶ رقم ۳۰۶)

اس امام اجل کے فرمان سے واضح ہوا کہ جس میں ناصبیت کی کوئی بات نہیں اس پر ناصبیت کا الزام لگانے والا خود رافضی ہوتا ہے، لیکن ظہور احمد فیضی صاحب میں دونوں ہی وصف پائے جاتے ہیں۔

### اصل تکلیف کیا ہے؟

ان کو اصل تکلیف سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی سے ہے کہ ان کی تعریف کیوں کی جائے، آپ پوری کتاب میں دیکھیں گے کہ جس نے ذرا سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بات کی بس پھر تو اس کی خیر ہی نہیں۔ پورے پورے شہر بلکہ ملک کے اوپر ناصبیت کے فتوے ملیں گے۔ موصوف لکھتے ہیں:

”پھر اس کے بعد چینل پر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے تو ساری حدیں ہی ٹوٹ گئیں، عرس معاویہ، لنگر معاویہ، مساجد معاویہ، اور بے خطا بے گناہ معاویہ وغیرہ، اہل سنت میں اس سے قبل ناصبیت کی ایسی بدترین مثال نہیں پائی گئی۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۷)

حالانکہ ان میں کوئی امر ایسا نہیں جو ناصبیت پر دلالت کرے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس منانا، لنگر تقسیم کرنا، ان کے نام کی مساجد بنانا کیا ناصبیت ہے؟ جہاں تک رہا نعرہ بے خطا بے گناہ کا تو اس کی وضاحت بھی کر دی گئی تھی کہ امیر اہل سنت ہر گز مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے خطا نہیں مانتے مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام تر حروب میں حق پر تھے جبکہ آپ کے مقابل آنے والے صحابہ کرام علیہم الرضوان اجتہادی خطا پر تھے۔

پھر مزید احتیاط کرتے ہوئے یہ اعلان ہی کر دیا کہ آئندہ یہ نعرہ ہی نہیں لگایا جائے گا، لیکن بات وہی ہے جو امام علی بن مدینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ اہل سنت کو ناصبی کہنا یہ روافض کا طریقہ کار ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شیعہ لغت میں نواصب کا لفظ ہر اس شخص کے لیے ہے جو ان کے

عقیدے کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔“ (فتاویٰ عزیزی ص ۳۰)



ہم بغض صحابہ کرام و اہلبیت کرام علیہم الرضوان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

### دعویٰ اعتدال کی حقیقت

موصوف نے ابتداء میں لکھا ہے:

”عاجز نے اس تحریر میں اعتدال و توازن کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے، کسی عبارت کو سیاق و سباق سے ہٹا کر نہیں لکھا، ڈنڈی نہیں ماری اور میرے موقف کے خلاف میرے سامنے کوئی مواد آیا تو اس سے آنکھیں نہیں چرائیں بلکہ اسے نقل کر کے اس کا جواب لکھا ہے، اظہار دلائل اور احقاق حق میں میں نے یہ پروا نہیں کی کہ فلاں بات عوام یا جاہل مبلغین و مقررین کے اکثریتی نظریے کے خلاف ہے لہذا اس کے اظہار میں اجتناب چاہیے۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۱۰)

ان شاء اللہ عزوجل عنقریب پتہ چل جائے گا کہ فیضی صاحب کوفن اسماء الرجال کی کتنی معرفت ہے، اور اصول حدیث کا کیسا خون انہوں کیا ہے۔ کتاب کے اعتدال کا یہ حال ہے کہ ہر وہ محدث، فقیہ، مفسر جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں حدیث مانے وہ ان کا وکیل، مرعوب ہونے والا، بنو امیہ کا زر خرید غلام ہے، حتیٰ کہ موصوف امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ پر خوب برسے ہیں کہ کیوں انہوں نے ”إنہ فقیہ“ کے الفاظ روایت کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کو ثابت کیا ہے، ان شاء اللہ عزوجل کتاب میں ان تمام باتوں کا جواب آئے گا۔

خیانت تو ان کے آگے بہت چھوٹا لفظ معلوم ہوتا ہے، موصوف نے عبارتیں درمیان سے حذف کر دیں، تراجم کو اپنے معنی میں ڈھالنے کے لیے بھرپور جہالت کا مظاہرہ کیا ہے۔ پھر اس کے بعد یہ دعوے بڑے عجیب و غریب ہیں۔

### موضوع حدیث کی بحث

موصوف نے موضوع حدیث کی تعریف اور اس میں مضر طبقہ متصوفین کا تو ذکر کیا لیکن اس بات کو بیان نہیں کیا کہ موضوع حدیث ثابت کیسے ہوتی ہے۔

### موضوع حدیث کا حکم

اولاً تو یہ پیش نظر رہے کہ حدیث موضوع، حقیقتاً حدیث ہے ہی نہیں، اس کو توسعا اور مجازاً حدیث کہا

جاتا ہے، اس کو فضائل وغیرہ کسی مقام پر بیان کرنا حرام ہے۔ (البتہ اگر کوئی لوگوں کو بتانا چاہتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اس لیے بیان کرتا ہے تو جائز ہے، یہ حقیقتاً اس کی موضوعیت کو بیان کرنا ہے)

ائمۃ اہلسنت اس بات پر متفق ہیں کہ کسی بھی کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے مسلمان دائرۃ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، جب تک کہ ضروریات دین میں سے کسی ضرورت دینی کا انکار نہ پایا جائے۔

البتہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا واحد ایسا کبیرہ گناہ ہے جس کے متعلق علمائے اہلسنت کا اختلاف ہے کہ یہ کفر ہے یا نہیں، امام ابو محمد الجونی والد امام الحرمین رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن ناصر الدین الماکی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ یہ کفر ہے، جمہور کا یہاں بھی یہی موقف ہے کہ اشد کبیرہ ضرور ہے لیکن کفر نہیں۔ (نزہۃ النظر مع شرح قضاء الوطر للقانی ج ۲ ص ۱۰۶۶ مع شرح

بجہ النظر للسندی المدنی ص ۲۲۴ تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص ص ۶۵)

اس اختلاف سے مسئلے کی سنگینی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنا یہ کسی اور پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے، آپ علیہ السلام پر جھوٹ باندھنے والے کے لیے جہنم میں ٹھکانہ بنانے کی وعید حدیث متواتر میں ہے۔

### حدیث موضوع کیسے ثابت ہوتی ہے

ثانیاً: یہ جاننا ضروری ہے کہ حدیث کا موضوع ہونا ثابت کیسے ہوتا ہے، ہم یہاں امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق اینق نقل کرتے ہیں کہ حدیث کا موضوع ہونا ثابت کیسے ہوتا ہے۔

امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ رضویہ جلد ۵ رسالہ منیر العین میں پندرہ امور بیان کیے جن کی بنیاد پر حدیث موضوع قرار پاتی ہیں وہ پندرہ امور یہ ہیں: (۱) قرآن عظیم (۲) یا سنت متواترہ (۳) یا اجماعی قطعی قطعیات الدلالۃ (۴) یا عقل صریح (۵) یا حسن صحیح (۶) یا تاریخ یقینی کے ایسا مخالف ہو کہ احتمال تاویل و تطبیق نہ رہے (۷) یا معنی شنیع و فبیح جن کا صدور حضور پر نور صلوات اللہ علیہ سے منقول نہ ہو، جیسے معاذ اللہ کسی فساد یا ظلم یا عبث یا سفہ یا مدح باطل، یا ذم حق پر مشتمل ہونا (۸) یا ایک جماعت جس کا عدد حد تواتر کو پہنچے اور ان میں احتمال کذب یا ایک دوسرے کی تقلید کا نہ رہے اس کے کذب و بطلان پر گواہی مستند الی الحس دے (۹) یا خبر کسی ایسے امر کی ہو کہ اگر واقع ہوتا تو اس کی نقل و خبر مشہور و مستفیض ہو جاتی مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتا نہیں (۱۰) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ و بشارت یا

صغیر امر کی مذمت اور اس پر وعید و تہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنہیں کلام معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ رہے۔

یہ دس صورتیں صریح ظہور و وضوح وضع کی ہیں۔

یابیوں حکم وضع کیا جاتا ہے کہ لفظ رکیک و خفیف ہوں جنہیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل مدعی ہو کہ یہ بعینہا الفاظ کریمہ حضور فصیح العرب صلی اللہ تعالیٰ وسلم ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔ یا ناقل رافضی حضرات اہلبیت علی سیدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اس کے غیر سے ثابت نہ ہو جیسے حدیث لَحْمُكَ لَحْمِي وَدَمُكَ دَمِي۔

اقول: انصافیوں ہی وہ مناقب امیر معاویہ و عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ صرف نواصب کی روایت سے آئیں (۱۳) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع سے یا غضب و غیرہما کے باعث ابھی گھڑ کر پیش کر دی ہے جیسے حدیث سبق میں زیادتِ جناح اور حدیث ذم معلین اطفال (۱۴) یا تمام کتب و تصانیف اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتا نہ چلے یہ صرف اجلہ حفاظ ائمہ شان کا کام تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم (۱۵) یا راوی خود اقرار وضع کر دے خواہ صراحۃ خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلہ اقرار ہو مثلاً ایک شیخ سے بلا واسطہ بدعوی سماعت روایت کرنے پھر اس کی تاریخ وفات وہ بتائے کہ اس کا اس سے سنا منقول نہ ہو۔

یہ پندرہ باتیں ہیں کہ شاید اس جمع و تلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوانہ ملیں۔

اس کے بعد امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بحث فرمائی کہ اگر حدیث ان پندرہ امور سے خالی ہو تو اس پر موضوع کا حکم کس صورت میں ہو سکتا ہے۔ اس میں تین اقوال ذکر کیے۔ انکار محض یعنی اگر امور مذکورہ نہیں تو اصلاً وضع کی راہ نہیں چاہے راوی وضاع یا کذاب پر اس کا مدار ہو۔ امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتح المغیث میں اسی پر جزم فرمایا۔ دوسرا یہ کہ اگر راوی کذاب ہے تو اس کی حدیث کو موضوع کہیں گے، لیکن ظناً، یہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مسلک ہے۔ تیسرا راوی کذاب یا متہم بالکذب ہو تو موضوع کہیں گے یہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا موقف ہے۔ اس تمام بحث کے بعد امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بالجملة اس قدر پر اجماع محققین ہے کہ حدیث جب ان دلائل و قرائن قطعیہ و غالبہ سے خالی ہو اور اس کا مدار کسی متہم بالکذب پر نہ ہو تو ہرگز کسی طرح اسے موضوع کہنا ممکن نہیں،

جو بغیر اس کے حکم بالوضع کر دے یا مشدد و مفرط ہے یا مخفی غلط یا متعصب مغالط۔ واللہ الہادی وعلیہ  
اعتمادی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۵ ص ۳۶۰-۳۶۸)

لہذا حدیث چاہے شان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہو یا کسی اور باب میں اگر ان اصول کے  
مطابق موضوع قرار پاتی ہیں تو ضرور اسے موضوع کہا جائے گا، لیکن کسی کی نفسانی خواہش کی پیروی میں  
احادیث کا انکار نہیں کیا جائے گا۔

جس طرح حدیث کا گھڑنا حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے اسی طرح حدیث کا انکار کرنا بھی  
گمراہی اور بددینی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: آدمی کو بغیر علم کے رسول اللہ صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں کلام کرنے سے ڈرنا چاہیے، اور اس فن کی تحصیل میں مسلسل کوشش کرنا  
چاہیے حتیٰ کہ اس اس فن میں مہارت و رسوخ حاصل ہو، اور اس کو تبحر حاصل ہو اس کے بغیر کلام کرنے والا  
کہیں اس حدیث کے حکم میں داخل نہ ہو جائے کہ جو بغیر علم کے کلام کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی  
لعنت ہے، اور وہ اس دھوکہ میں نہ رہے کہ دنیا میں تو کوئی ایسا نہیں جو اس پر انکار کرنے والا ہو، لیکن موت  
کے بعد اس کو معلوم ہو جائے گا یا تو قبر میں یا پل صراط پر، اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وہاں اس  
کے مقابل ہوں گے اور اس سے گویا یوں فرمائیں گے: ”تو نے میری حدیث کے بارے میں کیسے بغیر علم  
کے جرات کی اور کلام کیا“ یا تو یوں فرمائیں گے: ”تو نے اس بات کو رد کیا جو میں نے فرمائی تھی یا تو نے  
میری طرف ایسی بات کی نسبت کی جو میں نے فرمائی نہ تھی، کیا تو نے مجھ پر اترے ہوئے قرآن میں یہ نہ  
پڑھا تھا کہ اس کے درپے نہ ہو جس کا تجھے علم نہیں بیشک سمع بصر دل ان میں سے ہر ایک سوال کیا جائے گا“  
پس اس دن بڑی خرابی ہے اور بڑی رسوائی ہے یہ بھی اس صورت میں جب کہ ایمان پر خاتمہ ہوا، ورنہ تو اور  
خرابی ہے، بہت سے گناہ وہ ہوتے ہیں جس پر سوئے خاتمہ کی وعیدیں ہیں۔ امام محی الدین قرشی حنفی رحمہ  
اللہ تعالیٰ اپنی کتاب تذکرہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں: ”اکثر لوگوں کا ایمان  
موت کے وقت ضائع ہونے کا سبب ظلم ہے“، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں بغیر  
علم کے گفتگو کرنے کی جرات سے بڑھ کر کونسا ظلم ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اور غافیت کا سوال کرتے  
ہیں۔

آپ کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

فليحذر المرء من الإقدام على التكلم في حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم بغير علم وليسعن في تحصيل الفن حتى يطول بآعه ويرسخ قدمه، ويتبحر فيه لئلا يدخل في حديث: (من تكلم بغير علم لعنته ملائكة السماء والأرض) ولا يغتر بكونه لا يجد من ينكر عليه في الدنيا، فبعد الموت يأتيه الخبر إما في القبر أو على الصراط، والنبى صلى الله تعالى عليه وآله وسلم هناك يخاصمه ويقول له: كيف تجازف في حديثي وتتكلم فيما ليس لك به علم، فإما أن ترد شيئاً قلتَهُ وإما تنسب إلى ما لم أقله، أما قرأت فيما أنزل على: ((ولا تقف ما ليس لك به علم إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسؤولاً))؛ فإيا نجلته يومئذٍ ويأفضيحتهُ. هذا إن مات مسلماً وإلا عوقب، والعياذ بالله بسوء الخاتمة كما يقول الخطباء على المنابر في بعض الخطب: والذنوب قرب ذنب يعاقب العبد عليه بسوء الخاتمة، وكما نقل الشيخ محيي الدين القرشي الحنفى في تذكرته عن الإمام أبي حنيفة رضى الله عنه أنه قال: أكثر ما يسلب الناس الأيمان عند الموت وأكبر أسباب ذلك الظلم، وأى ظلم أعظم من الجراءة على الخوض في حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم بغير علم، نسأل الله السلامة والعافية.

(بلوغ المأمول في خدمة الرسول ضمن الحاوي للفتاوى) ج 2، ص 137، 138، دار الفكر

فقہ اعظم ہند حضرت مفتی شریف الحق امجدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (ت ۱۴۲۱ھ) فرماتے ہیں: ”جس طرح حدیث گڑھنا حرام ہے اسی طرح کسی حدیث کا انکار بھی گمراہی ہے، اس لیے اس معاملے میں دونوں کا طرف کافی احتیاط کی ضرورت ہے۔“

(نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری) جلد ۱ صفحہ ۴۵۰

بعض محدثین نے جب اس میں غفلت برتی تو اس پر ائمہ حدیث نے سخت تنبیہ فرمائی، اور اسے راہ راست سے دور ہونا ارشاد فرمایا۔

امام محمد بن عبد اللہ بہادر الزرکشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۱۹۴۷ھ) اپنی کتاب اللآلی المسخورة لکھنے کی



ایک وجہ یہ بیان کرتے ہیں:

وربما نفاہ بعض أهل الحديث لعدم اطلاعه عليه، والنافي له كمن نفى أصلاً من الدين، وضل عن طريقه المبين

”یعنی: بعض اوقات کچھ محدثین کسی حدیث پر عدم اطلاع کی وجہ سے اس حدیث کی نفی کر دیتے ہیں۔ اور ایسی ثابت حدیث کی نفی کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو دین کی ایک اصل کا انکار کر دیتا ہے، اور واضح راستہ سے دور ہو جاتا ہے۔“

(اللائی المنصورة فی الأحادیث المشتملة) (صفحہ ۵، المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۱۷ھ الطبعة الأولى،)

لہذا اس جہت کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، اور حدیث پر کلام بھی وہ کرے گا جو اس کا علم رکھتا ہے، جاہل کو حق ہی نہیں کہ حدیث کے حوالے سے گفتگو کرے۔

امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اگر جاہل ہے بطور خود جاہلانہ برسر پیکار ہے تو قابل تادیب و زجر و انکار ہے کہ جہال کو حدیث میں گفتگو کیا سزاوار ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۷۷)

ہماری بیان کردہ تفصیل سے واضح ہو گیا کہ حدیث کے بارے میں یہ کہنا یہ حدیث نہیں اتنا سہل نہیں جتنا آج کل لوگوں نے سمجھا ہوا ہے۔

### اصول فیضی در اثبات حدیث موضوع

فیضی کے نزدیک حدیث کو موضوع کہنے کے اصول یہ ہیں: سند میں شامی یا اموی راوی ہو تو فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں وارد حدیث موضوع، سند میں راوی مجہول ہو تو حدیث موضوع، حدیث مرسل یا سند منقطع ہو تو حدیث موضوع، لیکن جہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اشارتا بھی تنقیص نکلتی ہو تو منکر الحدیث بھی مقبول، کذاب، رافضی کی روایت بھی قبول، بے سند اقوال و آثار بھی محبوب ہوتی ہیں۔

موصوف لکھتے ہیں:

”جس طرح حدیث شاگھڑنے میں نام نہاد صالحین و صوفیہ سب سے زیادہ مضر ہیں اسی طرح گھڑی ہوئی احادیث کو قبول کرنے میں بھی یہی طبقہ سب سے زیادہ مضر ہے، لہذا محض کلام

کے حسن کی طرف نہیں جانا چاہیے بلکہ محدثین کرام کی تحقیق پر اعتماد کرنا چاہیے کیونکہ لکل فن رجال (ہر فن کے لیے مخصوص لوگ ہوتے ہیں)۔“ (الاحادیث الموضوعہ ص ۱۵)

بجائے لکھا لیکن یہ اصول اپنی باری میں کہاں بھول گئے۔ شان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں وارد احادیث کے بارے میں موصوف محدثین پر اعتماد ہی نہیں کرتے بلکہ اس بارے میں یوں لکھتے ہیں:

”ماہرین علم حدیث بھی دھوکہ کھا گئے جہاں حکومتی پروپیگنڈا، لالچ اور دباؤ سب چیزیں جمع ہو جائیں تو وہاں مفاد پرست لوگوں کو اپنے اپنے جوہر دکھلانے اور قیمت پانے کے مواقع خوب میسر آتے ہیں، چنانچہ اس دور کے مفاد پرستوں نے ایسی چالاکی سے احادیث وضع کیں اور ان کو من گھڑت متنوں پر چڑھایا کہ علم حدیث کے جہاڑہ اور نیاز حضرات بھی دھوکہ کھا گئے، ان کی پرکھنے کی صلاحیت جواب دے گئی اور وہ کھوٹے سکے کو قبول کر کے اپنی عظیم الشان کتب میں درج کر گئے۔۔۔ الخ“۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۸)

لا حول ولا قوۃ الا باللہ: محدثین کرام وہ ہستیاں جن کی زندگیاں ہوتی ہی اس مقصد کے لیے ہیں کہ احادیث کی چھان پھٹک کریں اور موضوع حدیث کو کھنگال کر جدا کر دیں۔ امام عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا: ان جھوٹی من گھڑت احادیث کا کیا ہوگا۔ ارشاد فرمایا: اسی کے لیے تو کبار محدثین زندگی گزارتے ہیں، پھر آپ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت کی:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَفُظُونَ

(ترجمہ کنز الایمان:) ”بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان

ہیں۔“ (فتح المغیث ج ۱ ص ۳۱۹)

یہ محدثین وہ ہیں کہ اگر حدیث میں ایک حرف بھی بڑھا دیا جائے یا گھٹا دیا جائے تو اس کے بارے میں بتا سکتے ہیں کہ یہ حرف زائد کیا گیا ہے یا گھٹایا گیا ہے، امام ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ المجروحین میں محدثین کی تگ و دو اور اسناد کی اہمیت کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

حتى لا يتهياً أن يزاد في سنة من سنن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

ألف ولا واو. كما لا يتهياً زيادة مثله في القرآن فحفظت هذه الطائفة السنن على

المسلمين. وكثرت عنايتهم بأمر الدين ولولا هم لقال من شاء ما شاء

”کسی کے لیے ممکن نہیں رہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں کسی حدیث میں الف یا واؤ کا اضافہ کر سکے جیسا کہ اس طرح کا اضافہ قرآن میں نہیں ہو سکتا، اس گروہ محدثین نے حدیث کو مسلمانوں کے لیے محفوظ کیا، اور ان کا اہتمام دین کے معاملہ کے ساتھ بہت زیادہ تھا اگر یہ نہ ہوتے تو جو جو چاہتا کہتا“۔ (البحرین ج ۱ ص ۵۴-۵۵)

حیرت ہے کہ موصوف کی تحقیق میں ان حضرات کو دھوکہ لگا تو فضائل امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہی لگا، باقی میں بات محدثین کی بات مانی جائے گی۔ ہے ناکمال کی بات؟  
کیا ضعیف حدیث فضائل کی طرح مثالب میں بھی قبول ہوتی ہے؟

محدثین اس بات پر تو متفق ہیں کہ فضائل میں ہر ضعیف غیر موضوع حدیث مقبول ہے، لیکن ظہور احمد فیضی صاحب کا ایک اصول اور ہے وہ یہ کہ ضعیف روایت مثالب میں بھی مقبول ہے، جی ہاں لیکن شرط یہ ہے کہ یہ مثالب حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہوں! موصوف نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ محدثین نے اپنی احادیث مشہورہ پر مبنی کتب یا کتب موضوعات میں شان معاویہ میں احادیث کے بارے میں کہا کہ ان کی سند ضعیف ہے یا سرے سے سند ہے ہی نہیں اور ان کے متن میں رکاکت ہے تو وہ دراصل موضوع ہی ہیں، پھر اس کے بعد یہ لکھا ہے: ”یہاں ایک بات ذہن نشین فرمائیے کہ بعض اکابر محدثین کرام نے شان معاویہ میں وارد شدہ بعض احادیث کو اپنی کتب موضوعات یا احادیث مشہورہ پر مبنی کتب میں کہا ہے کہ ان کی سند ضعیف ہے یا سند سرے سے ہے ہی نہیں اور ان کے متن میں بھی رکاکت ہے تو دراصل وہ احادیث موضوع ہی ہیں، لیکن بعض خائنین اور زانغین خصوصاً لفظ ”موضوع“ کی ٹوہ میں رہتے ہیں اور جب تک صراحتاً لفظ موضوع نہ ہو تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے، کیونکہ کسی محدث نے اس کو موضوع نہیں کہا۔ دراصل یہ عدا محدثین کرام کے اصول سے انحراف ہے۔ جو لوگ ایسی ہیرا پھیری سے کام لے رہے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے اس طرز عمل کو اپنایا جائے تو پھر ان کے موصوف کے مثالب میں جو احادیث آئی ہیں ان کی سند ان کے فضائل کی احادیث سے زیادہ مضبوط ہے، لہذا انہیں چاہیے کہ وہ ابلیسی تلبیس سے باز آجائیں کہیں ایسا نہ ہو ان کے لیے ان کا اپنا طرز عمل ہی کنواں ثابت ہو جائے۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۶-۱۷)

یہ تو ان شاء اللہ عزوجل واضح ہو جائے گا کہ کون محدثین کے اصول سے منحرف ہوا ہے، لیکن اس سے

آپ کی علم حدیث میں معرفت واضح ہوتی ہے، آپ کے نزدیک فضائل اور مثالب ایک ہی شے ہیں اور دونوں کے لیے ایک درجہ کی حدیث درکار ہوتی ہے، فن حدیث سے ادنیٰ ممارست رکھنے والے پر بھی اس کا بطلان مخفی نہ ہوگا، محدثین نے فضائل میں ہر ضعیف غیر موضوع حدیث کو مقبول رکھا ہے، جبکہ مثالب صحابہ پر مشتمل روایات کے لیے محدثین کیا تمام ہی اہلسنت کا اتفاق ہے کہ اس میں اگر صحیح سند سے بھی روایت ثابت ہو تو اس میں تاویل کی جائے گی ورنہ ایسی روایات ہی مقبول نہیں۔

دوسری بات جب سند ضعیف ہے اور محدثین اس کے ضعف کی صراحت کر رہے ہیں تو پھر آپ کون ہوتے ہیں اس کو موضوع کہنے والے۔ ان شاء اللہ عزوجل آگے احادیث پر تحقیق کے دوران قارئین دیکھ لیں کہ آپ نے ابلیس کی جانشینی کا حق ادا کرتے ہوئے کس طرح تلبیسات، تحریفات سے کام لیا ہے۔

### تعظیم صحابہ اور مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصابت

ہمارے ائمہ اہل سنت نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے: مولائے کائنات مولا مشکل شیر خدا حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے مقابلے میں جن صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جنگ کی چاہے وہ جنگ جمل والے ہوں یا جنگ صفین والے اس میں حضرت مولا مشکل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد اصابت پر تھا، جبکہ مقابل صحابہ کرام علیہم الرضوان کسی نفسانی خواہش کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی اجتہادی خطا کی وجہ سے مقابلے پر آئے تھے، ان کے اجتہاد نے اگرچہ یہاں خطا کی لیکن اس پر بھی وہ ایک اجر کے مستحق ہیں۔

ہم یہاں چند نصوص ائمہ کبار کی پیش کرتے ہیں تاکہ اہل سنت کا موقف واضح ہو جائے۔

امام اہلسنت امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَأَمَّا مَا جَرَى مِنْ عَلِيٍّ وَالزُّبَيْرِ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ، فَإِنَّمَا كَانَ عَلِيٌّ تَأْوِيلًا وَاجْتِهَادًا، وَعَلَى الْإِمَامِ، وَكُلُّهُمْ مِنْ أَهْلِ الْاجْتِهَادِ وَقَدْ شَهِدَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلُهُ وَسَلَّمَ بِالْجَنَّةِ وَالشَّهَادَةِ فِدْلٌ عَلَى أَنَّهُمْ كُلُّهُمْ كَانُوا عَلَى حَقٍّ فِي اجْتِهَادِهِمْ، وَكَذَلِكَ مَا جَرَى بَيْنَ سَيِّدِنَا عَلِيٍّ وَمَعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، فِدْلٌ عَلَى تَأْوِيلٍ وَاجْتِهَادٍ، وَكُلُّ الصَّحَابَةِ أُمَّةٌ مَأْمُونُونَ غَيْرُ مَتَّهَمِينَ فِي الدِّينِ، وَقَدْ أَثْنَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ عَلَى جَمِيعِهِمْ، وَتَعَبَّدْنَا بِتَوْقِيرِهِمْ وَتَعْظِيمِهِمْ وَمَوَالَاتِهِمْ وَالتَّبَرُّيِّ مِنْ كُلِّ

من ينقص أحدا منهم رضى الله تعالى عنهم أجمعين۔

”جو جنگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین ہوئی یہ تاویل اور اجتہاد کی بنیاد پر تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی امام تھے، اور یہ تمام کے تمام مجتہدین تھے اور ان کے لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی گواہی دی ہے، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ تمام اپنے اجتہاد میں حق پر تھے، اسی طرح جو جنگ حضرت سیدنا علی اور حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین ہوئی اس کا بھی یہی حال ہے، یہ بھی تاویل و اجتہاد کی بنیاد پر ہوئی، اور تمام صحابہ پیشوا ہیں، مامون ہیں، دین میں ان پر تہمت کوئی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام کی تعریف کی ہے، ہم پر لازم ہے کہ ہم ان تمام کی تعظیم و توقیر کریں، ان سے محبت کریں اور جو ان کی شان میں کمی لائے اس سے براءت اختیار کریں۔“ (الابانۃ عن أصول الديانۃ ص ۲۵۱)

امام قاضی ابوبکر الباقلائی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ويجب أن يعلم: أن ما جرى بين أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ورضى عنهم من المشاجرة نكف عنه، ونترحم على الجميع، ونثني عليهم، ونسأل الله تعالى لهم الرضوان، والأمان، والفوز، والجنان، ونعتقد أن علياً عليه السلام أصاب فيما فعل وله أجران، وأن الصحابة رضى الله تعالى عنهم إنما صدر منهم ما كان باجتهاد فلهم الأجر، ولا يفسقون ولا يبدعون.

والدليل عليه قوله تعالى: "رضى الله عنهم ورضوا عنه" وقوله تعالى: "لقد رضى الله عن المؤمنين إذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما في قلوبهم فأنزل السكينة عليهم وأثابهم فتحاً قريباً" وقوله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: ((إذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران، وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر)) فإذا كان الحاكم في وقتنا له أجران على اجتهاده فما ظنك باجتهاد من رضى الله عنهم ورضوا عنه.

”واجب ہے کہ ہم جان لیں: جو امور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم



الرضوان کے مابین واقع ہوئے اس سے ہم کف لسان کرتے ہیں، اور ان تمام کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں، تمام کی تعریف کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے رضا، امان، کامیابی اور جنتوں کی دعا کرتے ہیں، اور اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان امور میں اصابت پر تھے، اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ان معاملات میں دواجر ہیں، اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے جو صادر ہوا وہ ان کے اجتہاد کی بنیاد پر تھا ان کے لیے ایک اجر ہے، نہ ان کو فاسق قرار دیا جائے گا اور نہ ہی بدعتی، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی“ اور یہ ارشاد فرمایا ”بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انھیں جلد آنیوالی فتح کا انعام دیا“ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ((جب حاکم اجتہاد کرے اور اس میں اصابت پر ہو تو اس کے لیے دواجر ہیں، اور جو اجتہاد کرے اور اس میں خطا کرے، تو اس کے لیے اجر ہے))، جب ہمارے وقت میں حاکم کے لیے اس کے اجتہاد پر دواجر ہیں تو پھر ان کے اجتہاد پر تمہارا کیا گمان ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ (الانصاف فیما یجب اعتقاده ولا یجوز الجہل بہ) ص ۶۱

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

واعتقاد أهل السنة تزكية جميع الصحابة والثناء عليهم كما أثنى الله سبحانه وتعالى ورسوله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وما جرى بين معاوية وعلى رضي الله تعالى عنهما كان مبنياً على الاجتهاد لا منازعة من معاوية في الإمامة.

”اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ وہ تمام صحابہ کا تزکیہ کرتے اور ان کی تعریف کرتے ہیں، اور حضرت امیر معاویہ اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جو جنگ ہوئی یہ اجتہاد پر مبنی تھی، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے خلافت میں کوئی جھگڑا نہیں تھا۔“

(احیاء علوم الدین) ج ۱ ص ۱۰۵

اسی کی مثل امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الاقتصاد فی الاعتقاد اور کیمیائے سعادت میں بھی بیان فرمایا ہے۔

حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

واتفق أهل السنة على وجوب الكف عما شجر بينهم، والإمساك عن مساوئهم، وإظهار فضائلهم ومحاسنهم، وتسليم أمرهم إلى الله - عز وجل - على ما كان وجري من اختلاف على وطلحة والزبير وعائشة ومعاوية - رضي الله تعالى عنهم - على ما قدمنا بيانه، وإعطائه كل ذي فضل فضله

”اہل سنت صحابہ کے آپس کے معاملات میں کف لسان، ان کی خطاؤں کے بیان سے رکنے، اور ان کے فضائل و محاسن کا اظہار کرنے پر، اور جو معاملہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرات طلحہ و عائشہ و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین اختلاف ہوا اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے پر متفق ہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور ان میں ہر فضل والے کو اس کے فضل کو دینے پر متفق ہیں۔“ (الغنیۃ لطالبی طریق الحق المعروف بغنیۃ الطالبین ص ۱۶۱-۱۶۳)

عاشق خیر الوری امام قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والذي عليه جماعة أهل السنة والحق: حسن الظن بهم والإمساك عما شجر بينهم، وطلب أحسن التأويل لفعلهم، وأنهم مجتهدون غير قاصدين للمعصية بذلك، وطلب سحق للدنيا، بل كل عمل على شاكلته، وبحسب ما أداه إليه اجتهاده، لكن منهم المخطئ في اجتهاده ومنهم المصيب

”اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے گا اور جو ان کے آپسی معاملات تھے اس میں پڑنے سے بچا جائے گا، اور ان کے اس کام کی بہترین تاویل تلاش کی جائے گی، اور یہ اعتقاد ہے کہ یہ حضرات مجتہد تھے، ان کا مقصود اس سے نہ تو معصیت تھا اور نہ وہ دنیا کے طالب تھے بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنی نیت اور اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنے والا تھا، ہاں ان میں سے بعض اپنے اجتہاد میں خطا کرنے والے

تھے اور بعض ان میں سے صواب پر تھے۔“ (إكمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۴۲۱-۴۲۲)

اسی کی مثل کلام حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ تعالیٰ نے التوضیح شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۲۰ پر ذکر فرمایا

امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ مسایرہ میں فرماتے ہیں:

وما جرى بين معاوية و علي رضي الله تعالى عنهما من الحروب بسبب طلب تسليم قتلة عثمان رضي الله تعالى عنه كان مبنيا على الاجتهاد لا منازعة من معاوية رضي الله تعالى عنه، إذ ظن علي رضي الله تعالى عنه أن تسليم قتلة عثمان مع كثرة عشائره واختلاطهم بالعسكر يؤدي إلى اضطراب أمر الإمامة العظمى خصوصا في بدايتها فرأى التأخير أصوب إلى أن يتحقق التمكن ويلتقطهم، فإن بعضهم عزم على الخروج على علي وقتله لما نادى يوم الجمل بأن يخرج عنه قتلة عثمان

”حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین معاملہ اجتہاد کی بنیاد پر تھا، اور حضرت معاویہ کی طرف سے (مملکت کے مطالبے پر) منازعت نہیں تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ قاتلین عثمان کو، ان کے بڑے بڑے قبائل اور لشکروں کے ساتھ ملے ہوئے ہونے کے سبب، قصاص کے لیے سپرد کرنا، خلافت کے معاملے میں اضطراب پیدا کرے گا بالخصوص ابھی تو خلافت کی ابتداء تھی، اور تاخیر کرنا زیادہ درست تھا یہاں تک کہ اچھی طرح کنٹرول حاصل ہو جائے، کیونکہ جب جنگ جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کی ندامت فرمائی کہ قاتلین عثمان ہم سے الگ ہو جائیں تو ان لوگوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی خروج اور قتل کا ارادہ کیا تھا“۔ (السامرہ مع المسارہ، الرکن الرابع، صفحہ ۲۶۰)

حضرت علامہ علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وأما معاوية فهو من العدول الفضلاء والصحابة الأخيار، والحروب التي جرت بينهم كانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب أنفسها بسببها، وكلهم متأولون في حروبهم، ولم يخرج بذلك أحد منهم من العدالة لأنهم مجتهدون اختلفوا في مسائل، كما اختلف المجتهدون بعدهم في مسائل ولا يلزم من ذلك نقص أحد منهم

”حضرت معاویہ عادل فاضل اور بہترین صحابہ میں سے تھے، وہ جنگیں جو ان کے درمیان ہوئیں، ان میں سے ہر ایک گروہ کو شبہ تھا جس کے سبب وہ اپنے آپ کو صواب پر ہونے کا

اعتقاد رکھتا تھا، اور یہ تمام اپنی جنگوں میں تاویل کرنے والے تھے، اس سبب ان میں سے کوئی عدالت سے خارج نہیں ہوا، اس لیے کہ یہ تمام مجتہد تھے، اور انہوں نے مسائل میں اختلاف کیا جیسا کہ ان کے بعد آنے والے مجتہدین نے مسائل میں اختلاف کیا، اور ان میں سے کسی کے حق میں بھی اس سبب تنقیص کرنا لازم نہیں آتا۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱۰ ص ۲۵۵)

امام اجل شرف الدین النووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

واعلم أن الدماء التي جرت بين الصحابة رضي الله تعالى عنهم ليست بداخلة في هذا الوعيد، ومذهب أهل السنة والحق: إحسان الظن بهم، والامساك عما شجر بينهم، وتأويل قتالهم، وأنهم مجتهدون متأولون لم يقصدوا معصية ولا محض الدنيا، بل اعتقد كل فريق أنه المحق ومخالفه باغ فوجب عليه قتاله ليرجع إلى أمر الله، وكان بعضهم مصيباً وبعضهم مخطئاً معذوراً في الخطأ لأنه لا جتهاد، والمجتهد إذا أخطأ لا إثم عليه، وكان على رضي الله تعالى عنه هو المحق البصيب في تلك الحروب هذا مذهب أهل السنة

”جان لو وہ جنگیں جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان ہوئیں وہ اس وعید میں داخل نہیں، اور اہل سنت و حق کا مذہب صحابہ کے ساتھ حسن ظن رکھنا، ان کے آپس کے معاملات میں خاموشی اختیار کرنا، اور ان کے قتال کی تاویل کرنا ہے، اور یہ حضرات مجتہد تھے، اپنے معاملات میں ان کی تاویلات تھیں، انہوں نے نہ تو معصیت کا قصد کیا اور نہ ہی محض دنیا کا، بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنے حق ہونے اور مخالف کے باغی ہونے کا اعتقاد رکھتا تھا جس وجہ سے اس پر قتال واجب تھا تا کہ فریق مخالف اللہ تعالیٰ کے امر کی طرف لوٹ آئے، ان میں بعض مصیب تھے اور بعض خطا کرنے والے لیکن خطا میں معذور تھے، اس لیے کہ یہ خطا، اجتہاد کے سبب تھی اور مجتہد جب خطا کرے تو اس پر گناہ نہیں ہوتا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ان جنگوں میں حق

پر تھے، یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ (المنہاج بشرح مسلم بن الحجاج للنووی ج ۹ ص ۲۳۹)

ان اجلہ ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کر دیا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان تمام کے تمام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پسندیدہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی

ہے، وہ ان کی تعریف فرماتا ہے، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو خطا واقع ہوئی وہ اجتہادی تھی، آپ مجتہد صحابی تھے اور اس خطا پر بھی آپ کو اجر دیا جائے گا، اس پر ان کو یا دیگر صحابہ کو برا بھلا کہنا کبیرہ گناہ ہے، ان کا اور تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ذکر ہمیشہ خیر ہی کے ساتھ کیا جائے گا۔ یہی اہل سنت کا موقف ہے۔ اس حوالے سے مزید نصوص کتاب شرح حدیث سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### صدر الشریعہ کی خوبصورت ترجمانی:

قرآن و سنت اور عقیدہ ائمہ اہلسنت کے عین مطابق خلیفہ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کتنے خوبصورت انداز میں عقیدہ بیان فرماتے ہیں: ”صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انبیاء نہ تھے، فرشتہ نہ تھے کہ معصوم ہوں، ان میں سے بعض کے لیے لغزشیں ہوئیں مگر ان کی کسی بات پر گرفت اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہے، اللہ عزوجل نے سورہ حدید میں جہاں صحابہ کی دو قسمیں فرمائیں، مؤمنین قبل فتح مکہ اور بعد فتح مکہ اور ان کو ان پر تفضیل دی اور فرمادیا: وکلا وعد اللہ الحسنی سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا، ساتھ ہی ارشاد فرمادیا: واللہ بما تعملون خبیر اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرو گے۔ تو جب اُس نے اُن کے تمام اعمال جان کر حکم فرمادیا کہ ان سب سے ہم نے جنت بے عذاب و کرامت و ثواب کا وعدہ فرما چکے تو دوسرے کو کیا حق رہا کہ ان کی کسی بات پر طعن کرے۔؟ کیا طعن کرنے والا اللہ عزوجل سے جدا اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔“ (بہار شریعت) ج ۱ حصہ ۱ ص ۲۵۴-۲۵۵

### فیضی کا اہلسنت کے مسلک سے انحراف

فیضی نے پہلے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تعظیمی کلمات رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ لکھنے پر غیر مقلدین کے دو پیشوا نذیر حسین دہلوی اور وحید الزمان حیدر آبادی کے قول سے استدلال کیا، پھر صدر الشریعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول لکھا جس میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنے کا حکم تھا (تفصیل آگے آرہی ہے) اس کے بعد لکھتے ہیں:

”اصولی طور پر ان علما میں سے علامہ وحید الزمان کی بات میں زیادہ وزن ہے، کیونکہ جو وصف اور شرف انسان کی تعظیم کا سبب ہو، اگر انسان خود اس شرف کو قائم نہ رکھ سکے تو اس کی تعظیم قائم

نہیں رہتی۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ اگر کوئی عالم دین اپنے مقام و مرتبہ کا خیال نہیں رکھتا تو وہ عند الناس معظّم رہتا ہے اور نہ ہی عند اللہ، صحابیت بھی ایک کبھی چیز ہے، اور وہ ایسا جزو لا ینفک نہیں، جس کا انسان سے جدا ہونا ممکن نہ ہو آخر بہت سے صحابہ مرتد بھی تو ہو گئے تھے؟ فی الجملہ یہ کہ جو لوگ دیدار نبوی اور صحبت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مستقیم نہ رہے تو علماء کرام نہ صرف یہ کہ ان کی تعظیم سے دست بردار ہو گئے بلکہ انھیں برا بھی کہا، مثلاً امام دارقطنی نے بسر بن ابی ارطاة صحابی کے ان مظالم کی وجہ سے جو اس نے اپنے بادشاہ معاویہ کے حکم سے ڈھائے تھے اس کو صحابی ماننے کے باوجود لکھا ولم تکن لہ استقامۃ بعد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس کی استقامت نہیں رہی تھی) محدث یحییٰ بن معین اور دوسرے حضرات نے اس کو رجل سوء (برا آدمی) کہا ہے جیسا کہ آگے باحوالہ تفصیل آئے گی۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۱-۲۲)

اقول وباللہ التوفیق! اولاً تو یہ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ نظریہ ہمارے ائمہ اہلسنت کے نظریات کے بالکل خلاف ہے، جیسا کہ ہم نے کچھ سطور قبل امام ابوالحسن اشعری، امام باقلانی، امام غزالی، سیدنا غوث اعظم، قاضی عیاض مالکی، امام نووی ملا علی قاری وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات ذکر کی ہیں۔ اب آئیں ان کے دیئے ہوئے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں، موصوف نے تعظیم نہ کرنے کی دلیل میں لکھا:

”آخر بہت سے صحابہ مرتد ہو گئے۔“

آپ کو اتنا نہیں معلوم کہ جو مرتد ہو گیا وہ صحابی کب رہا جو قابل تعظیم ہو؟، بات یہاں یہ ہو رہی ہے کہ جو صحابی ہے اس کی تعظیم ضروری ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابی تو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں۔

ہرگز ایسا نہیں کہ کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطا ہوئی اور علما نے اس کو برا بھلا کہا ہو۔ بسر بن ابی ارطاة رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دارقطنی کا یہ کہنا کہ ان کو ان نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد استقامت حاصل نہ رہی، اس کی سند ہی درست ہی نہیں۔ بالفرض اگر ان کا قول ثابت ہوتا بھی تو قرآن و سنت اور ائمہ اہلسنت کی تصریحات کے خلاف ہونے کے سبب شاذ و باطل قرار پائے گا۔



یحییٰ بن معین کا قول آپ نے لکھا حالانکہ یحییٰ بن معین کے نزدیک بسر بن ابی ارطاة صحابی نہیں ہیں، وہ ان کو تابعی مانتے ہیں، حافظ مغلطائی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقال یحییٰ بن معین: لا تصح لہ صحبة

”یحییٰ بن معین کہتے ہیں: یہ صحابی نہیں ہیں۔“

(الإنباء إلى معرفة المختلف فيهم من الصحابة) ج ۱ ص ۱۱۱ رقم ۹۷

یہاں امام منذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اہل سنت کا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے کہ یحییٰ بن معین کا ان کو برا کہنا اس پر بات پر دلالت کرتا ہے کہ بسر بن ابی ارطاة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے نزدیک صحابی نہیں کیونکہ اگر صحابی ہوتے تو یحییٰ بن معین ان کے بارے میں اس طرح کی بات نہ کرتے۔  
لیکن موصوف فیضی لکھتے ہیں:

”بسر بن ابی ارطاة کے حالات کے مطالعہ کے دوران میرے سامنے بعض اکابر محدثین کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی ایسی عبارت آئی جو عقائد اہل سنت کے منافی ہے یعنی اُس سے غیر نبی کی عصمت کے عقیدے کی بو آتی ہے اور چونکہ اکثر لوگ قولا کم مگر عملا زیادہ ایسا ہی نظریہ رکھتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ یہاں اس عظیم محدث کے الفاظ نقل کر کے ان کی تردید کر دی جائے تاکہ عوام و خواص سب کے سامنے اصل حقیقت آجائے، امام زکی الدین عبد العظیم منذری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”بسر“ کی پیش اور ”س“ اور آخر میں ”ز“ کے ساتھ ہے۔ یہ قریشی عامری ہے اور اس کی کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔ اس کی صحابیت میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ صحابی تھا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صحابی نہیں تھا، اس کی پیدائش وصال نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دو سال قبل ہوئی، اس کے واقعات مشہور ہیں۔ محدث یحییٰ بن معین اس کو برا سمجھتے۔ وهذا يدل على أنه عنده لا صحبة له۔ اور یہ قول دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک وہ صحابی نہیں تھا مختصر سنن ابی داود ج ۳ ص ۱۶۸ امام منذری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تبصرہ عقائد اہل سنت کے سراسر خلاف ہے۔ کیا وہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ بسر بن ابی ارطاة کے جو واقعات مشہور ہیں وہ اس سے فقط اس لیے سرزد ہوئے کہ وہ صحابی نہیں تھا۔ کیا صحابی سے ایسے ظالمانہ واقعات سرزد نہیں ہو سکتے؟ کیا صحابہ معصوم تھے؟

چلے فرض کیا بسر صحابی نہیں تھا، لیکن جس کے حکم پر وہ سارے مظالم ڈھاتا رہا وہ عند الحدیث صحابی ہے یا نہیں؟۔ (ص ۷۰)

امام منذری رحمہ اللہ تعالیٰ تو بخوبی عقیدہ اہلسنت جانتے تھے اور عقیدہ اہلسنت ہی بیان فرما رہے ہیں، موصوف فیضی خود نہیں سمجھ سکے کہ امام منذری کا مقصود صحابہ کے لیے معصومیت ثابت کرنا نہیں تھا بلکہ اس بات کا بیان کرنا تھا کہ اگر یہ صحابی ہوتے تو یحییٰ بن معین ان کو برا نہ کہتے، برا کہا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ صحابی نہیں مانتے۔ کیونکہ اہلسنت کا بالاتفاق یہ عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تعظیم کی جائے گی اور ان پر طعن کی جو باتیں منقول بھی ہیں تو ان کے اچھے محامل اور بہترین تاویلات موجود ہیں۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يجب تعظيمهم والكف عن مطاعنهم (الی أن قال) وما نقل من البطاعن فله محامل وتأويلات ومع ذلك فلا تعادل ما ورد في مناقبهم وحكى عن آثارهم نفعنا الله بمحبتهم أجمعين وجعلنا الله لهم محبة متبعين وعصنا عن زيغ الضالين

”صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تعظیم کرنا اور پر طعن کرنے سے اجتناب کرنا واجب ہے، اور جو ان کے بارے میں مطاعن منقول ہیں تو ان کے محمل اور تاویلات موجود ہیں، علاوہ ازیں یہ ان مناقب کے مقابل نہیں ہو سکتے جو ان کے مناقب میں وارد اور ان کے حالات کے بارے میں مروی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام کی محبت کے ساتھ نفع عطا فرمائے، ہمیں ان کے طریقے پر چلنا نصیب فرمائے اور ہمیں بھٹکے ہوئے لوگوں کے ٹیڑھے پن سے بچائے۔“

(طوابع لا نور من مطابع لا نظار ص ۲۴۶-۲۴۷)

حافظ کبیر محدث عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مذهب أهل الحق أن الفئة المقاتلة لعلی ہی الباغية، وإن كانت متأولة طالبة للحق في ظنها غير مذمومة بل مأجورة على الاجتهاد، ولا سيما الصحابة منهم فإن الواجب تحسين الظن بهم، وأن يتأول لهم ما فعلوه بحسب ما يليق بفضلهم، وما عهدناه من حسن مقصدهم ثم إن عدالتهم قطعية لا تزول بملاسة شيء من

الفتن. والله أعلم

”اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال کرنے والا گروہ باغی تھا مگر وہ تاویل کرنے والے اور اپنے گمان میں حق کو طلب کرنے والے تھے اس لیے ان کی مذمت نہیں بلکہ یہ اپنے اجتہاد پر اصرار دیئے جائیں گے، خاص طور ان میں صحابہ تھے تو ان کے بارے میں حسن ظن رکھنا واجب ہے، اور جو ان کی مقام کے لائق ہے نیز جو ہم ان کے مقصد کے اچھے ہونے کو جانتے ہیں اس کے مطابق ان کے معاملات کی تاویل کی جائے گی، پھر ان کی عدالت قطعی ہے جو کسی آزمائش سے ملا بست کی وجہ سے زائل نہیں ہوگی۔“

(طرح القریب ج ۷ ص ۲۷۸)

امام منذری رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام بالکل صاف ہے، جہاں تک رہا بسر بن ارطاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات کا تو اولاً اس میں کوئی بھی سند صحیح کے ساتھ ثابت نہیں، ثانیاً ان واقعات کو موصوف نے روافض کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے، یہی روش خوارج و نواصب کی ہے کہ وہ حضرت خارجہ، جاریہ بن قدامہ اور مالک الاشتر کے افعال کو حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، ہم اہل سنت الحمد للہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ان امور سے بری جانتے اور ان سے بڑھ کر سیدنا مولا مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بری سمجھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول سے استدلال میں فیضی صاحب کی خیانت  
موصوف فیضی لکھتے ہیں: ”قدیم صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نزدیک بھی صحبت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فائدہ نہ اٹھانے والے قابل تعظیم نہیں رہے تھے۔ چنانچہ حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وعن ابن عباس یقول أحدهم: أبی صہب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وکان مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولنعل خلق خیر من أبیہ

”سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بعض لوگ کہتے ہیں: میرا باپ رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھی تھا، حالانکہ

پرانی جوتی بھی اس کے باپ سے بہتر ہے۔“ (ص ۲۲)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس قول پر موصوف نے چار کتابوں کے حوالے دیئے

ہیں، مجمع الزوائد، کشف الاستار، البحر الزخار اور مختصر زوائد البزار، اصل یہ البحر الزخار یعنی مسند بزار کی روایت ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسند البزار کے زوائد کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے جس کا نام آپ نے کشف الاستار رکھا ہے اور اسی کشف الاستار کا خلاصہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مختصر زوائد البزار کے نام سے کیا ہے اور مجمع الزوائد بھی حافظ بیہقی ہی کی کتاب ہے جس میں یہ حدیث مسند بزار ہی کے حوالے سے مذکور ہے۔

اس اثر سے موصوف یہ ثابت کر رہے ہیں کہ قدیم صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نزدیک وہ حضرات جنہوں نے صحبت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فائدہ نہ اٹھایا وہ لوگ قابل تعظیم نہیں رہتے۔

افسوس فیضی صاحب نے یہاں بڑی خیانت کی ہے جن چار کتابوں کے انہوں نے حوالے دیئے ہیں ان میں سے تین کتابوں میں یہ روایت منافقین کے لیے لکھی ہوئی ہے، حافظ بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجمع الزوائد اور کشف الاستار دونوں میں یہ حدیث باب صفة المنافقین میں ذکر کی ہے، اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی منافقین کی علامات کے بیان میں اس کو نقل کیا ہے، یعنی حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما منافقین کا حال بیان کر رہے ہیں اور فیضی بے فیض اس کو صحابہ کرام علیہم الرضوان پر منطبق کر رہے ہیں۔ اس سے ان کی دیانت یا جہالت کا اندازہ آپ لگا سکتے ہیں۔

### حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں بدترین خیانت

دوسرا اثر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں: ”اسی طرح امام طبرانی عبد الرحمن بن میسرہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا:

مر بالمقدم بن الأسود رجل فقال: لقد أفلحت هاتان العينان رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فاجتمع المقداد غضبا وقال: يا أيها الناس! لا تتمنوا أمرا قد غيبه الله فكم ممن قدر آدولم ينتفع برؤيته

”سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب سے ایک شخص گذرا تو اس نے کہا: ان دو آنکھوں نے کامیابی پائی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئیں۔ اس پر سیدنا مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہائی غضب ناک ہوئے اور فرمایا: لوگو! اس امر کی تمناء مت کرو جسے اللہ عزوجل نے مخفی رکھا ہے، بہت سے لوگوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کو دیکھا لیکن انہوں نے آپ کے دیدار سے فائدہ نہ اٹھایا۔

(مسند الشامیین للطبرانی ج ۲ ص ۱۳۸، ۱۳۹ حدیث ۱۱۰۸۱ المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۲۵۸ حدیث ۶۰۸ تاریخ دمشق

[مفصلاً] ج ۶۰ ص ۱۸۰ مختصر تاریخ دمشق ج ۲۵ ص ۲۲۱)

اس اثر پر موصوف نے چار حوالے دیئے ہیں، امام طبرانی کی معجم کبیر اور مسند الشامیین کا، اور تاریخ دمشق اور مختصر تاریخ دمشق کا، تاریخ دمشق کے حوالے کے ساتھ انہوں نے بریکٹ میں مفصلاً کا کلمہ لکھا ہے جس کا معنی ہے کہ یہ روایت تاریخ دمشق میں مفصل ہے۔

ہم وہ روایت یہاں مفصلاً ذکر کر دیتے ہیں جس سے سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد واضح ہو جائے گی اور فیضی صاحب کی خیانت بھی آپ کے سامنے ظاہر ہو جائے گی۔

عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر عن أبيه، قال: جلسنا إلى المقداد بن الأسود يوم أفرج به رجل، فقال: طوبى لهاتين العينين اللتين رأتا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم والله! لو ددنا أنا رأينا ما رأيت وشهدنا ما شهدت، قال: فاستغضب المقداد، فجعلت أتعجب ما قال الرجل إلا خيراً! ثم أقبل عليه فقال: ما يحمل الرجل على أن يتمنى شيئاً غيبه الله عنه، لا يدري لو شهد كيف كان يكون فيه، والله لقد حضر رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم أقواماً أكبهم الله على مناخرهم في جهنم لم يعينوه ولم يصدقوه، ألا تحمدون الله أن أخرجكم لا تعرفون إلا ربكم مصدقين بما جاء به نبيكم صلى الله تعالى عليه وآله وسلم! قد كفيتكم البلاء بغيركم، والله لقد بعث النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم على أشد حال بعث عليه نبي من الأنبياء في فترة وجاهلية، ما يرون أن ديناً أفضل من عبادة الأوثان، فجاء بفرقان يفرق بين الحق والباطل، وفرق بين الوالد وولده حتى إن كان الرجل ليرى والده أو ولده أو جده كافراً وقد فتح الله قفل قلبه للإيمان، يعلم أنه إن مات يعني الكافر دخل النار فلا تقرر عينه، وهو يعلم أنه إن مات كان في النار، وأنها التي قال الله {ربنا هب لنا من أزواجنا وذرياتنا قرة أعين}

”حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد حضرت جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک دن ہم مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے تھے تو وہاں سے ایک آدمی گزرا اس نے کہا ان آنکھوں کو مبارک ہو جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے بخدا ہم بھی خواہش رکھتے ہیں کہ وہی کچھ دیکھتے جو آپ نے دیکھا تھا اور اسے ملاحظہ کرتے جس کو آپ نے ملاحظہ کیا تھا، یہ سن کر حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلال میں آگئے، مجھے بہت تعجب ہو رہا تھا کہ اس نے تو درست بات ہی کی ہے۔

پھر سیدنا مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ایسی بات کی تمنا پر کیا چیز ابھارتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں سے غائب رکھی ہے، اسے کیا معلوم کہ اگر وہ اس وقت موجود ہوتا تو کیا کرتا؟ اللہ کی قسم حضور علیہ السلام کے پاس ایسے لوگ آئے جنہیں اللہ نے جہنم میں اوندھے منہ گرا دیا، انہوں نے نہ تو آپ کی بات مانی اور نہ ہی آپ کی تصدیق کی تھی کیا تم لوگ اللہ کی حمد و ثناء نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس وقت دولت اسلام دی ہے جب تم اپنے رب ہی کو جانتے ہو اور تم نے اپنے نبی کی لائی ہوئی ہر چیز کی تصدیق کر دی ہے اور تکذیب کی بلائیں دوسرے لوگوں پر جا پڑیں (تم محفوظ ہو گئے) بخدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی نبی سے زیادہ مشکل وقت میں ظہور فرمایا، یہ وقت دور فترت کا زمانہ اور دور جاہلیت تھا لوگ بتوں کے علاوہ کسی کی عبادت کو بہتر نہیں جانتے تھے چنانچہ آپ قرآن لے کر آئے جس نے حق و باطل میں فرق کر دیا، باپ بیٹے میں فرق کر دیا حتیٰ کہ کوئی شخص اپنے والد، بیٹے یا دادا کو کافر دیکھتا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کا تالا کھول کر اسے ایمان نصیب کر دیا تھا وہ جان چکا ہوتا کہ اس حال (یعنی کفر) میں ہلاک ہونے والا دوزخ میں جائے گا اور جب وہ یہ دیکھتے کہ وہ دوزخ میں جائے گا تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں گی۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور وہ جو عرض کرتے ہیں اے اللہ ہمارے رب ہمیں دے

ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک“۔ (تاریخ دمشق) ج ۶ ص ۱۸۰

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ مفصل روایت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی

کتاب الادب المفرد میں ذکر کی ہے۔ (الادب المفرد) ص ۴۴ رقم ۸۷

ملاحظہ فرمائیں جو باتیں منافقین، کافروں مشرکوں کے بارے میں ہیں ان کو یہ صاحب صحابہ کرام علیہم

الرضوان پر منطبق کر رہے ہیں۔ یا للعجب! کیا اس کو تحقیق کہتے ہیں؟ کیا ایسے ہوتے ہیں ریسرچ اسکالر؟ کیا مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف پانے والے ان صحابہ کرام علیہم الرضوان کو برا کہا جائے گا، کیا صحابی ماننے کے باوجود ان کو روایت مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فائدہ نہ دے گی، اور یہ قابل تعظیم نہ ہوں گے؟ یہ فیضی صاحب جیسے لوگوں کا عقیدہ تو ہو سکتا ہے، اہل سنت کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں۔ امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وهو كل من رأى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم مسلماً، وقيل من طالت  
مجالسته، والصحيح الأول بخلاف التابعي لا يكفي فيه رؤية الصحابي، والفرق شرف  
الصحبة وعظم رؤية النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، وذلك أن رؤية  
الصالحين لها أثر عظيم فكيف رؤية سيد الصالحين، فإذا رآه مسلم ولو لحظة  
انطبع قلبه على الاستقامة لأنه بإسلامه متهيء للقبول فإذا قابل ذلك النور  
العظيم أشرق عليه وظهر أثره في قلبه وعلى جوارحه

”صحابی ہر اس شخصیت کو کہتے ہیں جس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، ایک قول یہ ہے کہ جس کی صحبت طویل ہو، لیکن صحیح بات پہلی ہے برخلاف تابعی کے اس میں فقط صحابی کو دیکھنا کافی نہیں ہوتا، اور دونوں میں فرق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی عظمت اور صحبت کے شرف کا ہے، اور یہ کہ صالحین کی زیارت کا ایک عظیم اثر ہوتا ہے تو سید الصالحین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روایت کا کیا کہنا، پس جب مسلمان نے ایک لمحہ بھی دیکھا تو اس کا دل استقامت پر منطبع ہوتا ہے اس لیے کہ اپنے اسلام کے سبب وہ قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، پس جب وہ اس نور عظیم کو قبول کر لیتا ہے تو اس کا اثر اس کے دل اور اس کے جوارح پر ظاہر ہوتا ہے۔“ (الإبھاج فی شرح المنہاج) ج ۱ ص ۱۵

یہ عقیدہ ہے اہل سنت کا کہ روایت و صحبت مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیسی نورانی اور کس

قدر مفید ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:



وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (سورة التوبة: 100)

(ترجمہ کنز الایمان:) ”اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔“

اس آیت میں السابقون الاولون سے مراد کون ہیں اس میں ائمہ مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، ایک تفسیر کے مطابق اس سے مراد تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں اور ان کی پیروی کرنے والوں سے قیامت تک کے ایماندار نیک لوگ مراد ہیں۔

تفسیر جلالین میں اس آیت کے تحت ہے:

وهم من شهد بدرا أو جميع الصحابة

”سابقون اولون سے مراد وہ صحابہ ہیں جو بدر میں شریک ہوئے یا اس سے مراد تمام صحابہ

ہیں۔“ (تفسیر الجلالین ص ۲۵۸)

امام واحدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: سابقون اولون سے مراد بدر میں حاضر ہونے والے صحابہ ہیں، انصار میں سے وہ جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل آپ علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان لے آئے تھے، تو یہ دونوں فریق مہاجرین و انصار میں سبقت کرنے والے ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ سابقین اولین سے مراد آپ کے تمام صحابہ ہیں کیونکہ وہ تمام امت سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے اور صحبت اختیار کرنے میں سبقت لے گئے۔ (الوجیز للواحدی ص ۱۷۹)

تفسیر خازن میں ہے:

”محمد بن کعب القرظی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تمام صحابہ ہیں اس لیے کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے سبقت حاصل ہے، حمید بن زیاد کا کہنا ہے: میں نے ایک دن محمد بن کعب القرظی سے کہا: مجھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں بتائیے، میرا مقصود (ان کے درمیان واقع ہونے والے) فتن تھے آپ نے

فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے ان تمام کی بخشش فرمادی نیکیاں کرنے والوں کی بھی اور جن سے خطا واقع ہوئی ان کی بھی، اور ان تمام کے لیے اپنی کتاب میں جنت لازم کردی، میں نے کہا: کس مقام پر؟ تو آپ نے کہا سبحان اللہ! کیا تم یہ آیت نہیں پڑھتے (پھر آپ نے سورۃ التوبہ کی اوپر ذکر کردہ آیت پڑھی) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کے لیے جنت کو لازم قرار دے دیا، اور اپنے اس قول میں پیروی کو شرط قرار دیا کہ وہ نیکی کے ساتھ پیروی کریں نہ کہ برائی کے ساتھ، حمید کہتے ہیں گویا میں یہ نے یہ آیت آج سے پہلے پڑھی ہی نہیں تھی۔ (تفسیر الحازن ج ۲ ص ۳۹۸)

علامہ سید غلام رسول سعیدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر زاد المسیر سے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد تفسیر فتح القدیر کے حوالے سے لکھتے ہیں: تاہم اس سے کوئی چیز مانع نہیں کہ ان تمام اقسام کو اس آیت کا مصداق قرار دیا جائے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

اس آیت سے استدلال بالکل واضح کہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور ان سے رب کریم عز وجل راضی ہے

ہمارے ائمہ اہل سنت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا جائے گا، کسی کا بھی اس میں استثناء نہیں ہے۔

امام نووی، علامہ عبدالرحمن بن محمد کلیوبی اور علامہ علاء الدین الحسکفی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: والنظم للنووی: يستحب الترضی والترحم علی الصحابة والتابعین فمن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الأخیار، فيقال رضی اللہ تعالیٰ عنہ أو رحمۃ اللہ علیہ أو رحمہ اللہ ونحو ذلك، (وأما) ما قاله بعض العلماء أن قول رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخصوص بالصحابة، ويقال في غيرهم رحمہ اللہ تعالیٰ فقط، فليس كما قال ولا يوافق عليه بل الصحيح الذي عليه الجمهور استحبابه، ودلائله أكثر من أن تحصر

”صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد والے علما اور عبادت گزار لوگوں اور تمام نیک لوگوں کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور رحمہ اللہ تعالیٰ یا اس طرح کے تعظیمی جملے کہے جائیں گے، اور یہ جو بعض علما نے کہا ہے کہ ”رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ صحابہ کے ساتھ مخصوص ہے،

اور ان کے علاوہ دیگر کے لیے رحمہ اللہ تعالیٰ استعمال کیا جائے، تو ایسا نہیں ہے جیسا کہ انہوں نے کہا، اور اس پر ان کی موافقت نہیں کی گئی، بلکہ صحیح وہ قول ہے جس پر جمہور ہیں یعنی اس کا مستحب ہونا اور اس کے دلائل بکثرت ہیں۔“

(المجموع شرح المہذب) ج ۶ ص ۱۷۲ (مجمع الاسبر شرح منقلى البحر) ج ۴ ص ۴۹۱ (الدر المختار) ص ۷۵۹  
ان تمام تر نقول سے مذہب اہل سنت بالکل واضح ہے کہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا کہنا مستحب ہے۔

اب آئیں ذرا صاحب الاحادیث الموضوعات کا حال دیکھیں موصوف لکھتے ہیں:  
”سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان باتوں کی وجہ سے ان پر لعنت کرنا تو جائز نہیں، لیکن کیا یہ باتیں ان کی تعظیم وغیرہ کی مانع ہو سکتی ہیں؟ اس پر عرض ہے کہ کچھ علماء اسلام اس طرف گئے ہیں کہ ان کے نام کے ساتھ تعظیمی الفاظ استعمال کرنا درست نہیں۔ چنانچہ اہل حدیث عالم مولانا نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں جہاں امیر معاویہ کا تذکرہ ہو وہاں لفظ ”حضرت“ اور دعائیہ الفاظ کہنا درست نہیں، کیونکہ انہوں نے آخری خلیفہ راشد کے خلاف بغاوت کی ہے، لہذا اُن کو غلط کار اور باغی سمجھنا چاہیے اور اس سے آگے بڑھ کر اُن کو برا بھلا کہنا درست نہیں ہے، اس سے زبان کو روکنا چاہیے۔“ (فتاویٰ نذیریہ ج ۳ ص ۴۴۶)

### نذیر حسین دہلوی کے قول میں بدترین خیانت

قارئین کرام آپ اس مقام کو فتاویٰ نذیریہ سے دیکھ سکتے ہیں، یہ جواب فتاویٰ نذیریہ میں واضح الفاظ میں اسی مقام پر کسی مولوی محمد فصیح غازی کا لکھا ہے، اس کے بعد نذیر حسین دہلوی نے اس مولوی فصیح کا کئی صفحات پر رد کیا ہے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعارف کرنے کے بعد لکھا ہے: ”صحیح بخاری میں جو کہ حدیث کی کتابوں میں سے صحیح ترین کتاب ہے آپ کا صحابی ہونا اور بزبان ابن عباس عادل اور فقیہ ہونا ثابت ہو گیا تو آپ ترضی اور ترحم کے مستحق ہوں گے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک صحابہ کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا بالاتفاق مستحب ہے، اور صحابی ہونے کی حیثیت سے ان کے متعلق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں بھی حضرت اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ کہنا مستحب ہے ممنوع نہیں ہے۔“

(فتاویٰ نذیریہ) ج ۳ ص ۴۵۰

قارئین نے ملاحظہ کر لیا کہ فیضی نے تحریف و خیانت کی کیسی اعلیٰ مثال قائم کی۔

مولوی صاحب اب صرف آپ کے ساتھ وحید الزمان باقی رہا، اس کی حرکات کے بارے میں خود اس کے مکتب فکر کے لوگوں سے معلوم کر لیں۔

محترم قارئین! آپ پڑھ کر آچکے ہیں کہ اہل سنت جمیع صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ذکر خیر کے ساتھ ہی کرتے ہیں، ان کو معصوم کوئی نہیں مانتا، جب ایک عام مؤمن میت کے بھی محاسن کا ہی ذکر کیا جاتا ہے۔ پھر صحابہ کرام علیہم الرضوان جن کے بارے میں خود رب تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **وَكَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحَسَنَىٰ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ**۔ ان کا ذکر خیر کے ساتھ کیوں نہیں کیا جائے گا ان کے محاسن کیوں ذکر نہیں کیے جائیں گے۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابی تو یہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں، اور صحابی کی تعظیم تو ضروریات مذہب اہل سنت سے ہے۔

ہم آیت مبارکہ **وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ** کے تحت مفسرین کے اقوال نقل کر چکے ہیں کہ اس سے مراد ایک تفسیر کے مطابق جمیع صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں، لیکن ظہور احمد فیضی کو ہر وہ قول پسند آتا ہے جس میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیہ ہو چاہے وہ کہیں سے بھی ملے یہاں اس آیت سے عبدالرشید نعمانی دیوبندی کا استدلال نقل کیا اور اس کو بڑا عمدہ قرار دیا ہے لکھتے ہیں: ”علامہ عبدالرشید نعمانی دیوبندی لکھتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو سرے سے نہ مہاجر ہیں نہ انصاری، سابقین اولین کا تو ذکر ہی کیا بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغاوت کر کے **وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ** بھی محروم رہے۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۳)

آخر کیا وجہ ہے کہ تمام مفسرین کو چھوڑ کر آپ کو یہ شاذ تفسیر ہی محبوب ہوئی؟

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجلہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمرہ میں شامل اور ان کے طریقے کار پر ہی تھے، آپ حدیث حسن (أصحابی کالنجوم) کے تحت خود ہدایت کے تارے ہیں، اور اللہم اجعلہ ہادیاً مہدیاً کی حدیث حسن میں موجود مقبول دعائے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق خود بھی ہدایت یافتہ اور دوسروں کو بھی ہدایت دینے والے ہیں، ہاں معصوم نہ آپ ہیں نہ کوئی اور صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اس حوالے سے عمدۃ المتأخرین اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام ملاحظہ فرمائیں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اللہ اللہ فی أصحابی لا تتخذوہم غرضاً من بعدی فمن أحبہم فبحبی أحبہم ومن أبغضہم فببغضی أبغضہم ومن آذاہم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ ومن آذی اللہ فیوشک أن يأخذہ.

”خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو میرے اصحاب کے حق میں انہیں نشانہ نہ بنالینا میرے بعد، جو انہیں دوست رکھتا ہے میری محبت سے انہیں دوست رکھتا ہے، اور جو ان کا دشمن ہے میری عداوت سے ان کا دشمن ہے، جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی، اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو گرفتار کر لے۔“ رواہ الترمذی

اب اے خارجیو، ناصبیو! کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد عام اور جناب باری تعالیٰ نے آیہ کریمہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سے جناب ذوالنورین و حضرت اسد اللہ غالب و حضرات سبطین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (کو) یا اے شیعو! ان احکام شاملہ سے خدا و رسول نے جناب فاروق اکبر، حضرت مجبڑ جیش العسرة و جناب ام المؤمنین محبوبہ سید العالمین عائشہ صدیقہ بنت صدیق و حضرات طلحہ و زبیر و معاویہ وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم الی یوم الدین کو خارج کر دیا اور تمہارے کان میں کہہ دیا کہ اصحابی سے ہماری مراد اور آیت میں ضمیر ہم کے مصداق ان لوگوں کے سوا ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۲۹ ص ۳۵۵-۳۵۷)

موصوف ظہور فیضی لکھتے ہیں:

”فی الجملہ یہ کہ فی الحال میں ایسے تعظیمی الفاظ کو ترک کر رہا ہوں، چونکہ غیر متنازعہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ناموں کے ساتھ بھی ایسے الفاظ کا استعمال صرف مستحب ہے واجب نہیں اور مستحب کے ترک میں گناہ نہیں ہوتا، جبکہ دوسرے پہلو میں مجھے خدشہ محسوس ہو رہا ہے۔“ (ص ۲۴)

اقول وباللہ التوفیق! یہ وہ شخص ہے جو بد مذہبوں کے ساتھ تعظیمی کلمات علامہ مولانا شیخ الحدیث لکھنے میں کوئی خدشہ محسوس نہیں کرتا حالانکہ ان کی بد مذہبی ظاہر ہے۔ لیکن اس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تعظیمی کلمات لکھنے میں خدشہ محسوس ہو رہا ہے۔

ثانیاً: تعظیمی کلمات کہنا لکھنا اگرچہ مستحب ہے، لیکن اس کا ترک اگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عدم تعظیم کی نیت سے ہو تو یہ بد مذہبی ہے۔

حسن بن صالح کی عادت تھی وہ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے رحمت کی دعا نہیں کرتا تھا یعنی اس طرح کے تعظیمی کلمات استعمال نہیں کرتا تھا، فی نفسہ ثقہ راوی تھا، امام وکیع نے اس کے بارے میں کہا وہ میرے نزدیک امام ہے، اس پر کسی نے کہا وہ تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ترحم (رحمت کی دعا) نہیں کرتا، حضرت وکیع نے جواب میں کہا: کیا تو حجاج پر ترحم کرتا ہے؟

حافظ وکیع رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس بات پر امام ذہبی لکھتے ہیں:

قلت: هذه سقطه من وکیع، شتان ما بین الحجاج و بین عثمان، عثمان خیر أهل زمانه، وحجاج شر أهل زمانه

”یہ وکیع کی طرف سے بڑی خطا ہے، کہاں حجاج اور کہاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اپنے زمانہ کے سب سے بہتر شخص تھے اور حجاج اپنے زمانہ کا بدترین شخص تھا“۔ (تاریخ الاسلام ج ۴ ص ۳۳۴)

سیر اعلام النبلاء میں مزید لکھتے ہیں:

أن ترك الترحم سكوت، والساکت لا ينسب إليه قول، ولكن من سكت عن ترحم مثل الشهيد أمير المؤمنين عثمان، فإن فيه شيئاً من تشيع

”رحمت کی دعا کا ترک کرنا سکوت ہے، اور ساکت پر کوئی حکم نہیں لگے گا، لیکن جو امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثل کسی پر ترحم سے سکوت کرتا ہے اس کا ایسا کرنا اس لیے ہوتا ہے کہ اس میں شیعیت موجود ہوتی ہے“۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۳۷۰)

یہی حال فیضی کا ہے یہاں مقصود سیدنا امیر معاویہ حضرت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعظیم نہ کرنا مقصود ہے اس لیے موصوف کلمات تعظیم کو ترک کر رہے ہیں، نہ صرف کلمات تعظیم کو ترک

کر رہے بلکہ کلمات توہین کا انبار لگانے کی تیاری کر رہے ہیں۔

### فاطمی شہزادے کی ضرب قاہر

سیدہ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گلشن کے مہکتے پھول سراج العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسن نوری مارہروی رحمہ اللہ تعالیٰ گویا فیضی جیسوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”بہر حال حق واضح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خطا اجتہادی تھی، اس لیے آپ مغفور ہیں اور خطا عنادی نہ تھی کہ آپ کو فسق تک پہنچاتی، اور آپ پر طعن و تشنیع کو جائز قرار دیتی، اسی وجہ سے آپ کے نام نامی کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دعائیہ کلمہ ذکر فرمایا، تو کون ہے اور تجھے کیا ہو گیا کہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک کی فضیلت پر تو انگلی اٹھاتا ہے، یا ”رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ کہنے سے زبان بند کرتا ہے، اور ہزاروں تیرے جیسے نہ کہیں ”رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ خدا تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اے غافل! آنکھ کھول اور پاک نگاہ سے دیکھ کہ یہ ہے مردان خدا کا عقیدہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں۔“

(دلیل الیقین من کلمات العارفین ص ۴۳-۴۵ مطبوعہ عکس پبلی کیشنز لاہور)

لہذا فیضی بے فیض کے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کلمات تعظیمی نہ لکھنے سے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، ہمیں بھی فیضی سے کوئی سروکار نہیں، ہاں ترک تعظیم سنیت نہیں، اتنا سب کو معلوم ہے۔

### باغی و جائز کا اطلاق جائز یا ناجائز؟

اب رہا باغی جائز وغیرہ الفاظ کا اطلاق تو ہمارے زمانے میں اس کا اطلاق جائز نہیں۔

### باغی کے اطلاق میں اختلاف ائمہ کا بیان

امام ابوالمعمین میمون النفسی الماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ التوفیٰ سنہ ۵۰۸ھ لکھتے ہیں:

ثم اختلف متکلمو اهل السنة والجماعة في تسمية من خالف علياً باغياً، فمنهم من امتنع عن ذلك فلا يجوز إطلاق اسم الباغي على معاوية ويقول: ليس ذا من أسماء من أخطأ في اجتهاده، ومنهم من يطلق ذلك الاسم ويستدل بقوله تعالى: وإن



طائفتان من المؤمنین اقتتلوا الاية وبقول النبی علیہ السلام لعمار: تقتلك الفئة الباغية وبقول علی: إخواننا بغوا علينا. غیر انہم یمتنعون فسا قال ہامر

”متکلمین اہل سنت وجماعت کا ان حضرات کو باغی کہنے میں اختلاف ہے جنہوں نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی، ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اس سے منع کیا لہذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر باغی کا اطلاق کرنا جائز نہیں، وہ یہ کہتے ہیں باغی کا نام ان کا نہیں ہوتا جو اپنے اجتہاد میں خطا کریں، اور بعض وہ ہیں جو اس نام کا اطلاق کرتے ہیں، ان کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے (ترجمہ: اگر دو مؤمن گروہ آپس میں قتال کریں) اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرمانا ہے: ”تجھ کو باغی گروہ شہید کرے گا“، نیز حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان ہے: ”ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی ہے“۔ لیکن یہ حضرات بھی ان پر فاسق کا اطلاق کرنے سے منع کرتے ہیں“۔ (تبصرة الأدلة) ج ۲ ص ۱۱۷۳

اسی طرح محدث حافظ مرتضیٰ زبیدی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ التوفیٰ سنہ ۱۲۰۵ھ نے اتحاد السادة المتقين میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان تک تحریر فرمایا ہے۔ (اتحاد السادة المتقين) ج ۲ ص ۲۵۳

حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مخ الروض الازھر میں فرماتے ہیں:

ثم كان معاوية مخطئاً إلا أنه فعل ما فعل عن تأويل فلم يصر به فاسقاً، واختلف أهل السنة والجماعة في تسميته باغياً، فمنهم من امتنع من ذلك، والصحيح قول من أطلق لقوله عليه الصلاة والسلام لعمار ((تقتلك الفئة الباغية))

”حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطا پر تھے مگر یہ کہ انہوں نے جو کیا وہ تاویل کی وجہ سے کیا تو وہ فاسق نہ ہوئے، اور اہل سنت وجماعت کا اس میں اختلاف ہے کہ ان پر باغی کا اطلاق ہوگا یا نہیں، بعض ان میں سے منع کرتے ہیں اور صحیح ان کا قول ہے جنہوں نے اطلاق کیا ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے فرمایا تھا: تجھے باغی گروہ قتل کرے گا“۔ (منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر) ص ۲۰۰

واضح ہو گیا کہ اولاً تو اسی میں اختلاف ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے گروہ

پر باغی کا اطلاق جائز بھی ہے یا نہیں؟  
باغی کا اطلاق کس معنی میں ہے؟

اب یہ جاننا ضروری ہے کہ جن کے نزدیک باغی کا اطلاق جائز ہے تو کس معنی میں، اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ یہاں باغی کا اطلاق محلِ مذمت میں نہیں، بلکہ اصطلاحی معنی کے بیان کے لیے ہے کیونکہ ”امام برحق کے خلاف جو خروج کرے چاہے تاویلِ صحیح کی وجہ سے اس پر فقہی اصطلاح میں باغی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔“

ائمہ اہلسنت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ اطلاق باغی فقط ظاہر کی وجہ سے تھا، باطن اور حقیقت کے اعتبار سے نہیں تھا ملاحظہ فرمائیں:

علامہ سعیدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق باغی کا اطلاق فقط ظاہر ہے۔

علامہ سید غلام رسول سعیدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لکھتے ہیں:

”اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں مذکور ہے: عمار پر افسوس ہے اس کو باغی جماعت قتل کرے گی، وہ ان کو جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اس کو دوزخ کی طرف بلائیں گے، اور حضرت عمار کو حضرت معاویہ کے گروہ نے قتل کیا تھا، اور ان پر اس حدیث میں باغی اور دوزخ کی طرف بلانے والا فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان پر باغی اور دوزخ کی طرف بلانے والے کا اطلاق بہ اعتبار ظاہر ہے، حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے، کیونکہ حقیقت میں ان کے گمان کے اعتبار سے ان کا اقدام برحق تھا، وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے طالب تھے حالانکہ واقع میں ان کا یہ اجتہاد مبنی برخطا تھا، کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جنگ کر رہے تھے اور وہ امیر برحق اور خلیفہ مسلمین تھے، اور برحق امیر کے ساتھ جنگ کرنا بغاوت ہے اور دوزخ میں دخول کا سبب ہے، اس لیے ظاہر کے اعتبار سے وہ باغی تھے، اور دوزخ کی طرف بلانے والے، لیکن حقیقت میں باغی نہیں تھے، کیونکہ ان کا یہ اقدام اپنے اجتہاد کی وجہ سے تھا، اس حدیث کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے، وعصى آدم ربه فغوى اور آدم نے اپنے رب کی معصیت کی پس وہ بے راہ ہوئے۔“

اس آیت میں شجر ممنوعہ کھانے پر حضرت آدم علیہ السلام پر معصیت اور غواہیت کا اطلاق ہے اعتبار ظاہر ہے، حقیقت میں وہ نبی معصوم ہیں اور ان کا شجر ممنوعہ سے کھانا معصیت نہ تھا، ان کے اجتہاد سے تھا، انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے تزیہا منع فرمایا ہے اور وہ یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے تحریم منع فرمایا ہے اور معصیت تب ہوتی جب وہ قصداً ممنوع کام کا ارتکاب کرتے اور انہوں نے بھولے سے یہ کام کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً پس آدم بھول گئے اور ہم نے (ان کی معصیت کا) کوئی عزم نہ پایا۔

لہذا قرآن مجید میں حضرت آدم کے فعل پر معصیت کا اطلاق ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے اور حقیقت کے اعتبار سے وہ معصیت نہیں، اسی طرح اس حدیث میں حضرت معاویہ کے گروہ پر باغی ہونے اور دوزخ کی طرف بلانے والے ہونے کا اطلاق ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے، حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت علی نے حضرت معاویہ اور ان کے لشکر کے متعلق بہت دعائیں کی ہیں اور ان کی فضیلت میں بہت احادیث وارد ہیں۔ (نور الباری فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۲۳-۲۲۴ طبع فرید بک اسٹال)

علامہ عبداللطیف سندھی ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان

علامہ محدث فقیہ ہاشم ٹھٹھوی کے شہزادے قاضی القضاۃ علامہ عبداللطیف سندھی رحمہما اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ولا ريب أن معاوية رضي الله تعالى عنه كان مجتهداً مطلقاً من مجتهدی الدین  
فإطلاق لفظ البغی والجور علی فعله فی کلام البعض لیس إلا من باب إطلاق لفظ  
العصیان والغوی علی فعل سیدنا آدم الصفی علی نبینا وعلیه الصلاة والسلام فی  
کتاب الله تعالیٰ کما صرحوا به، فلیس اتصاف فعله بهما بهذا المعنی مانعاً عن  
تحمل الدین والسنة عنه إلا علی قول من أعمی الله قلبه وبصیرته وجعل علی بصره  
غشاوة

”اور کوئی شک نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دین کے مجتہدین میں سے ایک مجتہد مطلق تھے، تو ان پر بغاوت اور جور کے لفظ کا اطلاق جو بعض ائمہ کے کلام میں آیا ہے، یہ اسی

طرح ہے جیسے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کے فعل پر عصیان اور غوی کا اطلاق قرآن مجید میں آیا ہے، جیسا کہ علما نے اس کی صراحت کی ہے، تو ان کے فعل کے ان دو اوصاف کے ساتھ اس معنی کے ساتھ متصف ہونے کے سبب ان سے دین و سنت کا تحمل نہ کرنا اسی کے قول پر ہوگا جس کے قلب و بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے اندھا کر دیا اور جس کی بصارت پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا۔ (ذب ذباب الدراسات ص ۲۶۱)

یونہی جور یعنی ظلم وغیرہ کے جو الفاظ آئے ہیں وہ بھی اس معنی میں ہیں کہ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حضرت سیدنا مولائے کائنات مولا مشکل کشار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حقہ کے زمانہ میں درست نہ تھی، اس جور سے مراد وہ جور نہیں جس کا منتہی فسق و گمراہی ہوتی ہے۔ اس حوالے سے حضرت سیدنا مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق

فیضی صاحب کے عمدہ یعنی عبدالرشید نعمانی، حضرت سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فارسی عبارت کا عربی میں ترجمہ لکھتے ہیں:

وأما ما وقع في بعض عبارات الفقهاء من لفظ الجور في حق معاوية حيث قال: كان معاوية إماماً جائراً فالمراد من الجور عدم صحة خلافته في زمن خلافة سيدنا علي (رضي الله تعالى عنه) لا الجور الذي يكون مآله الفسق والضلال، ولا بد من هذا التاويل ليوافق مع أقوال أهل السنة والجماعة، ومع ذلك فأرباب الاستقامة يجتنبون من إيراد الألفاظ الموهمة خلاف المقصود ولا يجوزون لفظ الخطأ شيئاً.

”اور بہر حال جو بعض فقہاء کی عبارات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں جور کا لفظ واقع ہوا ہے، جیسا کہ انہوں نے لکھا حضرت معاویہ امام جائر تھے تو اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی خلافت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے میں صحیح نہیں تھی، اس سے وہ جور مراد نہیں جس کا انجام فسق و گمراہی ہوتا ہے، فقہاء کے اس قول کی تاویل اسی طرح کرنا ضروری ہے تاکہ ان کا قول بقایا اہل سنت کے قول کے موافق ہو جائے، البتہ ارباب استقامت اس طرح کے الفاظ جو مقصود کے خلاف کا وہم پیدا کریں سے بھی اجتناب کرتے

ہیں اور وہ لفظ خطا سے تجاوز نہیں کرتے۔“ (تعلیقات علی ذب ذباب الدرر)۔

### ہمارے زمانے میں باغی کا اطلاق جائز نہیں

لیکن ہمارے زمانے میں چونکہ باغی کا لفظ معاند و سرکش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور سننے والا اس کا برا معنی ہی سمجھتا ہے اس لیے اس کا اطلاق اب کسی بھی صحابی پر جائز نہیں، اور ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ ایک لفظ پہلے استعمال ہوتا ہے لیکن عرف کی وجہ سے اس کے استعمال سے منع کر دیا جاتا ہے، خود موصوف ظہور احمد فیضی کا کلام، حضور علیہ السلام کو اپنا بھائی کہنے کے حوالے سے ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

لفظ ”مکر“ قرآن پاک میں رب عزوجل کی طرف نسبت کرتے ہوئے آیا ہے جس کا ترجمہ ہمارے علماء خفیہ تدبیر کرتے ہیں اور یہ معنی شان باری تعالیٰ کے شایاں ہے اور مکر کا یہ معنی عربی زبان میں موجود بھی ہے۔ لیکن اب عربی زبان میں مکر صرف فریب کے لیے استعمال ہونے لگا ہے تو علماء نے اس سے منع کر دیا، چنانچہ حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر خزائن العرفان میں لکھتے ہیں:

”لفظ ”مکر“ لغت عرب میں ”ستر“ یعنی پوشیدگی کے معنی میں ہے۔ اسی لیے خفیہ تدبیر کو بھی مکر کہتے ہیں، اور وہ تدبیر اگر اچھے مقصد کے لیے ہو تو محمود اور کسی قبیح غرض کے لیے ہو تو مذموم ہوتی ہے، مگر اردو زبان میں یہ لفظ فریب کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، اس لیے ہرگز شان الہی میں نہ کہا جائے گا، اور اب چونکہ عربی میں بھی بمعنی خداع کے معروف ہو گیا ہے، اس لیے عربی میں بھی شان الہی میں اس کا اطلاق جائز نہیں، آیت میں جہاں کہیں وارد ہوا وہ خفیہ تدبیر کے معنی میں ہے۔“

اسی طرح باغی کا اطلاق بھی ہمارے زمانے میں جائز نہیں۔ صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا امجد علی

اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

”عرف شرع میں بغاوت مطلقاً مقابلہ امام برحق کو کہتے ہیں، عنادا ہو، خواہ اجتہادا، ان حضرات (حضرت عائشہ، حضرت طلحہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پر بوجہ رجوع اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا، گروہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حسب اصطلاح شرع اطلاق فنہ باغیہ آیا ہے، مگر اب کہ باغی بمعنی مفسد و معاند و سرکش ہو گیا اور دشنام سمجھا جاتا ہے، اب کسی صحابی

پر اس کا اطلاق جائز نہیں۔“ (بہار شریعت حصہ ۱ ص ۲۶۰)

الحمد للہ! احباب اہل سنت کے لیے بات بالکل واضح ہو گئی کہ اب ان الفاظ کا اطلاق سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کسی بھی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے نہیں کر سکتے، اس موضوع پر مزید تفصیل ہماری آنے والی کتاب ”شرح حدیث سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اور اس کا جواب

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دو عبارات موصوف فیضی نے نقل کی ہیں ایک عبارت تحفہ اثنا عشریہ کی نقل کی ہے اس کا جواب تیرہویں صدی ہجری کے مجدد تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاحظہ فرمائیں، آپ ارشاد فرماتے ہیں: ”اگر کوئی یہ کہے کہ تحفہ اثنا عشریہ میں رافضیوں اور اہل سنت کے سلسلہ میں ایک سوال و جواب میں مذکور ہے۔

سوال: جب آپ انہیں باغی و متغلب سمجھتے ہیں تو ان پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟

جواب: اہل سنت و جماعت کے نزدیک مرتکب کبیرہ پر لعنت جائز نہیں اور باغی مرتکب کبیرہ ہے اس لئے اس پر لعنت جائز نہیں۔

اس جواب سے ظاہر ہے کہ شاہ صاحب حضرت معاویہ پر اگرچہ لعنت کو جائز نہیں کہتے، مگر ان کو مرتکب کبیرہ ضرور سمجھتے ہیں، جب کہ آپ نے ثابت کیا کہ حضرت معاویہ سے خطائے اجتہادی ہوئی تھی۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ تحفہ اثنا عشریہ میں شاہ صاحب کا مخاطب فرقہ مخالف ہے، اس لیے اسے جہنی برتنزل سمجھا جائے گا، ورنہ اس جواب میں جمہور کی مخالفت کے ساتھ ساتھ اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ازالۃ الخفا کی مخالفت بھی لازم آئے گی حالاں کہ آپ تحفہ اثنا عشریہ میں اس کتاب کی تعریف کر چکے ہیں، مثلاً شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں:

”حضرت معاویہ مجتہد مخطی ہیں، اور شبہ سے تمسک کی وجہ سے معذور ہیں، اس پر قصہ اہل جمل

کی طرح میزان شرع میں، میں نے بہت واضح دلیل دی ہے۔“

(صحیح العقیدہ فی باب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۵۸)

فتاویٰ عزیزیہ کی عبارت صاحب الاحادیث الموضوعات نے ادھوری نقل کی ہے جس میں محققین اہل

حدیث کی عبارت تو نقل کی لیکن اس سے قبل کی عبارت چھوڑ دی وہ عبارت یہ ہے:

”لیکن حضرت معاویہ بن ابی سفیان صحابی ہیں اور آنجناب کی شان میں بعض احادیث بھی وارد

ہیں، آنجناب کے بارے میں علمائے اہلسنت میں اختلاف ہے علمائے مارواء النہر اور مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حرکات جنگ و جدل جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوئیں وہ صرف خطاً اجتہادی کی بنا پر تھیں۔“

فیضی صاحب نے یہ عبارت چھوڑ کی اگلی عبارت نقل کر دی جس سے یہ ابہام پیدا کر رہے ہیں گویا شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرتکب کبیرہ قرار دے رہے ہیں۔

نعوذ باللہ من ذلک!

اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے اور لکھا گیا ہے، لیکن عمومی طور پر روافض کے جواب میں لکھا گیا ہے، حیرت ہے ایک شخص اپنے آپ کو سنی کہہ کر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں اس طرح کے عقائد رکھتا ہے!

اکابرین اہل سنت کو چاہیے کہ اس شخص سے باز برس کریں اور اس سے سوال کیا جائے کہ آپ سنی ہیں یا نہیں؟ اگر آپ سنی ہیں تو اہلسنت کا موقف تو بالکل واضح ہے کہ ان صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ذکر جب بھی کیا جائے گا خیر کے ساتھ کیا جائے گا، جبکہ آپ تو ان لغزشوں کے درپے ہیں وجہ کیا ہے؟

آپ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کو جو منافقین کے بارے میں تھا صحابہ کرام علیہم الرضوان پر منطبق کرنے کی خیانت کیوں کی؟ جبکہ جن کتب سے آپ حوالہ دے رہے ہیں انہی سے واضح ہے کہ یہ قول منافقین کے حق میں ہے۔

حضرت سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو ادھورا کیوں نقل کیا اور اس کو صحابہ کرام علیہم الرضوان پر منطبق کرنے کی خیانت کیوں کی؟ حالانکہ آپ نے خود تاریخ دمشق کا حوالہ دیا اور دیدہ دلیری سے اس کی عبارت نقل ہی نہیں کی جس میں صراحت تھی کہ یہ قول کفار و مشرکین کے بارے میں ہے؟

آپ نے صاحب فتاویٰ نذیریہ نذیر حسین دہلوی غیر مقلد پر جھوٹ کیوں بولا؟ وہاں تو مولوی فصیح کا رد کیا گیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر کے وقت بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے پر دلائل دیئے گئے تھے اور آپ نے ان کی طرف یہ منسوب کر دیا کہ انہوں نے منع کیا ہے وجہ کیا ہے؟

آخر ان خیانتوں کی وجہ کیا ہے؟



### شخصیات کے بارے میں حدیث کی گھڑنے کی ابتداء

ظہور احمد فیضی نے کتاب میں تسلسل سے اس بات کا اثبات کیا گیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں احادیث گھڑی گئیں اور احادیث چونکہ بنو امیہ کے دور میں مدون ہوئیں اس لیے کئی احادیث گھڑ لی گئیں، گویا کہ کسی اور کے حق میں احادیث اس سے قبل گھڑی ہی نہیں گئی تھیں۔ حالانکہ شخصیات کے حق میں احادیث گھڑنے کی ابتداء روافض کی طرف سے ہوئی، انہوں نے مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں احادیث گھڑیں، پھر اس کے مقابل میں بعض جبلا نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں احادیث گھڑیں۔

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الموضوعات میں فرماتے ہیں:

قد تعصب قوم لا خلاق لهم يدعون التمسك بالسنة فوضعوا لأبي بكر فضائل. وفيهم من قصد معارضة الرافضة بما وضعت لعلی علیہ السلام. وكلا الفريقين على الخطأ. وذاتك السیدان غنيان بالفضائل الصحيحة الصريحة عن استعارة وتخصص. صلوات الله وسلامه عليهما.

”ایک قوم جس کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں اور دعویٰ وہ سنت پر عمل کا دعویٰ کرتے ہیں انہوں نے تعصب کا مظاہرہ کیا، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں احادیث گھڑ لیں، اور ان میں سے بعض وہ تھے جن کا مقصود ان روافض کا معارضہ کرنا تھا جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں احادیث گھڑی تھیں، یہ دونوں فریق خطا پر ہیں، اور یہ دونوں سردار اپنے حق میں وارد ہونے والے فضائل صحیحہ صریحہ کے سبب اس استعارے اور اندازے سے غنی ہیں، اللہ تعالیٰ کی ان دونوں پر سلامتی اور رحمتیں ہوں۔“

(کتاب الموضوعات ج ۲ ص ۴۰ باب فی فضل ابی بکر الصدیق)

دکتر عجاج الخطیب لکھتے ہیں:

قال ابن أبي الحديد في "شرح نهج البلاغة": إن أصل الأكاذيب في أحاديث الفضائل كان من جهة الشيعة. فإنهم وضعوا في مبدأ الأمر أحاديث مختلفة في صاحبهم. حملهم على وضعها عداوة خصومهم. فلما رأَت البكرية ما صنعت الشيعة وضعت

لصاحبها أحاديث في مقابلة هذه الأحاديث.

”ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے: فضائل کی احادیث میں جھوٹ کی بنیاد شیعوں کی طرف سے تھی، کیونکہ انہوں نے اپنے صاحب (مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے حق میں معاملہ کی ابتداء میں احادیث گھڑیں، ان کو اس وضع حدیث پر اپنے مخالفین کی عداوت نے ابھارا، جب بکریہ (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چاہنے والوں) نے شیعوں کی یہ حرکت دیکھی تو انہوں نے اپنے صاحب (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لیے ان احادیث کے مقابلے میں احادیث گھڑ لیں۔“ (السنۃ قبل التدوین ص ۱۲۹)

کس کے بارے میں سب سے زیادہ احادیث گھڑی گئیں؟

اس کثرت میں اہل کوفہ نے سب کو پیچھے چھوڑ دیا اور تین لاکھ سے زیادہ احادیث مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل میں گھڑ ڈالیں۔

امام ابو یعلیٰ الخلیلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال بعض الحفاظ تأملت ما وضعه أهل الكوفة في فضائل علي وأهل بيته فزاد علي ثلاثمائة ألف.

”بعض حفاظ نے یہ بیان کیا میں نے اہل کوفہ کی فضائل حضرت علی و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں گھڑی ہوئی احادیث میں غور کیا تو ان کو تین لاکھ سے زیادہ پایا۔“

(الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ج ۱ ص ۴۲۰ رقم ۱۰۶)

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جس طرح روافض نے فضائل امیر المؤمنین و اہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثوں وضع کیں۔“

کما نص عليه الحافظ أبو يعلى الخليلي في الإرشاد يونهي نواصب في مناقب أمير معاوية رضي الله تعالى عنه من أحاديث غهزي كما أرشد إليه الإمام الذاب عن السنة أحمد بن حنبل رحمه الله تعالى (فتاوى رضوية ج ۵ ص ۴۶۱)

ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ احادیث گھڑنے کی ابتداء روافض کی طرف سے ہوئی جس کے مقابل

بعض جہلانے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں احادیث گھڑیں، لیکن یہ دونوں گروہ غلط تھے، روافض نے تین لاکھ احادیث اہل بیت اطہار کے حق میں گھڑیں، تو نواصب نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں احادیث گھڑیں، اس امر کے باطل ہونے میں بھی کوئی شک نہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن مجید کی حفاظت فرمائی ہے یونہی اس امت میں ایسے رجال پیدا کیے جنہوں نے حدیث کی حفاظت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں، ہر طرح کے آرام کو ایک طرف رکھ کر مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کے سفر اختیار کیے، سخت مشکلات اور مال و خوراک کی کمی کا سامنا کیا لیکن احادیث طیبہ کے حصول و حفاظت میں ذرہ برابر سستی کوتاہی نہ برتی، یہ محدثین وہ ہیں کہ اگر حدیث میں ایک حرف بڑھا دیا جائے یا گھٹا دیا جائے تو اس کے بارے میں بتا دیتے ہیں کہ جہاں یہ حرف بڑھا ہے اور یہاں یہ حرف گھٹا ہے۔ ان حضرات کے حالات اور ان کے اقوال سے کتب سیر مالا مال ہیں۔ لہذا جس طرح محدثین نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں گھڑی گئی احادیث کی نشاندہی کر دی، اسی طرح سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل میں گھڑی احادیث کو بھی جدا کر دیا، بالکل اسی طرح وہ احادیث جو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں گھڑی گئیں ان کی تحقیق اپنی کتب میں کر کے علیحدہ کر دیا۔

جس طرح دیگر کے حق میں صحیح، حسن، ضعیف احادیث تھیں، ان کے بارے میں ہماری رہنمائی کی، اسی طرح وہ احادیث جو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں تھی اور درجہ حسن تک پہنچتی تھیں یا ضعیف تھیں ان کی بھی نشاندہی فرمادی۔ جزاھم اللہ عنا خیر الجزاء۔

کسی کے حق میں حدیث کا گھڑا جانا کس بات کو لازم ہے؟

ہماری اس بیان کردہ تفصیل سے واضح ہو گیا کہ کسی کے حق میں احادیث گھڑنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے حق میں جو حدیث آئے گی وہ موضوع ہی ہوگی، ورنہ تو سیدنا صدیق اکبر و سیدنا علی المرتضیٰ و اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے حق میں بیان کردہ تمام احادیث بھی موضوع قرار پائیں اور ظاہر ہے اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

اپنے بیان کردہ قاعدے کے مطابق فیضی صاحب خود خائن ہیں۔  
کیا احادیث صرف امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں گھڑی گئی ہیں؟ جب ایسا نہیں ہے تو پھر

ایسا تاثر دینا موصوف فیضی کے نزدیک خیانت قرار پاتا ہے، اپنی کتاب شرح اسنی المطالب میں موصوف نے خود لکھا ہے:

”احقر عرض کرتا ہے کہ احادیث موضوعہ ہر باب میں اور ہر خلیفہ راشد و غیر راشد کے متعلق پائی جاتی ہیں، عوام الناس کو یہ تاثر دینا کہ فقط مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی شان میں احادیث گھڑی گئیں، دیانت داری نہیں ہے۔“ (شرح اسنی المطالب ص ۴۳)

یہاں موصوف اپنی گندی سوچ کا ایک بدبودار اثر چھوڑ کر گئے ہیں، اس پر فی الوقت تو ہم گفتگو نہیں کرتے، لیکن ان کے اس قول سے واضح ہو گیا کہ یہ خود دیانت دار نہیں (اور ویسے بھی نہیں ہیں ماقبل میں آپ کچھ نمونے ملاحظہ کر چکے ہیں اور آگے بھی دیکھیں گے) کیونکہ موصوف مسلسل یہ تاثر دیتے رہے ہیں کہ گویا صرف فضائل امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں احادیث گھڑی گئی ہیں۔ فضائل سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کے حوالے سے موصوف کی عبارت ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں:

”ماہرین علم حدیث بھی دھوکہ کھا گئے جہاں حکومتی پروپیگنڈا، لالچ اور دباؤ سب چیزیں جمع ہو جائیں تو وہاں مفاد پرست لوگوں کو اپنے اپنے جوہر دکھلانے اور قیمت پانے کے مواقع خوب میسر آتے ہیں، چنانچہ اس دور کے مفاد پرستوں نے ایسی چالاکی سے احادیث وضع کیں اور ان کو من گھڑت متنوں پر چڑھایا کہ علم حدیث کے جہابذہ اور نباز حضرات بھی دھوکہ کھا گئے، ان کی پرکھنے کی صلاحیت جواب دے گئی اور وہ کھوٹے سکے کو قبول کر کے اپنی عظیم الشان کتب میں درج کر گئے۔۔۔ الخ۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۸)

موصوف نے یہ ساری تمہید صحیح مسلم کی حدیث پر طعن کرنے کے لیے باندھی ہے، اس کا جواب دینے سے قبل ہم آپ کو موصوف کی دیانت، اور فن حدیث کی صلاحیت کا فی الوقت ایک نمونہ دکھاتے ہیں۔ موصوف نے شان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں احادیث کی کثرت کی وجہ یہ بیان کی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقتدار میں رہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے بعد بنو امیہ کے اقتدار کی وجہ سے آپ کی شان میں احادیث گھڑی جاتی رہیں، اور دوسری طرف ایسی ہستیوں کے خلاف احادیث گھڑی جاتی رہیں جو ان کے اقتدار کے لیے مضر سمجھی جاتی تھیں۔ پھر موصوف لکھتے ہیں:

”ان دونوں صورتوں کا ذکر امام ذہبی نے یوں فرمایا ہے۔

و خلف معاویة خلق کثیر یحبونہ و یتغالون فیہ. و یفضلونہ. إماما قد ملکهم بالکرم  
والحلم والعطاء، و إماما قد ولدوا فی الشام علی حبہ، و تربی أولادهم علی ذلک... و نشؤوا  
علی النصب نعوذ باللہ من الہوی

معاویہ کے پیچھے کثیر مخلوق ایسی رہی جو اس سے محبت کرتی، اس کے بارے میں غلو کرتی اور اس  
کو فضیلت دیتی تھی، یا تو اس لیے کہ انہوں نے اُن پر سخاوت، حلم اور عطاء سے سے بادشاہی  
کی تھی اور یا اس لیے کہ وہ میں اُس کی محبت پر پیدا ہوئے اور اُن کی نشوونما ناصبیت (دشمنی  
اہل بیت) پر ہوئی ہم خواہش نفس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۲۵-۲۶)

اولاً: اس عبارت میں کہاں لکھا ہے کہ یہ لوگ احادیث گھڑتے تھے؟

ثانیاً: ان کی خیانت دیکھیں درمیان میں جو آپ نقطے دیکھ رہے ہیں یہاں سے یہ عبارت اڑادی:  
وفیہم جماعة یسیرۃ من الصحابة، وعدد کثیر من التابعین والفضلاء، و حاربوا  
معہ اهل العراق،

”ان میں صحابہ کی مختصر جماعت بھی تھی اور تابعین اور فاضل لوگوں کی بہت بڑی تعداد تھی  
جنہوں نے ان کے ساتھ اہل عراق سے جنگ کی۔“

جی جناب اب ان صحابہ کرام علیہم الرضوان پر آپ کے نکالے گئے مفہوم کے مطابق کیا الزام آتا  
ہے؟ یہی نہ کہ یہ بھی احادیث گھڑتے تھے! لیکن آپ کو اس کی کیا پرواہ آپ کا مقصد اس کتاب سے یہی  
واضح ہے۔ البتہ آپ کی خیانت خوب کھل کر سامنے آرہی ہے۔

ذرا آگے پڑھیں امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کیا فرما رہے ہیں:

كما قد نشأ جیش علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و رعیتہ - إلا الخوارج منهم - علی حبہ  
والقیام معہ، و بغض من بغی علیہ والتبری منهم، و غلا خلق منهم فی التشیع.

”اسی طرح حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر اور رعیت - خارجیوں کے علاوہ -  
نے آپ کی محبت، آپ کے ساتھ رہنے، آپ سے بغاوت کرنے والے سے بغض اور براءت کا

اظہار کرنے پر نشوونما پائی ہے، انہی (جیش علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں سے ایک تعداد نے تشیع میں غلو کیا۔“

فرمائیں جو معاملہ وہاں تھا وہی معاملہ امام ذہبی کے بقول یہاں تھا اور آپ وہاں اس سے احادیث کا گھڑنا مراد لے رہے ہیں، تو یہاں بھی یہی مراد لیں گے؟  
حافظ ذہبی مزید لکھتے ہیں:

فبأن الله كيف يكون حال من نشأ في إقليم لا يكاد يشاهد فيه إلا غالباً في الحب  
مفرطاً في البغض، ومن أين يقع له الانصاف والاعتدال؟  
”اللہ کی قسم! ایسے شخص کا کیا بنے گا جس نے ایسے علاقے میں پرورش پائی ہو کہ جہاں اس نے محبت میں غلو اور بغض میں افراط کا ہی مشاہدہ کیا ہو۔ ایسے کے لیے انصاف اور اعتدال کہاں سے آئے گا؟“

اس کے بعد امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کیا خوب ارشاد فرماتے ہیں:

”فنحمد الله على العافية الذي أوجدنا في زمان قد انمحص فيه الحق، واتضح من  
الطرفين، وعرفنا مأخذ كل واحد من الطائفتين وتبصرنا، فعذرنا، واستغفرنا،  
وأحببنا باقتصاد، وترحمنا على البغاة بتأويل سائغ في الجملة، أو بخطأ إن شاء الله  
مغفور، وقلنا كما علمنا الله (ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولا  
تجعل في قلوبنا غلا للذين آمنوا) (الحشر: 10)

”ہم عافیت پر اللہ کی حمد کرتے ہیں کہ جس نے ہمیں ایسے زمانے میں پیدا فرمایا ہے کہ جس میں حق روشن ہے، دونوں گروہوں کے راستے واضح ہیں۔ ہم نے دونوں میں سے ہر ایک کے ماخذ پہنچانے، خوب شناخت کی تو ہم نے براءت کی راہ لی اور مغفرت طلب کی، میانہ روی کو پسند کیا، ہم نے فی الجملة جائز تاویل کر کے یا خطا کار قرار دے کر باغیوں کے لیے دعائے رحمت کی، ان شاء اللہ وہ مغفور ہیں، ہم اسی طرح کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھایا ہے: اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ۔“

وترضينا أيضا عن اعتزل الفريقين، كسعد بن أبي وقاص، وابن عمر، ومحمد بن مسلمة، وسعيد بن زيد، وخلق.

”ہم ان سے بھی راضی ہیں جو ان دونوں گروہوں سے جدا رہے جیسے سعد بن ابی وقاص، ابن عمر، محمد بن مسلمہ، سعید بن زید اور ایک بڑی تعداد، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔“

وتبرأنا من الخوارج المارقين الذين حاربوا عليا، وكفروا الفريقين. فالخوارج كلاب النار، قدموا من الدين، ومع هذا فلا نقطع لهم بخلود النار، كما نقطع به لعبدة الأصنام والصلبان.

”ہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کرنے والے خوارج اور دونوں گروہوں کو کافر قرار دینے والوں سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، خوارج تو جہنمی کتے ہیں، وہ دین سے نکل چکے ہیں اس کے باوجود ہم بت پرستوں اور صلیبیوں کی طرح قطعی طور پر ان کے ہمیشہ جہنم میں رہنے کا قول نہیں کرتے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۲۸)

اب ذرا موصوف فیضی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

”میں نے اس تحریر میں اعتدال و توازن کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے، کسی عبارت کو سیاق و سباق سے ہٹا کر نہیں لکھا، ڈنڈی نہیں ماری اور میرے موقف کے خلاف میرے سامنے کوئی مواد آیا تو اس سے آنکھیں نہیں چرائیں بلکہ اسے نقل کر کے اس کا جواب لکھا ہے، اظہار دلائل اور احقاق حق میں میں نے یہ پروا نہیں کی کہ فلاں بات عوام یا جاہل مبلغین و مقررین کے اکثریتی نظریے کے خلاف ہے لہذا اس کے اظہار میں اجتناب چاہیے۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۱۰)

جی مولوی صاحب! یہ عبارت تو آپ کے موقف کے صریح خلاف ہے، آپ نے یہاں عبارت کے درمیان ڈنڈی بھی ماری، اور اگلی عبارت اصلاً نقل ہی نہیں کی جس سے آپ کے باطل نظریہ پر ڈنڈے کی ضرب پڑ رہی تھی۔

بغض حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فیضی کو سب قبول ہے

موصوف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ابوقیس الاودی کا ایک قول الاستیعاب

سے نقل کرتے ہیں:

أدرکت الناس وهم ثلاث طبقات: أهل دين يحبون علياً وأهل دنيا يحبون معاوية وخوارج.

اس کا ترجمہ کرتے ہیں: میں نے لوگوں کو تین طبقات میں پایا، اہل دین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت رکھتے ہیں، اہل دنیا معاویہ کو چاہتے ہیں، اور تیسرا طبقہ خوارج [سفہاء یعنی بے وقوفوں] کا ہے۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۶-۲۷)

میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا سند کی تحقیق صرف اس مقام پر ہوگی جہاں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بیان کیے جائیں؟ جہاں نقص کا کوئی شائبہ بھی ہو وہاں تحقیق کی کوئی حاجت نہیں رہتی؟ اس قول کی سند استیعاب میں یہ ہے:

حدثنا خلف بن قاسم، حدثنا عبد الله بن عمر، حدثنا أحمد بن محمد بن الحجاج، حدثنا يحيى بن سليمان الجعفي، حدثنا حفص بن غياث، حدثنا الشوري عن أبي قيس الأودي، (الاستيعاب في معرفة الأصحاب) ج ۳ ص ۱۱۵

اس کی سند میں راوی عبد اللہ بن عمر بن اسحاق بن معمر ہے یہ مجھول راوی ہے۔

دوسرے راوی ہیں احمد بن محمد بن الحجاج، ان کے بارے میں ابن ابی حاتم لکھتے ہیں:

روى عن عمرو بن خالد، ويحيى بن بكير، وابن أبي مریم، سمعت منه بمصر ولم أحدث عنه لم أتكلموا فيه

”انہوں نے عمرو بن خالد، یحییٰ بن بکیر اور ابن ابی مریم سے روایت کیا، میں نے مصر میں ان سے سماعت کی، لیکن میں ان سے حدیث بیان نہیں کرتا اس لیے کہ محدثین نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے۔“ (الجرح والتعديل) ج ۲ ص ۲۹ رقم ۱۵۳

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال ابن عدي: كذبوا وأنكرت عليه أشياء.

”ابن عدی نے کہا ہے کہ علما نے اس کو جھٹلایا، اور اس پر کئی احادیث کا انکار کیا۔“

(الضعفاء والهر دكین) ج ۱ ص ۸۴ رقم ۲۳۹



حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال ابن عدی: یکتب حدیثہ مع ضعفہ

”ابن عدی کہتے ہیں اس کی حدیث اس کے ضعف کے باوجود لکھی جائے گی۔“

(المغنی فی الضعفاء) (ج ۱ ص ۸۷ رقم ۴۱۳)

سند کے اعتبار سے اس قول کا ضعیف ہونا آپؐ نے ملاحظہ فرمالیا، اگر اس قول کو صحیح مان بھی لیا جائے تو بھی یہ واقعتاً باطل ہے، اس لیے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرنے والے صحابہ کرام علیہم الرضوان، تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔

بلکہ خود اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان سے محبت فرماتے ہیں۔ جیسا کہ آگے حدیث آتی ہے۔

فن حدیث میں موصوف کی حیثیت تو ان شاء اللہ عزوجل وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہے گی، اب جس مقصد کے لیے موصوف نے تمہید باندھی تھی اس کا جائزہ لے لیتے ہیں۔

### صحیح مسلم پر طعن کا جواب

موصوف لکھتے ہیں:

”آپ حیران ہوں گے پہلے بادشاہ کی شان میں بعض احادیث صحیح مسلم میں بھی گھس گھس، اس حدیث کی وجہ سے تب سے اب تک محدثین کرام مضطرب ہیں۔ ذرا آئیں آپ بھی یہ

تماشا ملاحظہ فرمائیں۔۔۔۔۔ الخ۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۸)

پھر انہوں نے مسلم کی شریف کی حدیث مبارکہ نقل کی ہے جس میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی:

”یا رسول اللہ! مجھے تین چیزیں عطا فرمادیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: ہاں، انہوں نے عرض کی: میری بیٹی ام حبیبہ عرب کی سب سے حسین و جمیل عورت ہے

میں اس کا نکاح آپ سے کرتا ہوں، ارشاد فرمایا: ہاں۔ عرض کی: اور معاویہ کو اپنے حضور کا تب

مقرر کر لیں، فرمایا: ہاں، آپ مجھے لشکر پر امیر مقرر کریں تاکہ میں کفار سے اسی طرح قتال

کروں جس طرح مسلمانوں سے قتال کرتا تھا، فرمایا: ہاں۔“ (صحیح مسلم ص ۱۱۶۸ رقم ۲۵۰۱)

مسلم شریف کی اس حدیث پر دو طرح کلام کیا گیا ہے، ایک ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سند کے اعتبار سے کیا، اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ سیدتنا ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح توفیح مکہ سے پہلے ہو چکا تھا، لہذا یہاں حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح کے لیے عرض کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔؟

پہلے اعتراض کی تفصیل حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں: ”اس میں وہم کی نسبت عکرمہ بن عمار کی طرف ہے اور یحییٰ بن سعید نے اس کی احادیث کو ضعیف کہا ہے، امام احمد بن حنبل نے بھی اسی طرح کہا ہے، امام مسلم نے اس سے فقط اس لیے روایت کیا ہے کہ یحییٰ بن معین نے اس کے بارے میں کہا ہے وہ ثقہ ہے۔ (مختص از جامع المسانید والسنن ج ۴ ص ۱۴۰)

باعتبار سند کے تو اس حدیث پر اعتراض ہی فضول ہے، حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا کہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی احادیث فقط اس لیے لے لیں کہ یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، اور یہ طعن کہ ان کی احادیث کو یحییٰ بن سعید نے ضعیف قرار دیا ہے باطل ہے، اس لیے کہ ان کی توثیق صرف یحییٰ بن معین نے نہیں کی بلکہ امام عجل، امام ابو داود، امام نسائی، امام احمد، علی بن محمد طنافسی، امام دارقطنی، یعقوب بن شبیبہ، ابن شاہین اور احمد بن صالح وغیرہ نے کی ہے ان میں بعض نے یہ صراحت کی ہے کہ یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت میں ان میں اضطراب پایا جاتا ہے، جبکہ صحیح مسلم کی اس روایت میں یہ ابو زبیل سے روایت کر رہے ہیں نہ کہ یحییٰ بن ابی کثیر سے۔ (تاریخ یحییٰ بن معین روایۃ الدور ج ۴ ص ۱۲۳ رقم ۳۴۹۴، الثقات للعجل ج ۲ ص ۱۴۴ رقم ۱۲۷۱، سوالات الاجری لأبی داود ص ۲۶۴ رقم ۳۶۱، تاریخ أسماء الثقات لابن شاہین ص ۲۴۰ رقم ۱۱۰۴، تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۲۸-۶۳۰ رقم ۴۸۱۱)

ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کا دوسرا یہ اعتراض اپنی جگہ درست ہے کہ اس حدیث میں نکاح کرنے کا عرض کیا ہے، جبکہ نکاح تو باتفاق اہل سیر حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے سے بہت پہلے ہو چکا ہے، لیکن اس پر گزارش یہ ہے کہ کیا یہ پہلی حدیث ہے جس کے معنی پر اشکال وارد ہوا ہو، کیا اشکالات کی وجہ سے حدیث کو موضوع قرار دے دیا جاتا ہے؟ یا اس کی ممکنہ تاویل کی جاتی ہے، ظاہر ہے تاویل ہی کی جاتی ہے اگر اس طرح حدیث کو رد کرنے کا دروازہ کھول دیا جائے گا تو ہر ایک اپنی درایت سے احادیث کا انکار کرتا پھرے گا۔

یہاں علمائے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی ایک سے زائد تاویل کی ہیں، کہ اس سے

مراد ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجدید نکاح کی درخواست تھی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعم یعنی ہاں فرمانے کا معنی یہ ہے کہ میں ان سے نکاح کر چکا ہوں اس کے علاوہ اور کئی معنی اس کے بیان کیے گئے ہیں۔

موصوف فیضی نے اس پر بارہ شارحین کے قول نقل کیے اور لکھا:

”یادر ہے کہ اس حدیث کو موضوع قرار دینے والے یہ بارہ علماء اسلام ہیں۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۳۳)

موصوف نے ان بارہ میں زبردستی امام محمد بن فتوح الحمیدی، امام قاضی عیاض مالکی اور امام ذہبی رحمہم اللہ تعالیٰ کو بھی داخل کر لیا حالانکہ ان حضرات نے یہ لکھا ہے کہ اس میں غرابت ہے، منکر ہے، اور بعض رواۃ کو اس میں وہم ہوا ہے۔ اور اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ الفاظ موضوع ہونے پر دلالت نہیں کرتے، اگر غرابت و نکارت دور ہو جائے تو حدیث صحیح قرار پائے گی اور ائمہ اسلام نے اس نکارت اور غرابت کو دور ہی فرمایا ہے۔

اب بچے 9 شارحین تو ان 9 میں سے ابن حزم ظاہری، ابن قیم ظاہری المذہب، صدیق حسن قنوجی غیر مقلد، صفی الرحمن مبارکپوری غیر مقلد شامل ہیں، ان کی کوئی بات ہم پر اصلاحت نہیں ہے، نیز ابن قیم کا کلام ہم ابھی دکتور خلیل ملا خاطر کے حوالے سے نقل کر رہے ہیں جس میں خود ابن قیم نے اس حدیث کی تاویل کی ہے۔ باقی پانچ میں سے تین معاصرین ہیں جن کے عقائد و نظریات کا کچھ معلوم نہیں، ان کی بات ہم پر حجت نہیں نیز انہوں نے جس بات کو دلیل بنایا ہے کہ نکاح تو پہلے ہو چکا تھا اب نکاح کی التماس کرنا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قبول کرنا کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب محدثین ذکر کر چکے ہیں۔

موصوف مختلف ائمہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”اس طلقاء خاندان کے فضائل کے اثبات یا صحیح مسلم کی صحت پر اصرار کے باعث بعض لوگوں سے بارگاہ نبوی کی اہانت بھی ہو گئی اور انہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تجدید نکاح فرمایا ہوگا ہر چند کہ یہ گستاخانہ بات ہمارے دور میں بھی لکھی اور کہی جا رہی ہے، لیکن میں کسی معاصر کا نام لکھنا مناسب نہیں سمجھتا کہ لوگ انا کا مسئلہ بنا کر

باطل پر ڈٹ جاتے ہیں اور ایسی بات کسی تنظیم سے شائع شدہ کتاب میں لکھی گئی ہو تو پھر رجوع کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ تنظیم والوں کو دین سے زیادہ تنظیم محبوب ہوتی ہے، اس لیے کسی شخص یا تنظیم کا نام لیے بغیر علامہ ابن قیم کے الفاظ نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں وہ لکھتے ہیں: ایک گروہ نے کہا: بلکہ ابوسفیان نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے دل کی تسلی کے لیے تجدید نکاح درخواست کی تھی، کیونکہ آپ نے ام حبیبہ کے ساتھ ان کی مرضی کے بغیر شادی کی تھی، یہ باطل ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ تصور کی جاسکتا ہے نہ یہ ابوسفیان کی عقل کے لائق ہے اور ان ہی باتوں میں سے کچھ ہوا۔۔۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۳۲)

حالانکہ اس حدیث کی تاویل خود موصوف کے بقول امام بیہقی اور امام منذری رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی کی ہے، تو کیا یہ دونوں حضرات بھی اسی اہانت کے مرتکب ہوئے ہیں؟ نیز اس حدیث کی تاویل امام ابن الصلاح، امام نووی، علامہ جلال الدین سیوطی اور علامہ سید غلام رسول سعیدی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی کی ہے، کیا ان تمام پر بھی یہی حکم ہے؟ یا یہ صرف ایک تنظیم کے افراد کے لیے خاص ہے؟ دوسری بات تاویل یہ نہیں کی گئی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تجدید نکاح فرمایا ہوگا، بلکہ تاویل یہ کی گئی ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجدید نکاح کے لیے گزارش کی ہے۔ ہم امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے معصوم ہونے یا صحیح مسلم کی عصمت کا اعتقاد نہیں رکھتے، ہمارے نزدیک تو صرف انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتے معصوم ہیں، لیکن اپنی ہوس کے لیے صحیح مسلم کیا کسی بھی کتاب کی حدیث ثابت کو موضوع قرار دینا ہمارا مشرب نہیں۔

دکٹر خلیل ملا خاطر کی تحقیق

مسلم شریف کا ایک نسخہ جو حافظ ابن الطرقی الاصبہانی متوفی ۴۸۶ھ کے خط سے لکھا ہوا ہے، اس کی تصویر دار الحدیث الکتانیہ نے شائع کی ہے، اس میں اس حدیث مبارک پر تعلیق ہے جس سے ظاہر ہے امام حمیدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول بعض الحفاظ سے مراد ابن حزم ہے، میرے اندازے میں بھی تھا کہ اس حدیث کو موضوع کہنے کی ابتداء کرنے والا یہ ابن حزم ظاہری ہی ہوگا، مصر کے ایک محقق ہیں دکٹر خلیل ملا خاطر ان کی دو کتابوں کا ترجمہ فیضی کے ولی نعمت مفتی خان قادری نے کیا اور کروایا ہے اور اس پر ان کی

تائید کے ساتھ مصنف کے حالات لکھے گئے ہیں جس میں ان کو اس زمانے کا زبردست محقق محدث قرار دیا گیا ہے۔

انہی دکتور خلیل ملا خاطر کی کتاب ہے ”مکانۃ الصحیحین“، اس کتاب میں انہوں نے اس حدیث پر بھی بہت تفصیل سے کلام کیا ہے، دکتور ملا خاطر نے اس حدیث پر کئی صفحات لکھے ہیں اور اس حدیث کو موضوع کہنے والا ابن حزم ہی کو بتایا ہے اور اس کی اس غلطی کو دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے۔

اوپر جو موصوف ابن قیم کے حوالے سے الزام لگاتے رہے کہ اس حدیث کی تاویل کر کے بعض لوگ اس خاندان کی محبت کی وجہ سے توہین کے بھی مرتکب ہو گئے دکتور ملا خاطر نے زاد المعاد کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابن قیم نے خود اس حدیث کی ایک اور تاویل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے سوالات میں سے بعض چیزیں عطا فرمائیں تھیں جیسا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کاتب بنانا۔ اب موصوف نہ جانے سید دکتور ملا خلیل خاطر پر کیا حکم لگاتے ہیں جو موصوف کے محقق العصر مفتی خان قادری کے مطابق حدیث میں ید طولی رکھتے ہیں۔

بلا تبصرہ

مسلم شریف کی ایک حدیث جس میں مولائے کائنات مولا مشکل کشار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ہے اس پر ایک ناہمی کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے موصوف اپنی ایک کتاب میں خود لکھتے ہیں: ”امام ابن عبد البر، امام ابن اثیر الجزری، امام نووی شافعی، امام صالحی، حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ ابوالحسن علی ندوی کی تحقیق سے اور امام مسلم کی تصریح سے ثابت ہوا کہ مرحب یہودی کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کیا تھا۔ انصاف سے بتلائیے! کیا یہ سب حضرات شیعہ تھے؟ اور کیا یہ اس بات سے بے خبر تھے کہ صحیح مسلم کی حدیث میں کوئی شیعہ یا ضعیف اور غیر ثقہ راوی گھسا ہوا؟ اگر محمود احمد ظفر کو شیعہ حضرات پر غصہ ہے، یا ان سے نفرت ہے تو کیا اس بات کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ صحیح احادیث کا ہی انکار کر دیا جائے حتیٰ کہ صحیح مسلم پر بھی ہاتھ صاف کر دیئے جائیں؟

(شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۱۳۳-۱۳۴)

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا تفصیلی بیان

موصوف ظہور فیضی لکھ چکے ہیں کہ احادیث میں اعتبار محدثین کے قول کا ہوگا لیکن ان کے نزدیک

ایک شرط اس میں یہ ہے کہ اگر حدیث سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل پر مشتمل ہوگی تو اس میں محدثین کا نہیں، بلکہ ان کے اپنے بنائے ہوئے اصول کا اعتبار ہوگا۔ لکھتے ہیں:

”اکثر محدثین تو وہ ہیں جنہوں نے فضائل معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کو مسترد کر دیا

جبکہ محدثین کا دوسرا گروہ دھوکہ کھا گیا جیسا کہ سنن ترمذی میں ایسی باطل روایات کا داخل

ہو جانا۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۳۴) (پہلے مسلم شریف پر ہاتھ صاف اب جامع ترمذی بھی گئی

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا)

پہلے گروہ کے سرخیل موصوف کے نزدیک امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، جن کا یہ قول

معروف ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

امام اسحق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر مفتی حسان عطاری صاحب کی تحقیق اینق پیڑ

خدمت ہے:

”اقول وبالله التوفیق! اولاً: امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس قول کی نسبت پر

بعض علمائے کلام کیا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی سند میں راوی ہیں یعقوب بن یوسف بن

معقل ہیں جو امام اسحاق بن راہویہ سے روایت کرتے ہیں اور یعقوب سے ان کے بیٹے ابو

العباس محمد بن یعقوب روایت کرتے ہیں، ابو العباس محمد بن یعقوب تو ثقہ ضابط راوی ہیں لیکن

ابو الفضل یعقوب بن یوسف کے بارے میں بعض معاصرین نے لکھا کہ یہ مجہول الحال ہیں،

وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کا ترجمہ یعنی حالات زندگی انتہائی اختصار کے ساتھ ملتے ہیں، خطیب

بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقط اتنا لکھا: قدم بغداد وحدث بها عن إسحاق بن راہویہ،

روی عنہ محمد بن مخلد۔ جبکہ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ اسلام میں ان کے بعض

اساتذہ اور بعض تلامذہ کا تذکرہ کیا اور اتنا لکھا: لوگوں میں سب سے بہترین خط ان کا تھا اور

اجرت پر بکثرت لکھا کرتے تھے۔ اسی طرح علامہ ابن منظور نے مختصر تاریخ دمشق میں ان کے

خط کے بہترین ہونے کو حاکم کے حوالے سے لکھا ہے اور حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں

اتنا لکھا کہ یہ اپنے بیٹے محمد بن یعقوب کی مسموعات کو محفوظ رکھا کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد، ج ۱۴ ص ۲۸۶ رقم ۷۵۸۲ طبع دارالکتب العلمیہ) (تاریخ دمشق، ج ۵۶ ص ۲۸۷) (مختصر تاریخ

دمشق ۲۸ صفحہ ۵۳ طبع دارالفکر) (تاریخ الاسلام ج ۲۰ ص ۹۶ طبع دارالکتب العربی)

شاید یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تطہیر الجنان میں امام اسحاق بن راہویہ کی طرف اس قول کی نسبت میں ان الفاظ کے ساتھ شک کا اظہار فرمایا ہے: بتقدیر صحته۔

(تطہیر الجنان ص ۴۴، طبع دار الصحابہ طنطا)

لیکن تلاش کے دوران مجھے امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہ الفاظ ملے ہیں جو ان کے بیٹے محمد بن یعقوب کے نسب کو بیان کرتے ہوئے انہوں نے لکھے ولد المحدث الحافظ نیز اخیر میں یہ الفاظ لکھے ہیں: وکان ذامعرفة وفهم۔ (سیر أعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۴۵۳ رقم ۲۵۸)

یہ الفاظ یا تو معاصرین کی نظر سے گزرے نہیں یا پھر یہ ان کے نزدیک تعدیل نہیں کیونکہ یعقوب بن یوسف کے معاصرین یا قریبی ائمہ میں سے کسی سے ان کے بارے میں جرح و تعدیل مل نہیں سکی۔

واللہ تعالیٰ اعلم!

یعقوب بن یوسف سے اسے امام حاکم نے روایت کیا ہے اور موصوف فیضی آگے چل کر امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سخت مخالف ذکر کریں گے، تو پھر ان کی بات سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟

پھر امام حاکم سے اس کو امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ سے زاہر بن طاہر نے روایت کیا ہے، زاہر بن طاہر الشحامی ابو القاسم اگرچہ صحیح السماع راوی ہیں لیکن ان پر فسق کی تہمت ہے، یہ نمازیں نہیں پڑھتے تھے اس وجہ سے کثیر ائمہ نے ان سے احادیث لینا ترک کر دی تھیں، البتہ خود انہوں نے یہ بیان کیا تھا کہ میرے ساتھ عذر ہے، ائمہ نے لکھا ہے ممکن ہے انہوں نے توبہ کر لی ہو، بالکل درست بات فرمائی کہ ایک مؤمن کے ساتھ یہی گمان رکھنا چاہیے۔ امام ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

زاہر بن طاہر. أبو القاسم الشحامی. مسند بنیساہور. صحیح السماع. لکنہ یخل

بالصلاة. فترك الرواية عنه غير واحد من الحفاظ تورعا. وكابرو وتجاسر آخرون

”زاہر بن طاہر ابو القاسم الشحامی مسند نیشاپور تھے، صحیح السماع تھے، لیکن نماز میں کوتاہی کرتے تھے، متعدد حفاظ نے تورعا ان سے حدیث لینا ترک کر دیا تھا، بعض دیگر نے مکابرہ کیا اور ان

سے روایت لینے کی جسارت کی۔“ (میزان الاعتدال) ج ۳ ص ۹۵ رقم ۲۸۲۴

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

”زاهر نے اس حوالے سے اصہبان میں اپنا عذر پیش کیا تھا، اور کہا تھا کہ میرے ساتھ عذر ہے، اور میں نمازوں کو جمع کرتا ہوں، اس بات کا احتمال ہے کہ ان کو قطروں کی بیماری ہو، ابن النجار فرماتے ہیں: یہ صدوق تھے، اور سمعانی سے ان کا نماز کا قصہ نقل کیا کہ یہ مختلف شہروں کی طرف سفر کرتے تھے تاکہ لوگ ان سے روایت کریں، جب انہوں نے اصہبان کی طرف کوچ کا ارادہ کیا تو ان کے بھائی نے مجھے بتایا کہ میں نے ان کو کہا تھا کہ اصہبان کی طرف نہ جانا، کیونکہ نماز چھوڑنے کی وجہ سے تم ان کے سامنے رسوا ہو جاؤ گے، لیکن یہ نہ مانے، اور معاملہ ایسا ہی ہوا جیسا ان کے بھائی نے کہا تھا، اور کثیر لوگوں نے ان سے روایت ترک کر دی، فرمایا: ممکن ہے انہوں نے توبہ کر لی ہو اور آخر عمر میں اس سے رجوع کر لیا ہو۔“

(لسان المیزان) ج ۳ ص ۴۹۰ رقم ۳۱۸۱

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ جو امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں شہنشاہ الحدیث ہیں، ان کی جلالت علمی یقیناً حیرت انگیز ہے لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ محدثین نے لکھا ہے کہ آپ اخیر عمر میں مختلط ہو گئے تھے، ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے اور حافظ صلاح الدین علائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب المختلطین میں آپ کو ذکر کیا ہے۔ (کتاب المختلطین) ص ۹ رقم ۶

آپ کا سن وفات سن ۲۳۸ھ ہے، جبکہ ابو الفضل یعقوب بن یوسف کا سن وفات ۲۷۷ھ ہے، یعنی انہوں نے کم از کم اپنے انتقال سے ۳۹ سال قبل امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے سماعت کی ہوگی، کل عمر ان کی تقریباً ساٹھ سال تھی، اس صورت میں جس وقت انہوں نے امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے سماعت کی اس وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ اکیس سال ہونی چاہیے، پھر انہوں نے اپنے شہر نیشاپور سے بغداد آکر امام اسحاق بن راہویہ سے سماعت کی ہے، اب یہاں اس بات کی صراحت بھی نہیں کہ انہوں نے قبل اختلاط اس بات کی سماعت کی یا بعد، عمر کے اعتبار سے قوی امکان اختلاط کے ایام میں سماعت کے ہیں۔

لہذا کئی اعتبار سے سند ایہ قول ہی مخدوش ہے۔

ثانیاً: علی سبیل التنزیل اگر اس قول کو تسلیم مان بھی لیں تو اس کے وہ معنی نہیں جو موصوف فیضی اخذ کرنا



چاہتے ہیں، محدثین جب لا یصح کہتے ہیں اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہو بلکہ موضوع تو درکنار حدیث ضعیف بھی ہو، لا یصح سے حدیث کے حسن ہونے کی بھی نفی نہیں ہوتی، اس پر اس مقام سے متعلق صریح جزئیہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کا ملاحظہ فرمائیں:

”بعض جاہل بول اٹھتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں، یہ ان کی نادانی ہے، علمائے محدثین اپنی اصطلاح پر کلام فرماتے ہیں، یہ بے سمجھے خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں، عزیز و مسلم کہ صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے، حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۴۷۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لا یلزم من کون الحدیث لم یصح أن یکون موضوعا

”حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ موضوع ہو۔“ (القول السد ص ۳۷)

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لا یلزم من عدم صحته ثبوت وضعه

”حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔“ (الأسرار المرفوعة ص ۴۷۴)

امام حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أكثر ما حکم علی هذا الحدیث أنه قال متن لیس بصحیح وهذا صادق بضعفه

(التعقبات علی الموضوعات ص ۲۹۳ رقم ۲۶۴)

امام نور الدین سمہودی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لا یلزم من قول أحمد فی حدیث التوسعة علی العیال یوم عاشوراء: لا یصح أن یکون باطلا، فقد یکون غیر صحیح وهو صالح للاحتجاج به، إذ الحسن رتبة بین الصحیح والضعیف

”یعنی امام احمد نے یوم عاشوراء کو اپنے عیال پر توسع کرنے والی حدیث کے بارے میں فرمایا: لا یصح، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث باطل ہو، حدیث کبھی غیر صحیح ہوتی ہے اور استدلال کے لائق ہوتی ہے، اس لیے کہ ”حسن“ صحیح اور ضعیف کے درمیان کا ایک رتبہ ہے۔“

(جواب العقد من فی فضل الشریفین ج ۲ ص ۱۲۶-۱۲۷)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”کہنا اس قدر ہے کہ جب صحیح اور موضوع کے درمیان اتنی منزلیں ہیں تو انکار صحت سے اثبات وضع ماننا زمین و آسمان کے قلابے ملانا ہے،...إلی آخر ما أفاد وأجاد۔“

(فتاویٰ رضویہ) ج ۵ ص ۱۱۰

حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولك أن تقول إن كان المراد من هذه العبارة أنه لم يصح منها شيء وفق شرط البخاري فأكثر الصحابة كذلك ولم يصح شيء منها.

”آپ کہہ سکتے ہیں اگر اس عبارت سے مراد یہ ہے کہ کوئی حدیث بخاری کی شرط پر صحیح نہیں ہے تو اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معاملہ اسی طرح ہے ان کے فضائل میں بھی کوئی حدیث اس شرط پر صحیح نہیں۔“

وان لم يعتبر ذلك القيد فلا يضر ذلك لما يأتي أن من فضائله ما حديثه حسن حتى عند الترمذي كما صرح به في جامعه، وستعلمه مما يأتي، والحديث الحسن لذاته كما هنا حجة إجماعاً بل الضعيف في المناقب حجة أيضاً

”اور اگر اس شرط کا اعتبار نہ کیا جائے تو بھی یہ مضر نہیں کیونکہ آگے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں حدیث حسن آرہی ہے جو امام ترمذی کے نزدیک بھی حسن ہے جیسا کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی جامع میں اس کی صراحت کی ہے، اور عنقریب آپ اس کو جان بھی لیں گے اور حدیث حسن لذاتہ بالا جماع یہاں حجت ہے، بلکہ مناقب میں تو ضعیف بھی حجت ہے۔“

(تطهير الجنان ص ۴۴ طبع دار الصحابة طنطا)

مثلاً: اور منزل کیجئے امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ثابت بھی ہو، اور اس سے مراد یہ ہو کہ اصلاً کوئی حدیث حتیٰ کہ ضعیف بھی فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نہیں ہے تو یہ صرف امام موصوف کی رائے قرار پائے گی، اصل اعتبار تو دلیل کا ہوگا بعض ائمہ محدثین نے امام اسحاق بن راہویہ کے اس قول کو رد کیا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ احادیث سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں موجود ہیں۔

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد

اصح ماروی کہہ کر اس کے رد کی طرف ہی اشارہ کیا ہے۔

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو امام جلال الدین سیوطی، حافظ طاہر گجراتی چٹنی، حافظ ابن عراق الکنتانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے الزیادات علی الموضوعات، مجمع بحار الانوار اور تنزیہ الشریعہ میں نقل کیا اور مقرر رکھا ہے۔ حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ما قبل میں گزر چکا۔

نیز شوکانی نے بھی الفوائد المجموعہ میں امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

”میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی کی سنن میں حدیث ہے جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے مناقب معروفہ کا ذکر ہے، تو اس کی طرف مراجعت کی جائے۔“ (الفوائد المجموعہ ص ۴۰۲)

رابعاً: ائمہ کی ایک تعداد نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں احادیث ذکر کیں اور اپنی کتب میں باب فضائل معاویہ، مناقب معاویہ، ذکر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باب باندھے اور اس کے تحت احادیث ذکر کیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فضائل الصحابة میں باب فضائل معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باندھا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب مناقب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باندھا ہے۔

امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری نے اپنی کتاب الشریعہ میں باب باندھا: کتاب فضائل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اس باب کے تحت آپ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں احادیث ذکر کی ہیں۔

امام نور الدین الحیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے غایۃ المقصد بزوائد مسند احمد میں باب مناقب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باندھا ہے۔

علامہ سید غلام رسول سعیدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”صحابہ کرام کے عمومی فضائل کے علاوہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت اور

خصوصیت پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں۔ پھر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا امیر

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کئی احادیث نقل فرمائیں۔“

(شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۷۹۲-۷۹۶ مطبوع فرید بک اسٹال)

اس کے علاوہ ائمہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پر مستقل کتب تحریر فرمائی ہیں۔  
لہذا امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے یہ استدلال کسی صورت درست نہیں کہ سیدنا  
معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں احادیث حسان بھی نہ ہوں۔

### امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول

ہم یہ تفصیل بیان کر چکے ہیں کہ کسی کے حق میں حدیث کے گھڑنے سے لازم نہیں آتا کہ اس کے حق  
میں اب کوئی حدیث صحیح، حسن، یا ضعیف ہو ہی نہ، ورنہ تو یہ عجب قاعدہ بن جائے گا کہ واضعین جس کے حق  
میں چاہیں حدیث گھڑ لیں نتیجہ یہ نکلے گا کہ جو احادیث اس ہستی کے بارے میں ثابت ہیں وہ رد کردی  
جائے۔ ولا یقول بذلك عاقل۔

ظہور احمد فیضی نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی زبردستی اپنی سوچ کا مقلد بنالیا حالانکہ  
امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں حدیث اپنی مسند میں بھی ذکر  
کی ہے اور کتاب فضائل الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھی ذکر کی ہے، نیز کتاب السنۃ للخلال میں امام ابن  
خلال رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد کے حوالے سے فضیلت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیث ذکر کی  
ہے، لیکن فیضی صاحب کا کہنا ہے کہ امام اسحاق بن راہویہ بھی اس کے قائل تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی  
اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث نہیں (اس کی تشریح ماقبل میں گزر چکی) اور فیضی کے بقول یہی  
رائے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھی تھی لیکن وہ احتیاط برتتے تھے، لیکن ایک سوال کے جواب میں مجبوراً ان  
کو کہنا پڑا کہ معاویہ کے فضائل علی کی دشمنی میں بنائے گئے ہیں۔

قلت: فیضی صاحب یہ امام احمد بن حنبل ہیں، فیضی نہیں ہیں، امام نے تو کوڑے کھانے برداشت  
کر لیے تھے لیکن حق بات سے سکوت نہیں کیا تھا، یہاں تو کوئی ایسی بات ہی نہیں تھی جس پر وہ خاموش  
رہتے۔

نیز امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا یہ معنی نکالنا کہ فضیلت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
میں کوئی حدیث ہے ہی نہیں یہ کم عقل کا کام ہے، اگر یہ معنی لے لیا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ  
عنہ کے لیے احادیث گھڑی گئی ہیں، لہذا کوئی بھی حدیث اصلاً ہے ہی نہیں تو پھر خود امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ  
جانتے بوجھتے اپنی مسند و فضائل الصحابہ میں موضوع من گھڑت احادیث روایت کرنے والے قرار پائیں

گے، اور پھر اس سے یہ قاعدہ ہر ایک کے حق میں ماننا ہوگا کہ جس کے حق میں بھی احادیث گھڑ لی گئیں اب جو احادیث اس کے حق میں آئیں گی سب موضوع قرار پائیں گی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے بھی یہ معنی ہرگز نہیں ہے بلکہ یہاں صحت اصطلاحی مراد ہے جس سے حسن کی نفی بھی لازم نہیں آتی کما مر۔

موصوف نے اس کے بعد چند نام ذکر کیے ہیں کہ ان علما نے امام اسحاق بن راہویہ کے قول کو تائیداً ذکر کیا ہے۔ اگرچہ ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ لایصح کا معنی کیا ہے اور اس سے تو حدیث حسن کی نفی بھی لازم نہیں آتی چہ جائیکہ یہ کہا جائے کہ ضعیف حدیث بھی فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نہیں۔ جن ائمہ نے امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو ذکر کیا ہے ان کی مراد بھی یہی ہے کہ حدیث صحیح نہیں ورنہ ان میں اکثر حدیث حسن ہونے کے قائل ہیں۔

لیکن آئیں آپ کو صاحب الاحادیث الموضوعات ظہور احمد فیضی کا طرفہ تماشہ دکھاتے ہیں کہ بغض سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسا سرچڑھ کر بول رہا ہے کہ ایک طرف خود کو معلوم ہی نہیں ہوتا کیا لکھ رہے ہیں تو دوسری طرف بازار خیانت گرم کیا ہوا ہے۔

موصوف نے ہیڈنگ لگائی ہے ”قول ابن راہویہ کے مؤیدین“۔ پہلا نام ابوالحسن مبارک طیوری حنبلی کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا: یہ خطیب بغدادی کے شاگرد اور امام ابن الجوزی کے استاذ الاساتذہ ہیں، ان کی وفات ۵۰۰ھ میں ہوئی تھی۔ ان کے شاگرد شیخ ابواحمد بن محمد اصہبانی سلفی متوفی ۵۷۵ھ نے ان کے کلام کو مختلف کتب سے منتخب کر کے الطیوریات کے نام سے ایک مجموعہ تیار کیا۔ اس مجموعہ میں وہ امام احمد بن حنبل کا وہ کلام لائے ہیں جو ہم اس سے قبل امام ابن الجوزی کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں کہ معاویہ کو لوگوں نے سیدنا علی المرتضیٰ کی دشمنی میں چڑھایا ہے۔“

سبحان اللہ! مؤید ذکر کر رہے تھے امام اسحق بن راہویہ کا اور لکھ رہے ہیں انہوں نے امام احمد بن حنبل کا قول ذکر کیا ہے، کہاں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اور کہاں امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول! صفحات پر صفحات کالے کرتے جائیں چاہے اپنا لکھا خود نہ سمجھیں۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ دونوں قول آپ کے لیے مفید نہیں جیسا کہ مفصلاً گزر چکا۔

دوسرا مؤید ابن قیم کو ذکر کیا ہے، اور اس کے حوالے سے لکھا:

”علامہ ابن قیم مطلقاً احادیث موضوعہ کی علامت میں لکھتے ہیں:

ومن ذلك ما وضعه بعض جهلة أهل السنة في فضائل معاوية ابن أبي سفيان. قال إسحاق بن راهوية: لا يصح في فضائل معاوية بن أبي سفيان عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم شيء

”اور انہیں میں سے وہ احادیث ہیں جو بعض جاہل سنیوں نے فضائل معاویہ میں بنائی ہیں، امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فضیلت معاویہ بن ابی سفیان میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی صحیح چیز ثابت نہیں۔“

اقول: یہ علامہ آپ ہی کو مبارک ہو، اس کی تائید سے ہمیں کوئی غرض نہیں،

ثانیاً: آپ کے اس علامہ کے قول کا معنی بھی وہی بنے گا جو ماقبل میں بیان ہو چکا کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصلاً کوئی حدیث چاہے درجہ حسن کی ہو موجود ہی نہیں۔

ثالثاً: آپ کے اس علامہ صاحب نے آپ کی ذکر کردہ عبارت کے بعد یہ بھی تو لکھا ہے:

قلت ومراودة ومراود من قال ذلك من أهل الحديث أنه لم يصح حديث في مناقبه بخصوصه وإلا فما صح عندهم في مناقب الصحابة على العموم ومناقب قریش فمعاوية رضي الله تعالى عنه داخل فيه

”میں کہتا ہوں، امام اسحاق بن راہویہ کی مراد اور محدثین میں جس نے یہ بات کہی ہے ان کی مراد خصوصیت کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں حدیث کا صحیح نہ ہونا ہے، ورنہ محدثین کے نزدیک جو احادیث علی العموم مناقب صحابہ اور قریش کے مناقب میں بالعموم صحیح ثابت ہیں ان میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی داخل ہیں۔“

(المنار المنيف) ص ۱۱۶ فصل ۳۵

اس کو عوام کے سامنے ذکر نہ کرنے کی وجہ؟

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید

مؤیدین میں سے تیسرا نام لیا ہے امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہ انہوں نے سیر اعلام النبلاء میں امام اسحاق بن راہویہ کے قول کو نقل کرنے کے بعد مقرر رکھا ہے۔

اقول: اولاً: اسی سیر اعلام النبلاء میں جہاں سے موصوف امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ذکر کر رہے ہیں، امام ذہبی فرماتے ہیں:

ویروی فی فضائل معاویۃ اشیاء ضعیفۃ تحتمل.

”حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں معمولی ضعف پر مشتمل احادیث مروی

ہیں۔“ (سیر اعلام النبلاء) ج ۳ ص ۱۳۱

اس سے قبل کچھ احادیث طیبہ نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

فهذه أحادیث مقاربة.

”یہ احادیث صحت کے قریب قریب ہیں۔“ (سیر اعلام النبلاء) ج ۳ ص ۱۲۷

(اللهم علم معاویۃ الكتاب والحساب وقره العذاب) حدیث نقل کرنے کے بعد امام ذہبی

رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”وللحدیث شاهد قوی اس کا ایک قوی شاہد موجود ہے“ پھر اس کا شاہد

ذکر کیا۔ (سیر اعلام النبلاء) ج ۳ ص ۱۲۴

مزید یہ کہ ترمذی کی حدیث اللهم اجعله هادياً مهدياً واهديه نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

حسنه الترمذی اور اسے برقرار رکھتے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء) ج ۳ ص ۱۲۵

اس سے امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف تو واضح ہو گیا۔

ثانیاً: امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا معنی اور بھی منہج ہو گیا کہ اگر یہ ان سے ثابت بھی

ہے تو اس میں نفی فقط صحت کی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید

موصوف نے علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی مؤیدین میں سے ذکر کیا ہے، لیکن

مت ماری گئی ہے خود ہی آگے ابن عراق الکفانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ

تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”معاویہ کی شان میں کسی حد تک تین احادیث قابل قبول ہو سکتی ہیں۔“

تو جناب پھر علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ مؤیدین میں سے کہاں ہوئے؟

ثانیاً: یہاں بھی فیضی نے ڈنڈی ماری ہے۔ ترجمہ کیا ہے قابل قبول ہو سکتی ہیں، جبکہ تنزیہ الشریعہ میں

الفاظ ”أصح ما ورد فی فضل معاویۃ“ اور یہی الفاظ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے الزیادات میں ہیں۔

اولی، ثانیہ کے طالب علم سے اس صحیح کا ترجمہ معلوم کر لیجیے گا۔

ثالثاً: علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ خود اس قول کے قائل ہیں کہ ”لا یصح“ کا معنی موضوع نہیں ہوا کہ:

کما تقدم لهذا آپ کیسے مراد لیں گے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مراد موضوع لیا ہے؟

رابعاً: علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جامع الاحادیث اور تاریخ الخلفاء میں حدیث ”اللہم اجعلہ

ہادیا مہدیا“ کو ذکر کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحسین کو نقل کر کے برقرار رکھا ہے۔ سیاتی

تخریجہ۔

### حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ پر فیضی کا غضب معکوس

حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفاع اور فضائل میں

کتاب لکھی ہے، اس لیے ان لوگوں کو ان سے بہت تکلیف رہتی ہے، آپ نے اپنی کتاب الصواعق المحرقة

میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا اور دوسری کتاب میں حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے فضائل بیان کیے ہیں، یہاں موصوف کا علامہ ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ پر جلال دیکھیں آگے بھی ان پر سخت

غضب فرماتے رہیں گے، لکھتے ہیں:

”یہ بھی طرفہ تماشہ ہے کہ علامہ ابن حجر مکی اس قول سے باخبر ہونے اور اسے نقل کرنے کے

باوجود اس کے خلاف کی طرف مائل ہو گئے، انہوں نے اپنی کتاب تطہیر الجنان میں کھلم کھلا

موضوع روایات کو فضائل معاویہ میں درج کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس لیے کوئی تعجب کی

بات نہیں کہ انہوں نے یہ کتاب ایک بادشاہ کی فرمائش کی تعمیل میں لکھی تھی، ظاہر ہے کہ جس

شخص کی شان میں کوئی ایک حدیث نہ ہو اور پھر اس کی شان میں شاہی فرمان کی تعمیل میں کوئی

کتاب تیار کرنی پڑ جائے تو رطب و یابس کے سوا کیا رہ جاتا ہے؟ ان شاء اللہ عزوجل آئندہ

صفحات میں علامہ ابن حجر مکی کے اس کام پر مختصر تبصرہ پیش کیا جائے گا۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۴۰)

یہ کلام ہے اس شخص کا جو مناظرہ کے دوران کہتا ہے: ”میں ایسی باتیں کتاب میں شامل نہیں کرنا چاہتا

تھا، لیکن اپنے ادارے کے سربراہ کا نام لے کر کہتا ہے اس کے کہنے پر میں نے شامل کیا ہے“ ظاہر ہے

سربراہ نے کہا ہے پیٹ کا سوال ہے شامل تو کرنا ہی پڑے گا۔



ثانیاً: موصوف خود امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو سمجھ نہیں سکے، اور تعجب کا اظہار حافظ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ پر کر رہے ہیں، یا حضرت! اگر تعجب کرنا ہی ہے تو خود امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ پر کریں جنہوں نے آپ کے مطابق اپنے قول سے یہ مراد لیا ہے کہ فضائل سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی حدیث ثابت ہی نہیں پھر اپنی مسند اور دیگر کتب میں شان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیث روایت بھی کر رہے ہیں۔

ثالثاً: آپ تو مؤیدین ذکر کر رہے ہیں حضرت امام اسحاق بن راہویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، اور حافظ ابن حجر بیہمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول کر رہے ہیں! طبیعت ٹھیک ہے نا؟  
حافظ ابن عراق الکفانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید

اس کے بعد مؤیدین میں سے علامہ ابن عراق الکفانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام لکھا، لیکن خود ہی آگے لکھ دیا کہ انہوں علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے تین احادیث کا قابل قبول ہونا لکھا ہے۔۔۔ الخ تو جناب یہ مؤیدین میں سے کہاں ہو گئے۔

### امام بخاری پر جلال

موصوف کو بہت تکلیف ہوئی ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیوں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ”إنہ فقیہ“ ذکر کیا، اس پر سب سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیا لکھتے ملاحظہ فرمائیں:

”اس سلسلے میں اصل بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انتہائی تکلف سے کام لیا ہے اور معاویہ کی شہرت سے مرعوب ہو کر کسی نہ کسی طرح ان کا ذکر اپنی صحیح میں داخل کرنا ضروری سمجھا ہے، ورنہ وہ بہت سے ایسے صحابہ کرام علیم الرضوان کے فضائل کو بخاری میں نہیں لائے جن کے فضائل میں واضح طور احادیث نبویہ آئی ہیں۔“

پہلے امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ پر تعریض کہ وہ دھوکہ کھا گئے، پھر جامع ترمذی میں باطل حدیث در آئی اور اب امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی گئے، امام بخاری بھی دکلائے معاویہ میں شامل ہو گئے۔ آگے چل کر موصوف کا امام بخاری پر مزید جلال ملاحظہ فرمائیے گا! جب صحیحین کا ہی یہ حال ہو گیا تو دیگر کتب کا کیا پوچھنا! یا اللعجب۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول پر کیا لکھا اور اس پر موصوف کو کیسا غصہ آیا ہے انہی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں: ”در اصل امام بخاری کا مقصود اس باب کے قیام سے دفاع معاویہ ہے نہ کہ شان معاویہ، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: لکن ہدقیق نظرہ استنبط ما یدفع بہ رؤوس الروافض لیکن انہوں نے اپنی باریک بینی سے وہ استنباط کیا ہے جس سے روافض کے سرغنوں کا دفاع ہو جائے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۳۳) جی ہاں، امام بخاری کی باریک بینی قابل داد ہے، کیوں نہیں معاویہ کی افراط و تفریط کے تذکرے کا رفض سے تعلق بنتا ہے، کیونکہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاویہ کو فسق و بطلان پر کہا تو وہ رافضی توں ہوں گے نا؟ سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گروہ معاویہ کو ضلالت پر کہا تو وہ کیوں نہ رافضی ہوں؟ امام اعظم ابو حنیفہ، امام محمد بن حسن شیبانی اور مذاہب اربعہ کے فقہاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے معاویہ کو قاتل، باغی، طاغی، بدعتی، جار، ظالم اور متعدی کہا ہے تو وہ سب بھی کیوں نہ رافضی ہوں؟ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی معاویہ کو باغی سمجھ کر اس سے جنگ کی تھی تو وہ بھی اندر سے رافضی ہوں گے نا؟ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس پورے گروہ کو باغی اور آگ کی طرف داعی فرمایا تھا تو معاذ اللہ آپ پر بھی یہ حکم لگا دیتے نا! لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ میں کہتا ہوں کہ کسی کو سمجھ آئے یا نہ آئے اور کوئی مانے یا نہ مانے لیکن حق اور حقیقت یہ ہے کہ معاویہ کی بغاوت، خروج، فساد، ضلالت اور کتاب و سنت سے روگردانی کے تذکروں کا تعلق رفض سے نہیں، بلکہ حق و باطل، ہدایت و ضلالت اور صواب و خطا کے اظہار سے ہے، رفض صرف اور صرف شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیزاری کو کہا جاتا ہے۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۴۶)

اقول وباللہ التوفیق! ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین اور اسلاف کرام نے کیا لکھا ہے اس حوالے سے کئی اقوال پیچھے ذکر کیے جا چکے نیز ائمہ کے حوالے سے باغی و جار وغیرہ کا معنی بھی بیان کر چکے، بدعتی کہنے کے لیے آپ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں تحریف کرتے ہوئے بددیانتی کی تاریخ رقم کی ہے وہ بھی بیان کی جائے گی۔ فی الوقت اپنے بارے میں ائمہ کا حکم ملاحظہ فرمائیں، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب شتم کرنا رفض ہی ہے، متاخرین کے نزدیک رفض و تشیع ایک ہی بات ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: وأما التشيع في عرف المتأخرين فهو الرفض المحض تشيع متأخرين کے عرف میں رفض ہی کا نام ہے۔

(تہذیب التہذیب) ج ۱ ص ۱۴۹ رقم ۱۴۶ ترجمہ أبان بن تغلب

اور متقدمین میں بھی سب صحابہ رضی اللہ عنہم کی علامت تھی: امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ومن الحجة الواضحة الثابتة البينة المعروفة ذكر محاسن أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كلهم أجمعين، والكف عن الذي جرى بينهم، فمن سب أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم أو واحداً منهم فهو مبتدع رافضي، حبه سنّة، والدعاء لهم قرينة، والاقتداء بهم وسيلة، والأخذ بأثارهم فضيلة.

”معروف واضح ثابت روشن معروف حجت میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب کی خوبیوں کو بیان کیا جائے، ان کے مابین جو معاملات پیش آئے اس سے کف لسان کیا جائے، تو جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو یا ان میں سے کسی ایک کو برا بھلا کہے وہ بدعتی، رافضی ہے، صحابہ کی محبت سنت، ان کے لیے دعا عبادت، ان کی پیروی ذریعہ، اور ان کے طریقہ کار کو اختیار کرنا فضیلت ہے۔“

(طبقات الحنابلة) ج ۱ ص ۳۰

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کسی صحابی کو برا کہنا رفض ہے۔ (فتاویٰ رضویہ) ج ۲۳ ص ۵۰۸

### جہالت کی انتہاء

موصوف نے اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرتے ہوئے لکھا:

”بلاشبہ کسی انسان کا فقیہ ہونا فضیلت کی بات ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ باعقیدہ اور باعمل ہو، اگر کوئی فقیہ انعام یافتہ ہستیوں سے بغض رکھتا ہو تو ایسی فقاہت کس کام کی؟ یاد رکھئے! اس امت کا سب بڑا بد بخت عبدالرحمان بن ملجم بھی فقیہ تھا اور اسی نے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا

تھا، اس کی فقاہت کے گواہ خلیفہ ثالث سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

(الاحادیث الموضعات ص ۴۲)

یعنی ایک صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ بھی درست نہیں تھا! جہاں تک رہا بغض رکھنا تو یہ آپ جیسی گھٹیا سوچ رکھنے والے افراد کا نظریہ ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تمام رزائل سے پاک ہیں، ان کا رب عزوجل ان کے بارے میں فرماتا ہے: رحماء بینهم رب کی گواہی یہ ہے، اور آپ کا کہنا یہ ہے، کیا آپ کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق آپ پر یہی حکم لگا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کر رہے ہیں؟ آگے ہم آپ ہی کے الفاظ ذکر کریں گے حضرت ابو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت رکھتے تھے۔

موصوف فیضی کے شیخ الشیخ مشہور صوفی بزرگ خواجہ غلام فرید چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ (کوٹ مٹھن) لکھتے ہیں ”صحابہ کرام کے درمیان میں جو مشاجرات، مخالفت اور مجادلت ہوئی، یہ اجتہاد کی وجہ سے تھی، نہ کہ بغض و عداوت، حسد، کینہ اور دشمنی کی وجہ سے، اگرچہ لوگوں نے ایک کو برحق اور دوسرے کو مظلوم سمجھا تھا لیکن چونکہ دونوں کی غرض اظہار حق تھی اس لیے جو حق پر تھا اس کو ثواب کے دو حصے ملیں گے، اور جو حق پر نہ تھا اس کو ثواب میں ایک حصہ ملے گا۔“

(مقائیس المجالس مترجم صفحہ ۸۲۹)

### قابل غور عقیدہ

پھر ابن ماجہ جیسے شقی الناس کو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثل قرار دینا خود شقاوت ہے اور اسی شقاوت کے جنون میں موصوف نے اپنا عقیدہ بھی یوں ظاہر کیا کہ ”سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ ثالث قرار دے دیا۔“

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد صحابی تھے، اگر کوئی اور فضیلت آپ کی بالفرض نہ بھی ہوتی تو آپ کا صحابی ہونا ہی وہ شرف ہے کہ غیر صحابی آپ کے مثل نہیں ہو سکتا، اور آپ ابن ماجہ جیسے شقی کو ایک مجتہد صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا رہے ہیں۔

موصوف کے نزدیک یہ بات انتہائی نامناسب ہے کہ کسی عظیم تر ہستی کا تقابل عظیم ہستی سے بھی کیا جائے، ایک معاصر عالم نے ایک مسئلہ میں حضرت مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی فضیلت کے

حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بھی پیش کی تو اس پر موصوف لکھتے ہیں: ”صاحب ضرب حیدری کس سطح پر اتر آئے ہیں کہ باب مدینۃ العلم اور باب دار الحکمتہ کا تقابل متاخرین صحابہ اور سید علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ کے ساتھ کرنے بیٹھ گئے، کیا کوئی حنفی شخص اس بات پر راضی ہوگا، کہ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہما کے مابین تقابل کیا جائے؟“

(شرح اسنی الطالب ص ۵۰۵)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ باب مدینۃ العلم ولی کل مؤمن محبوب خدا اور رسول حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا مقام و مرتبہ اس قدر بلند و بالا ہے جس تک ہم جیسوں کی عقل و فہم کی رسائی نہیں، اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا عشرہ مبشرہ میں بھی خلفائے ثلاثہ کے بعد سب سے افضل آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں، ان سے تقابل ہو ہی نہیں سکتا۔

لیکن فیضی صاحب کیا آپ کو حیا، نہیں آئی آپ ایک صحابی رسول، ام المؤمنین کے بھائی، جن کے لیے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی، ان کی فقاہت کو آپ ایک شقی سے تشبیہ دے رہے ہیں۔

### جہالت یا خیانت

پھر موصوف کی حرکت ملاحظہ فرمائیں جو بات صحیح سند سے ثابت ہے اسے تو نہیں ماننا البتہ منکر مردود روایت سے تنقیص بھی ملے تو سر آنکھوں پر، لکھتے ہیں: ”اس مقام پر بلا تبصرہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی سلسلہ وتر میں ایک اور روایت بھی سن لیجئے۔ امام طحاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکمل سند کے ساتھ لکھتے ہیں: عکرمہ کہتے ہیں: میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ معاویہ کے پاس تھا کہ رات کا ایک حصہ گزر جانے کے بعد معاویہ اٹھے اور ایک رکعت وتر پڑھی۔ اس پر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا: من أين تری أخذها الحمار؟ یہ اس حمار نے کہاں سے لے لی؟“ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۳)

تبصرہ کیوں کریں گے؟ کیونکہ سند ہی ضعیف ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اولاً سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ”معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درست کیا“ ذکر فرمایا، پھر اس روایت کو ذکر کیا۔

یہ روایت سخت ضعیف منکر و مردود ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اجلہ تلامذہ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں اور سب نے تعریفی کلمات نقل کیے ہیں، کسی میں ہے، فقیہ، کسی میں ہے اصاب، کسی ہے

میں ہے دعوہ فائدہ صحب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان تمام روایتوں کے مقابل یہ منکر روایت ہے جس کا فیضی صاحب بڑی رغبت کے ساتھ قبول کر رہے ہیں۔

### علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں خیانت

موصوف نے علامہ طاہر پٹنی گجراتی رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی مؤیدین میں ذکر کیا اور لکھا:

”علامہ موصوف لکھتے ہیں: لا یصح مرفوعا فی فضائل معاویۃ شیء فضیلت معاویہ میں

کوئی صحیح مرفوع چیز نہیں ہے۔ (مجمع بحار الانوار ج ۵ ص ۲۲۱)

یہاں موصوف نے پھر خیانت سے کام لیا ہے، دیکھیں علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کہ

ارشاد فرما رہے ہیں:

وأصح ما روى فيه ح مسلم أنه كاتبه، ثم ح: اللهم! علمه الكتاب، ثم ح: اللهم

اجعله هاديًا مهديًا (مجمع بحار الانوار ج ۵ ص ۲۲۱)

”سب سے صحیح روایت جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں مروی ہے مسلم کی

حدیث ہے کہ آپ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب تھے، پھر حدیث ”اے اللہ

اس اے کتاب کا علم سکھا“ ہے، پھر حدیث ”اے اللہ اسے ہادی مہدی بنا“ ہے۔“

اسی طرح علامہ طاہر پٹنی گجراتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی دوسری کتاب تذکرۃ الموضوعات میں بھی یہی

بات لکھی ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۱۰۱)

اب ان سے پوچھا جائے کہ آپ نے ڈنڈی کیوں ماری؟

علامہ کورانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا انہوں نے لکھا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقیہ والی

بات تقیہ کے طور پر کہی تھی کیونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم

ساتھیوں اور وزیر و مشیر تھے۔

اقول: علامہ کورانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول خود باطل ہے، شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان والے

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو کئی مقام پر تنبیہات

کی ہیں پھر آپ خود معافی الآثار کی منکر روایت پیش کر رہے ہیں جس میں آپ کے بقول حمار کہا گیا ہے۔ تو

پھر یہ تقیہ کہاں گیا؟

## حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید

موصوف لکھتے ہیں:

”ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بعینہ علامہ ابن قیم جوزیہ ضہلی کی طرح لکھا ہے۔ نیز ملا علی قاری نے مرقاۃ میں امیر شام کو محرف، باغی، طاغی، اور تارک کتاب و سنت قرار دیا ہے۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۴۴)

اقول وباللہ التوفیق! اولاً: ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ تو اس بات کے قائل ہیں کہ لا یصح کا معنی یہ نہیں ہوتا کہ اصلاً یہ حدیث ثابت نہیں تو پھر ان کے اس قول سے کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے۔؟

ثانیاً: ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث اللہم اجعلہ ہادیامہدیاً کو مرقاۃ میں نا صرف برقرار رکھا ہے بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ اس دعا کے قبول ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

باقی ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں اس پر ان کے دو قول پیچھے بیان ہوئے مزید آخر میں جہاں موصوف نے ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت نقل کی ہے وہیں اس بات کو ہم بیان کریں گے کہ موصوف نے سیاق و سباق سے ہٹ کر کس طرح ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت پیش کر کے عوام الناس کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔

## شیخ محقق شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید

ظہور احمد فیضی نے شیخ محقق کے حوالے سے محدثین کا یہ قول نقل کیا کہ ”سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں۔“

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حوالے سے علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حوالہ دیا ہے اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف آپ پڑھ چکے ہیں۔ لہذا معنی واضح ہے کہ صحت اصطلاحی حاصل نہیں، نیز ان شاء اللہ عزوجل آگے حدیث ”اللہم اجعلہ ہادیامہدیاً“ کے تحت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح آتی ہے۔ اس کے بعد موصوف نے دیوبندیوں اور غیر مقلدین کے اقوال ذکر کیے ہیں، یہ انہیں کو مبارک ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہم ان کی خواہ مخواہ وضاحت کرتے پھریں۔

البتہ موصوف شوکانی کے حوالے سے یہاں بھی ڈنڈی مار گئے۔ کیونکہ شوکانی نے امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے:

قلت: قد ذکر الترمذی فی الباب الذی ذکرہ فی مناقب معاویۃ من سننہ ما هو

معروف فلیراجع

”میں کہتا ہوں امام ترمذی نے اپنی سنن میں سیدنا معاویہ کے مناقب کے باب میں حدیث

ذکر کی ہے جو معروف ہے تو اس کی طرف مراجعت کرو“۔ (الفوائد المجموعۃ) (۴۰۷)

فکر اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا۔

موصوف کا بغض معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس زمانے میں اس عروج پر ہے کہ سادات کی تنقیص ہو، یا حرف سیدنا مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات پر آتا ہو، یا حدیث میں تحریف کرنا پڑے یہ صاحب کر گزریں گے، بس کسی طرح تنقیص ثابت ہو، یہاں سارا زور اس پر لگایا کہ کوئی حدیث ثابت ہی نہیں، اپنی کتاب میں شرح اسنی المطالب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اشارت طرز کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”جبکہ بعض لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مملکت کے ملنے کی پیش گوئی فرمائی تو ان سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ وہ عرض کرتے یا رسول اللہ: دعا فرما دیجئے! میں اس ذمہ داری (سے) عہدہ برآ ہوسکوں۔ فکر اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا! (شرح اسنی المطالب ص ۵۱۶)

واقعی فکر اپنی اپنی، نصیب اپنا اپنا، ایک صحابی کے بارے میں بدگمانی، طعن و تشنیع کرنا، اور ان پر طعن کرنا آپ کے نزدیک بڑی اعلیٰ فکر اور آپ کا اچھا نصیب ہے، یہ فکر و نصیب آپ کو بہت مبارک ہو۔ ویسے موصوف، حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے یہ طعن کر رہے ہیں، اور خود اسی کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں: ”آخر میں راقم الحروف کی گزارش ہے کہ فضائل بیان کرنے کے لیے ہوتے ہیں، تنازع کے لیے نہیں، لہذا جس بلند مرتبہ ہستی کے فضائل بیان کرنا ہو، بلا تقابل اس کے فضائل بیان کر دیے جائیں اور کسی دوسری ہستی پر تعریض وغیرہ سے کلیۃً اجتناب کیا جائے۔

(شرح اسنی المطالب ص ۳۶)

واقعی فکر اپنی اپنی، نصیب اپنا اپنا!

موصوف کی زندگی کا مقصد ایک ہی ہے، کہ اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کے پردے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مرتبے کو کم سے کم ظاہر کیا جائے، بالخصوص سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تو جہاں طعن کا موقع ملتا ہے یا نہیں بھی ملتا تو نکال کر کسی نے کسی طرح ان کی شان میں گستاخی کرنے



سے بعض نہیں آتے، جہاں کوئی قول ملے چاہے کسی درجے کا ہو بلا جھجک بلا تامل اسے نقل کر دینا ان کے لیے کوئی مسئلہ ہی نہیں، اسی اثنا میں موصوف کو علامہ بلاذری کی کتاب سے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک قول مل گیا جسے سوچے سمجھے بغیر نقل کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول

پہلے ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

”امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تائید درج ذیل قول سے بھی ہوتی ہے علامہ بلاذری لکھتے ہیں:

حدثني الحسن بن علي بن الأسود عن يحيى عن عبد الله بن المبارك قال: ها هنا قوم يسألون عن فضائل معاوية. وبحسب معاوية أن يترك كفافاً

”مجھے حسین بن علی بن اسود نے بیان کیا، انہوں نے یحییٰ سے روایت کیا، انہوں نے امام عبد اللہ بن المبارک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: یہاں ایک قوم ہے جو فضائل معاویہ کے متعلق سوال کرتی ہے حالانکہ معاویہ کے لیے اتنا کافی ہے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۵۰)

ہم عرض کر چکے ہیں کہ صاحب الاحادیث الموضوعات کو جو قول جہاں سے جیسے ملے اس کی کوئی تحقیق کی حاجت نہیں، ان کے یہاں معیار قبول یہ ہے کہ بس سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص میں وہ قول ہونا چاہیے، حالانکہ یہ قول سنداً بھی باطل ہے اور درایتاً بھی۔

اس میں راوی ہے: الحسین بن علی بن الاسود العجلی۔ یہ سخت متکلم فیہ راوی ہے، امام احمد نے فرمایا: لا أعرفہ، میں اس کو نہیں جانتا ابن عدی کہتے ہیں: یسرق الحدیث وأحادیثہ لا یتابع علیہا حدیث کا فرق کرتا ہے اور اس کی احادیث پر اس کی متابعت نہیں کی جاتی، ازدی نے کہا: ضعیف جداً یتکلمون فی حدیثہ سخت ضعیف ہے اور محدثین نے اس کی حدیث میں کلام کیا ہے البتہ ابن ابی حاتم رازی نے فرمایا: صدوق سچا ہے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے لیکن ساتھ لکھا ہے: ربما أخطأ بسا اوقات خطا کرتا ہے۔ (المخرج والتعديل) ج ۳ ص ۴۷: رقم ۲۵۶ (الکامل فی ضعفاء الرجال) ج ۴ ص ۳۵: رقم ۱۹۸ (تاریخ بغداد) ج ۲ ص

۱۹۸: رقم ۱۱۱۱ (الضعفاء والمتروکین) لابن الجوزی ج ۱ ص ۲۱۵: رقم ۸۹۹

خود موصوف نے اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۸ پر سارق الحدیث کو جرح شدید کے الفاظ میں شمار کیا ہے اب یہ ان کی قسمت ہے کہ مجروح مخدوش اقوال سے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کی جرأت کر رہے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں اگر احادیث نہ بھی ہوتیں تو ان کا صحابی ہونا، ان کا کاتب وحی ہونا، ان کا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صہر سے ہونا ہی ان کی فضیلت کے لیے کافی ہے۔ لہذا اس قول کا درایتاً باطل ہونا بھی واضح ہے۔

### امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ

امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ معروف ہے کہ ملک شام میں جب آپ نے مولائے کائنات مولا مشکل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل پر کتاب تحریر فرمائی تو لوگوں نے آپ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پر حدیث بیان کرنے کی گزارش کی اس پر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے یہی کافی نہیں کہ وہ برابر چھوٹ جائیں چہ جائیکہ ان کی فضیلت بیان کی جائے۔

اس پر موصوف لکھتے ہیں:

”ان سب کتابوں میں یہ بات مشترک ہے کہ فضائل معاویہ میں حدیث پیش کرنے سے قاصر رہنے پر امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو شہید کر دیا گیا۔ اس مقام پر یہ ناچیز آپ کو اللہ عزوجل کا واسطہ دے کر پوچھتا ہے کہ بتلایئے! اگر اتنے بڑے محدث کے پاس شان معاویہ میں کوئی حدیث ہوتی اگرچہ ضعیف ہی سہی تو وہ موت سے بچنے کی خاطر اس حدیث کو پیش کرنے سے کیوں دریغ کرتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے نقاد محدث کے نزدیک زبان زد عام حدیث ”اللہم اجعلہ ہادیا مہدیا“ بھی قابل ذکر نہیں تھی، ورنہ وہ یہی سنا کر جان چھڑا لیتے۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۵۱)

امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے واقعہ سے کہاں ثابت ہوتا ہے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں اصلاً کوئی حدیث ہی نہیں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ایک محدث کے علم میں حدیث نہیں ہوتی جبکہ دوسرے محدثین اس حدیث کو جانتے ہیں اور روایت کرتے ہیں، یہ بات خادم علم حدیث پر مخفی نہیں ہوتی۔

بلکہ بعض اوقات اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر حدیث مخفی رہتی ہے لیکن دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان اس حدیث کو جانتے ہیں۔ ہم کچھ مسئلہ یہاں پیش کرتے ہیں:

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مانعین زکوٰۃ کے بارے میں اختلاف ہوا کہ ان سے قتال ہوگا یا نہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ زکوٰۃ پر نماز کو کیسے قیاس کریں گے، یعنی نماز نہ پڑھنے پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قتال کا فرمایا تھا، آپ زکوٰۃ کو نماز پر قیاس کر رہے ہیں، اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے، اور زکوٰۃ مال کا حق ہے جو مجھے بکری کا وہ بچہ دینے سے رکے گا جو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیتا تھا میں اس سے قتال کروں گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیش نظر حدیث میں زکوٰۃ کا تذکرہ نہیں تھا، جبکہ سیدنا ابن عمر اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث میں خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زکوٰۃ کا ذکر فرمایا ہے۔

اس پر بعض نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس حدیث کے صحیح ہونے کو مستبعد قرار دیا کیونکہ اگر یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ہوتی تو اپنے والد حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مانعین زکوٰۃ سے قتال پر بحث سے روکتے کہ زکوٰۃ نہ دینے پر قتال کا فیصلہ تو خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں، فرماتے ہیں:

وقد استبعد قوم صحتہ بأن الحدیث لو کان عند ابن عمر لما ترك أباه ينازع أبابكر في قتال مانعي الزكاة، ولو كانوا يعرفونه لما كان أبو بكر يقرر عمر على الاستدلال بقوله عليه الصلاة والسلام ((أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله)) وينتقل عن الاستدلال بهذا النص إلى القياس، إذ قال: لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة لأنها قرينتها في كتاب الله، والجواب: أنه لا يلزم من كون الحديث المذکور عند ابن عمر أن يكون استحضرة في تلك الحالة، ولو كان مستحضراً له فقد يحتمل أن لا يكون حضر المناظرة المذكورة، ولا يمتنع أن يكون ذكره لهما بعد،

ولم يستدل أبو بكر في قتال مانعي الزكاة بالقياس فقط. بل أخذها أيضا من قوله عليه الصلاة والسلام في الحديث الذي رواه إلا بحق الإسلام. قال أبو بكر: والزكاة حق الإسلام

ولم ينفرد ابن عمر بالحديث المذكور. بل رواه أبو هريرة أيضا بزيادة الصلاة والزكاة فيه. كما سيأتي الكلام عليه إن شاء الله تعالى في كتاب الزكاة. وفي القصة دليل على أن السنة قد تخفى على بعض أكابر الصحابة ويطلع عليها آحادهم.

”ایک قوم نے اس حدیث کے صحیح ہونے کو مستبعد جانا ہے، اس لیے کہ اگر یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ہوتی تو وہ اپنے والد کو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مانعین زکاة سے قتال کے بارے میں مباحثہ کرنے سے روکتے، اگر وہ لوگ اس حدیث کو جانتے تو حضرت ابو بکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قول مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ کہہ لیں لا الہ الا اللہ سے استدلال پر باقی نہ رکھتے اور اس نص سے استدلال کی بجائے قیاس کی طرف نہ جاتے، اس لیے کہ آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ میں اس سے قتال کروں گا جو نماز اور زکاة میں فرق کرے گا، کیونکہ یہ دونوں کتاب اللہ میں ایک ساتھ ہیں، اور جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث مذکور کے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو مباحثہ کے وقت یہ حدیث مستحضر بھی رہی ہو، اور اگر مستحضر رہی بھی ہو تو اس بات کا بھی احتمال ہے کہ وہ اس مباحثہ میں حاضر ہی نہ ہوں، اور اس سے بھی کوئی مانع نہیں کہ ہو سکتا انہوں نے بعد میں ان دونوں حضرات سے یہ ذکر بھی کر دیا ہو، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مانعین زکاة سے قتال کے بارے میں فقط قیاس سے استدلال نہیں کیا تھا، بلکہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان الا بحق الاسلام سے بھی استدلال کیا تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: زکاة بھی اسلام کا حق ہے، (نیز) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس حدیث کو روایت کرنے میں منفرد نہیں، بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی نماز اور زکاة کی زیادتی کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے، جیسا کہ کتاب الزکاة میں اس پر تفصیل سے

کلام آئے گا، اس معاملہ میں اس پر دلیل ہے کہ ”حدیث بعض اوقات اکابر صحابہ پر مخفی رہ جاتی ہے، اور ان سے چھوٹے اس حدیث کو جانتے ہیں۔“ (فتح الباری ج ۱ ص ۹۵)

لہذا واضح ہو گیا کہ ایک حدیث ایک محدث کے علم میں نہیں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ دوسرے کسی محدث کے علم میں بھی وہ حدیث نہ ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کس قدر وسیع المطالعہ محدث ہیں مخفی نہیں، حضرت سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ صحابہ کرام زمانہ رسالت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے کو ناخنوں سے کھٹکھٹاتے تھے اس کے بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

عن شیخ الإسلام: تعب الناس في التفتيش عليه من حديث المغيرة فلم يظفروا به. قلت: قد ظفرت به بلا تعب. والله الحمد. فأخرجه البيهقي في المدخل

”شیخ الاسلام (حافظ ابن حجر) سے منقول ہے کہ لوگ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کی تلاش میں تھک گئے، اور اسے پا نہ سکے، (علامہ سیوطی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں: میں نے الحمد للہ بغیر کسی مشقت کے یہ حدیث پالی ہے، اس حدیث کو امام بیہقی نے المدخل میں روایت کیا ہے۔“ (تدریب الراوی ج ۲ ص ۱۰۴)

خود علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں کہ کیا ہر حدیث ان کے علم میں تھی یا انہوں نے اپنی کتب میں ہر حدیث کو نقل کر دیا؟ ایسا نہیں ہے، علامہ عبدالرؤف المناوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تصنیف الجامع الازہر فی حدیث النبی الانور کی وجہ تصنیف بیان فرماتے ہیں:

ومن البواعث على تأليف هذا الكتاب أن الحافظ الكبير الجلال السيوطي ادعى أنه جمع في كتابه الجامع الكبير الأحاديث النبوية مع أنه قد فاته الثلث فأكثر. وهذا فيما وصلت إليه أيدينا بمصر وما لم يصل إلينا أكثر. وفي الأقطار الخارجة عنها من ذلك أكثر. فاغتر بهذه الدعوى كثير من الأكابر فصار كل حديث يسأل عنه أو يريد الكشف عليه يراجع الجامع الكبير، فإن لم يجد فيه غلب على ظنه أنه لا وجود له، فرمما أجاب بما لا أصل له. فعظم بذلك الضرر لكون النفس إلى الثقة

بزعمہ الاستیعاب، وتوهم أن ما زاد على ذلك لا يوجد في كتاب، فأردت التنبيه على بعض ما فات في هذا المجموع

”اس کتاب کی تالیف پر ابھارنے والے باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ حافظ کبیر جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا دعویٰ فرمایا کہ انہوں نے احادیث نبویہ کو اپنی کتاب جامع کبیر میں جمع فرمادیا ہے، حالانکہ ان سے احادیث کا ثلث بلکہ اس سے بھی زائد چھوٹ گیا، اور یہ بھی ان احادیث کے لحاظ سے جن تک مصر میں ہماری رسائی ہے، اور جن تک ہماری رسائی نہیں، اور جو مصر کے علاوہ دیگر شہروں میں ہیں وہ تو اس سے بھی بہت زیادہ ہیں، اس دعویٰ کی وجہ سے بہت سے اکابر نے دھوکہ کھایا، لہذا ہر وہ حدیث جس کے بارے میں ان سے سوال کیا جاتا یا وہ خود اس کے بارے میں جاننا چاہتے تو جامع کبیر کی طرف مراجعت کرتے اگر اس میں نہ پاتے تو ان کے ظن پر یہ بات غالب آتی کہ اس حدیث کا وجود ہی نہیں، بلکہ بسا اوقات تو وہ یہ جواب دیتے کہ اس کی کوئی اصل نہیں، اس وجہ سے ضرر زیادہ ہو گیا کیونکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے استیعاب کے قول پر دل مطمئن ہوتا ہے، اور اس بات کا وہم پیدا ہوتا ہے کہ جو اس کتاب پر زائد ہے وہ حدیث کسی کتاب میں پائی ہی نہیں جاتی، تو میں نے اس کتاب میں بعض چھوٹی ہوئی احادیث سے اس پر تنبیہ کرنے کا ارادہ کیا۔“

(الجامع الاکبر ہرلی حدیث النبی الاکبر ص ۱ ج ۱ ص ۱۳)

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ رضویہ میں حافظ ابو زرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل کیا: ”امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس جس حدیث کے بارے میں (مرسلاً) کہا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی اصل (مسنداً) مجھے مل گئی، سوائے چار حدیثوں کے جبکہ امام یحییٰ القطان فرماتے ہیں: ایک یا دو کے علاوہ ہر ایک کی اصل مل گئی۔ یہ قول نقل کرنے کے بعد امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

عدم الوجدان لا يقتضي عدم الوجود فلم يفت بحسب الا واحد أو اثنان ولعل غير  
بحسب وجد ما لم يجد وفوق كل ذي علم عليم.

”یعنی عدم وجدان (کسی حدیث کا نہ پانا) عدم وجود (سرے سے نہ ہونے) کی دلیل نہیں، تو

یحییٰ سے ایک یا دو حدیث رہ گئیں، ممکن ہے یحییٰ کے علاوہ کسی اور کو وہ مل جائیں، اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۶۱۳)

اور یہاں تو ایسی کوئی بات ہی نہیں، یہ حدیث امام نسائی پر مخفی رہی لیکن ان سے حدیث میں بہت زیادہ معرفت رکھنے والے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ پر مخفی نہ رہی، اسی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اور کثیر محدثین سے مخفی نہ رہی۔

ثانیاً: سوال یہ اٹھتا ہے: یہ قاعدہ کہاں لکھا ہے کہ جس حدیث کو امام نسائی نہ جانیں وہ حدیث ہے ہی نہیں؟

ثالثاً: امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا معنی حافظ جمال الدین المزی، حافظ ابن عساکر رحمہما اللہ تعالیٰ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

وهذه الحكاية لا تدل على سوء اعتقاد أبي عبد الرحمن في معاوية بن أبي سفيان، وإنما تدل على الكف في ذكره بكل حال، ثم روى بإسناده عن أبي الحسن علي بن محمد القاسبي، قال سمعت أبا علي الحسن بن أبي هلال: يقول سئل أبو عبد الرحمن النسائي عن معاوية بن أبي سفيان صاحب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، فقال: إنما الإسلام كدار لها باب، فباب الإسلام الصحابة، فمن أذى الصحابة إنما أراد الإسلام، كمن نقر الباب إنما يريد دخول الدار، قال: فمن أراد معاوية فإنما أراد الصحابة.

”یہ حکایت امام ابو عبد الرحمن نسائی کے حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں برے اعتقاد پر دلالت نہیں کرتی، محض یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر میں ہر حال میں زبان کی حفاظت کی جائے، پھر حافظ ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ ابو علی الحسن بن ابی ہلال سے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ امام ابو عبد الرحمن نسائی سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اسلام کی مثال گھر کی طرح ہے جس کا دروازہ ہوتا ہے، اور اسلام کا دروازہ صحابہ ہیں، تو جس نے صحابہ کو اذیت دی اس نے

اسلام کو ہی (اذیت دینے کا) ارادہ کیا، کیونکہ جو دروازے کو توڑتا ہے وہ گھر میں ہی داخل ہوتا چاہتا ہے، تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درپے ہوتا ہے وہ صحابہ ہی کے درپے ہوتا

ہے۔ (تہذیب الکمال) ج ۱ ص ۳۲۹

رابعاً: علی سبیل التسلیم مان لیا جائے کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسا تنقیص کے لیے فرمایا۔ گزارش یہ ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے امام امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو ضعیف کہا ہے۔ اس پر ان کا ائمہ نے سخت رد کیا ہے اور بیان کیا کہ ان کا شمار متشددین میں سے ہوتا ہے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ پر ان کی جرح مردود ہے، پھر ان کا اعتقاد اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں برا ہو تو یہاں ان کی کسی بھی طرح کی جرح کیسے مقبول ہوگی؟ چاہے یہ جرح باعتبار ثقاہت کے ہو یا کسی اور اعتبار سے۔

لہذا امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس واقعے کو کسی بھی طرح سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص کے لیے استعمال کرنا جہالت ہے۔

### امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ

موصوف امام حاکم کے بارے میں لکھتے ہیں:

”انہی مصائب کا سامنا امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بھی کرنا پڑا، ان کے دور کے جاہل پیروں کے مریدین چاہتے تھے کہ وہ شان معاویہ میں کوئی حدیث پیش کریں اور چونکہ ان کے علم میں کوئی قابل ذکر حدیث تھی ہی نہیں اس لیے وہ ان لوگوں کی فرمائش پوری کرنے سے قاصر رہے تو وہ لوگ زیادتیوں پر اتر آئے۔ چنانچہ متعدد علماء کرام نے سند کے ساتھ لکھا ہے کہ ابو عبد الرحمن السلمی بیان کرتے ہیں: میں ابو عبد الحاکم کے پاس گیا جبکہ وہ ابو عبد اللہ بن کرام کے پیروکاروں کے مظالم کی وجہ سے اپنے گھر میں محصور ہو کر رہ گئے تھے، ان کا مسجد کی طرف نکلنا ممکن نہیں تھا، اور یہ لیے کہ لوگوں نے ان کا منبر توڑ دیا تھا اور باہر نکلنے سے منع کر دیا تھا، میں نے امام حاکم سے عرض کیا: اگر آپ اس شخص یعنی معاویہ کے فضائل میں کچھ روایت کر دیں اور املاء کر دیں تو آپ اس مصیبت سے نجات پا جائیں گے، انہوں نے فرمایا: میرا دل نہیں مانتا، میرا دل نہیں مانتا دل نہیں مانتا۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۵۱)



اس واقعے کو اگر صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی اس کی کوئی اہمیت نہیں، وہ ائمہ جنہوں نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے، انہوں نے اس سے قبل امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے ابوالفضل ابن طاہر المقدسی کے یہ الفاظ تحریر کیے ہیں:

كان شديد التعصب للشيعة في الباطن، وكان يظهر التسنن في التقديم والخلافة.  
 وكان منحرفا غالبا عن معاوية وأهل بيته يتظاهر به ولا يتعذر منه  
 "امام حاکم باطن میں شیعہ کے حق میں تعصب رکھتے تھے، اور خلافت و تقدیم میں اہل سنت کا  
 طریقہ ظاہر کرتے تھے، وہ حضرت معاویہ اور ان کے گھرانے سے سخت منحرف تھے، اس  
 پر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ کا عذر نہیں مانتے تھے۔"

(المنشور من الحکایات والسؤالات، ص ۲۵ طبع دار المنہاج الریاض) (وأطراف الغرائب والأفراد ج ۱  
 ص ۱۰۱ طبع کلاہما لأبی الفضل محمد بن طاہر المقدسی)

اس قول کو ذکر کرنے سے اس واقعے کے بے وقعت ہونے کی طرف واضح اشارہ ہے۔ جبکہ امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو اس واقعے کو تسلیم ہی نہیں کیا اور اس کو جھوٹ قرار دیا ہے۔  
 ثانیاً: اگر اس واقعے کو تسلیم کیا جائے تو خود یہ امام حاکم کے حق میں طعن بنے گا، ابو عبد الرحمن السبکی ان سے کہہ رہے ہیں آپ حدیث املا کروادیں جس کا واضح معنی ہے کہ امام حاکم کے علم میں احادیث تھیں لیکن ان کا دل نہیں مانتا تھا، جس کا مطلب ہے وہ بوجہ تعصب بیان نہیں کرنا چاہتے تھے۔  
 مزید جوابات سے قبل ذرا موصوف کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"اندازہ کیجئے! اولین بادشاہ کے دور میں جو احادیث گھڑی گئی تھیں اور وہ پھیل چکی تھیں، اور پھر وہ عامۃ الناس کے کانوں اور مزاجوں میں رچ بس گئی تھیں، اگر ایسی احادیث بیان و املاء سے کوئی ماہر، نقاد، متقی اور پرہیزگار محدث اجتناب کرتا تو وہ احادیث موضوعہ کے عادی اور رسیا لوگ اسے کیونکر چین سے بیٹھنے دیتے؟ سو جب تک موضوع و باطل روایات کے رسیا محبان معاویہ لوگ باقی رہیں گے اس وقت تک ایسی احادیث سے اجتناب کرنے والوں پر رفض کے فتوے لگتے رہیں گے، مساجد میں داخلے کی ممانعت ہوتی رہے گی اور مصائب و تکالیف بھی آتی رہیں گی۔" (الاحادیث الموضوعات ص ۵۲)

کس قدر جہالت سے بھرپور یہ عبارت ہے، کیا احادیث صرف سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں گھڑی گئیں؟ کیا آج کل مساجد میں بے علم خطبا جو احادیث بیان کرتے ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کرتے ہیں، واقعہ معراج، میلاد کے موقع پر جاہل خطبا بالخصوص آپ کے ایک غیر سید پسندیدہ مقرر کس قدر موضوع اور کس طرح کی روایات بیان کرتے ہیں، حتیٰ کہ بالخصوص محرم الحرام میں اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں ایسی ایسی من گھڑت روایات اور واقعات بیان کیے جاتے ہیں جو ان کی شان رفیع کے خلاف ہوتے ہیں، اس کے خلاف آپ نے کبھی اپنی زبان کھولی؟ نہیں کھولی نا؟ کیوں؟ اس لیے کے پیٹ کا معاملہ ہے؟ جب کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں تو کچھ بھی ایسا بیان نہیں کیا جاتا۔

ثانیاً: آپ کے اس اصول کی تو ماقبل میں دھجیاں اڑ چکی ہیں کہ جس کے حق میں احادیث گھڑی جائیں اس کے حق میں کوئی حدیث ہو ہی نہیں سکتی،

ثالثاً: سب سے زیادہ احادیث مولائے کائنات مولا مشکل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں گھڑی گئیں اور آپ جیسے لوگ ہی اس حوالے سے سب سے زیادہ من گھڑت روایات ذکر کرنے میں مشہور ہیں، تو کیا آپ کے اس قاعدے کا انطباق یہاں پر بھی ہوگا؟

موصوف نے امام حاکم کے قول لابی من قلبی کا ترجمہ خود یہ کیا ہے ”میرا دل نہیں مانتا“، تو جناب یہ تو آپ جیسا انداز ہو گیا کہ میرا دل نہیں مانتا اگر آپ کا دل نہیں مانتا تو ہم کیا کریں، آپ کے دل کے نامانے کی وجہ سے ثابت احادیث کا انکار ہو جائے گا؟

کرامیہ پر بھی فیضی صاحب کی نوازشات

صاحب الاحادیث الموضوعات نے تہمت لگانے کے لیے کرامیہ جیسے گمراہ باطل فرقے کو بھی نہیں چھوڑا پہلے تو اپنے ”ماموں“ محمد بن کرام کا تعارف لکھا ہے، پھر اس فرقے کے بارے میں مطلقاً احادیث کا گھڑنا لکھا، حالانکہ کرامیہ خذلہم اللہ تعالیٰ فی الدنیا والآخرۃ بھی صرف ترغیب اور ترہیب کے باب میں احادیث کو گھڑنے کے قائل تھے، اور فیضی صاحب کی جہالت کی انتہاء کے خود جزئیات نقل کر رہے ہیں جن میں واضح لکھا ہے کہ کرامیہ خذلہم اللہ تعالیٰ ترغیب و ترہیب کے باب میں احادیث گھڑنے کے جواز کے قائل تھے، پھر اس کے بعد بھی مطلقاً ان کو احادیث گھڑنے والا لکھ دیا، ایسے بدعتی اور گمراہ فرقے پر بھی

### ابن سبا کا جانشین

## محدثین کرام کے بارے میں نازیبا انداز

”اہل تحقیق محدثین کرام میں سے اکثر نے امام اسحاق بن راہویہ کی تحقیق سے قولاً اتفاق کیا ہے اور کچھ نے سکوتا اتفاق کیا ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ صحاح ستہ کے باقی محدثین کا شان معاویہ میں ”کوئی واضح حدیث نہ لانا یا نہ لاسکنا“ اس سکوتی اتفاق کی روشن دلیل ہے۔ ان کے برعکس بعض محدثین فضائل معاویہ میں احادیث موضوعہ کی کثرت سامنے مرعوب ہو گئے تو گوگوگو کی کیفیت کے ساتھ دو تین احادیث کو کسی نہ کسی کھاتے میں ڈالنے پر مجبور ہو گئے، جیسا کہ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ تعالیٰ وغیرہ، لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے ان شاء

اللہ عزوجل ہم اس غلط فہمی پر مفصل گفتگو کریں گے۔ (ص ۵۵)

اور ہم ان شاء اللہ عزوجل نہ صرف آپ کی خوش فہمی کو دور کریں گے ساتھ ہی آپ کی خیانتیں بھی عوام اہل سنت کے سامنے طشت از بام کریں گے۔

قارئین کرام! اول تو ان کے محدثین کے لیے الفاظ دیکھیں: نہ لانا یا نہ لاسکنا اس سکوتی اتفاق کی دلیل ہے ان کے برعکس بعض محدثین فضائل معاویہ میں احادیث موضوعہ کی کثرت سامنے مرعوب ہو گئے۔ الخ۔

یعنی یہ محدثین لانا چاہتے تھے لیکن نہیں لاسکے، اور بعض لائے بھی تو مرعوب ہو کر، یہ محدثین کی خدمت کا کیسا صلہ دے رہے ہیں صرف اور صرف اس لیے کہ انہوں نے کیوں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں حدیث روایت کی۔

اگر کثرت کی بات کریں تو ابھی گزرا کہ روافض نے سیدنا مولائے کائنات اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حق میں تین لاکھ احادیث گھڑیں، تو آپ کے اس مزعومہ اصول پر اگر کوئی خارجی یا ناصبی آپ جیسے دلائل دے کر یہ کہے کہ جتنی بھی احادیث اس باب میں آئیں ہیں وہ محدثین نے مرعوب ہو کر روایت کی ہیں تو کیا جواب ہوگا؟ ہم آپ جیسی فکر اور فکر خوارج و نواصب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

موصوف کو مسلسل یہ تکلیف رہی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لانے والوں میں کسی اور کے حق میں احادیث نہیں آئیں صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کیوں آئی ہیں۔  
اقول: یہ اللہ عز و جل کا فضل ہے اور نگاہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عنایت ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صہر تھے، پھر نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ملاحظہ بھی فرمایا تھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طویل حکمرانی نصیب ہوگی اسی لیے دعا بھی دی فضیلت بھی عطا فرمائی۔

اب تک کی گفتگو سے آپ کے سامنے ظاہر ہو چکا ہے، کہ موصوف کس قدر خیانت سے کام لینے کے عادی ہیں، اگلے صفحات میں ہم ان احادیث کی تحقیق ذکر کریں گے جو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں آئی ہیں اور فیضی صاحب نے کس طرح اصول محدثین سے کھلواڑ کیا وہ بھی دکھائیں گے البتہ اس سے قبل موصوف کو اس کی خواہش کے مطابق امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف بتادیں۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی کیا تحقیق ہے؟

فیضی صاحب لکھتے ہیں:

”کہا جاتا ہے فضائل یا دفاع معاویہ میں فاضل بریلوی نے بھی متعدد رسائل لکھے ہیں، اگر یہ بات صحیح ہو اور واقعی کسی کے پاس ان کے رسائل میں سے کوئی رسالہ موجود ہو تو ازراہ کرم اس ناچیز کو ضرور عنایت فرمایا جائے، میں اس خاص موضوع پر ان کی تحقیق سے آگاہی ضروری سمجھتا ہوں۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۳۸)

لیجئے! ہم آپ کو امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اپنے الفاظ میں ان کے رسائل کے نام بتا دیتے ہیں، اور مزید فتاویٰ رضویہ سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کیا موقف ہے وہ بھی بتا دیتے ہیں ان میں سے بعض عبارات پیچھے بھی گزر چکی ہیں، لیکن آپ ماننا چاہیں تو آپ کی تسلی کے لیے دوبارہ عرض کیے دیتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مسئلہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیق و تنقیح فقیر کے رسالہ البشرى العاجلة من تحف أجلة ورساله الأحادیث الراویة لمدح الأمير المعاویة ورساله عرش الإعزاز والإكرام لأول ملوک الإسلام ورساله ذب الأهواء الواهیة فی باب الأمير معاویہ وغیرہا میں ہے:

وفقنا الله تعالى بحمده وكرمه لترصيفها وتبيينها ونفع بها وبسائر تصانيفي أمة الإسلام بفهمها وبتنقيحها آمين بأعظم القدره واسع الرحمة آمين صلى الله تعالى وبارك وسلم على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم. (مہیہ فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۴۷۸)

مزید فرماتے ہیں:

”تفسیق یہ کہ بعض صحابہ کرام مثل امیر معاویہ و عمرو بن عاص و ابو موسیٰ اشعری و مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہتے ہیں ان کے پیچھے نماز بکراہت شدیدہ تحریمہ مکروہ ہے کہ انھیں امام بنانا حرام ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور جتنی پڑھی ہوں سب کا پھیرنا واجب۔“

(فتاویٰ رضویہ جلد ۲ ص ۲۲۶)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

”بالجملہ ہم اہل حق کے نزدیک حضرت امام بخاری کو حضور پرنور امام اعظم سے وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور پرنور امیر المومنین مولیٰ المسلمین سیدنا و مولانا علی

المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی سے کہ فرق مراتب بے شمار اور حق بدست حیدر کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن اُن پر بھی کارِ فجار، جو معاویہ کی حمایت میں عیاذ باللہ اسد اللہ کے سبقت و اولیت و عظمت و اکملیت سے آنکھ پھیر لے وہ ناصبی یزیدی، اور جو علی کی محبت میں معاویہ کی صحابیت و نسبت بارگاہِ حضرت رسالت بھلا دے وہ شیعہ یزیدی۔“

(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ ص ۲۰۱)

مزید فرماتے ہیں:

”اس کے بعد کوئی بکے اپنا سر کھائے خود جہنم جائے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

ومن یكون یطعن فی معاویة. فذلك کلب من کلاب الهاویة.

”جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹)

اور فرماتے ہیں:

”حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کسی صحابی کو برا کہنا رفس ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ ج ۲۳ ص ۵۰۸)

حدیث: یكون بعد اثنا عشر خليفة أبو بكر الصديق لا يلبث إلا قليلا میرے بعد ابراہیم خلیفہ ہوں گے ابوبکر تھوڑے ہی دن رہیں گے۔ کی تشریح میں فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ خلفاء ہیں کہ والیان اُمت ہوں اور عدل و شریعت کے مطابق حکم کریں، ان کا متصل مسلسل ہونا ضرور نہیں۔ نہ حدیث میں کوئی لفظ اس پر دال ہے، اُن میں سے خلفائے اربعہ و امام حسن مجتبیٰ و امیر معاویہ و حضرت عبداللہ بن زبیر و حضرت عمر بن عبدالعزیز معلوم ہیں اور آخر زمانہ میں حضرت سیدنا امام مہدی ہوں گے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ نو ہوئے باقی تین کی تعیین پر کوئی یقین نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص ۵۱)

اس کے علاوہ امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے العلل المتناہیہ پر اپنی تعلیقات میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ایک صحیح حدیث اور دو حسن حدیثیں ذکر کی ہیں، جس کی تفصیل آگے کتاب میں آئے گی۔

اگر آپ کہیں گے تو اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اور بھی ملفوظات آپ کو پیش کر دیئے جائیں گے۔ اب ان شاء اللہ عزوجل ہم فضائل سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں وارد احادیث پر فیضی کے اعتراضات کا جواب ذکر کریں گے۔ لیکن ہم اس بات کی پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ ہمارا اس کتاب سے مقصود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کا دفاع کرنا، علمی و تحقیقی جواب دینا، اور ائمہ اہلسنت کے موقف کو واضح کرنا ہے، کسی کی بے جا حمایت ہمارا مقصود نہیں، کتاب فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض روایت پر کلام ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کو آڑ بنا کر ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہدف تنقید بنانے کی کسی کو اجازت نہیں دی جائے گی، کراچی کے بعض احباب کے ذریعے المدینۃ العلمیہ کے ایک ذمہ دار سے بات ہوئی اور کچھ روایات پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے اطلاع دی کہ اس پر مفتی حسان صاحب قبلہ پہلے ہی تنبیہ کر چکے ہیں، اگلے ایڈیشن میں بعض روایات کو خارج کر دیا جائے گا۔ یہ حق کو قبول کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو شاد و آباد رکھے۔

### حدیث اللّٰهُمَّ عَلَيْنَا الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کے لیے نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اوقات میں دعا فرمائی۔ ایک حسن حدیث میں یہ دعا مذکور ہے: (اللّٰهُمَّ عَلَيْنَا الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ) اے اللہ! اس کو کتاب و حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب سے بچا۔ یہ حدیث مبارک پانچ صحابہ کرام علیہم الرضوان حضرت عرباض بن ساریہ، حضرت عبدالرحمن بن ابی عمیرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت مسلمہ بن مخلد، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے باسانیدہ مختلفہ مروی ہے۔

### حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام احمد اپنی مسند اور کتاب فضائل الصحابہ میں، حافظ ابن عساکر تاریخ دمشق اور معجم الشیوخ میں، حافظ ابن خزیمہ وابن حبان اپنی صحیح میں، امام آجری الشریعہ میں، امام طبرانی معجم کبیر اور مسند الشامیین میں، حافظ بزار اپنی مسند میں اور حافظ حمزہ الکنانی جزء البطاقة میں، اپنی اپنی اسانید کے ساتھ معاویہ بن صالح سے روایت کرتے ہیں وہ یونس بن سیف سے وہ حارث بن زباد اور وہ ابوہریرہ السماعی سے اور وہ حضرت عرباض

ہیں ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ (فضائل الصحابة) ج ۲ ص ۱۱۵۷، (صحیح ابن خزيمة) ج ۲ ص ۹۳۲، (سنن البزار) ج ۱ ص ۱۳۸، (صحیح ابن حبان) ج ۱ ص ۱۶، (المعجم الكبير) ج ۱۸ ص ۲۵۲، (سنن الشافعی) ج ۳ ص ۱۶۹، (جزء البطاقة) ص ۵۵، (الشریعة للأجری) ج ۱ ص ۱۹۱، (معجم الشیوخ لابن عساکر) ج ۲ ص ۱۰۴، (رقم ۱۳۴۱)

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ آپ امام ثقہ ثبت راوی ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ثقة ثبت. حافظ. عارف بالرجال والحديث. قال ابن المديني: ما رأيت أعلم منه

”ثقة ثبت حافظ اور رجال و حدیث کے عارف ہیں، علی بن مدینی فرماتے ہیں: میں نے ان

سے بڑھ کر علم والا نہیں دیکھا۔“ (تقریب التہذیب) ص ۳۸۳، (رقم ۱۴۰۱۸)

عبد الرحمن بن مہدی اس حدیث کو معاویہ بن صالح سے روایت کرتے ہیں۔

معاویہ بن صالح کو امام احمد، یحییٰ بن معین، عبد الرحمن بن مہدی، علی بن المدینی، امام بزار، امام علی، ابو زرہ رازی، امام نسائی، ابن حبان وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔

(اکمال تہذیب الکمال) ج ۱ ص ۲۶۹-۲۷۲، (رقم ۴۶۴۲)، (تہذیب التہذیب) ج ۸ ص ۲۴۴-۲۴۶، (رقم ۷۰۴)

(تاریخ اسماء الثقات) ص ۲۸۷، (رقم ۱۳۶۸)، (کتاب الثقات لابن حبان) ج ۷ ص ۴۷۰، (رقم ۱۰۹۹)، (الثقات للعلی)

ج ۲ ص ۲۸۴، (رقم ۱۷۴۶)، (العلل ومعرفۃ الرجال رواۃ المروزی والمیمونی) ص ۱۷۰، (رقم ۳۸۸)

معاویہ بن صالح اس حدیث کو یونس بن سیف الکلاعی سے روایت کرتے ہیں۔

یونس بن سیف الکلاعی کو امام دارقطنی، حافظ ابن حبان نے ثقہ فرمایا جبکہ امام بزار نے صالح الحدیث

کہا ہے۔ (کتاب الثقات) ج ۵ ص ۵۵۵، (رقم ۶۲۱۲)، (التکمیل فی الجرح والتعديل ومعرفۃ الثقات والضعفاء والجاهل لابن

کثیر) ج ۲ ص ۴۸۰، (رقم ۱۷۲۶)، (سؤالات ابی بکر البرقانی للدارقطنی) ص ۱۴۶، (رقم ۵۶۸)، (تہذیب التہذیب) ج ۹ ص ۴۱۱

(رقم ۸۱۸۹)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

یونس بن سیف الکلاعی. عن أبي إدريس وعمر بن الأسود. وعنه الزبيدي

ومعاوية بن صالح ثقة



”یونس بن سیف الکلائی، ابو ادریس اور عمرو بن الاسود سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے زبیدی اور معاویہ بن صالح روایت کرتے ہیں یہ ثقہ راوی ہیں۔“

(الکاشف) ج ۴ ص ۵۵۳ رقم ۶۶۷۰

یونس بن سیف اس حدیث کو حارث بن زیاد الشامی سے روایت کرتے ہیں۔

حارث بن زیاد کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ صحابی ہیں یا نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ صحابی نہیں، ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، اور اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے، اسی طرح حافظ ابن خزیمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی روایت اپنی صحیح میں ذکر کی ہے، حافظ ابو الحسن ابن القطان نے بھی ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

چونکہ ان سے فقط یونس بن سیف روایت کرتے ہیں اس لیے ان پر یہ جرح کی گئی کہ یہ مجہول ہیں، چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: مجہول. وعنه یونس بن سیف فقط۔

(میزان الاعتدال) ج ۲ ص ۱۶۸ رقم ۱۶۱۹

حافظ علاء الدین المغلطائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اکمال تہذیب الکمال میں اولا اس بات کا ذکر کیا کہ ان سے حافظ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، جبکہ ابن حبان نے ان کو ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے، حافظ بزار کا قول ان کے بارے میں ذکر کیا کہ وہ کسی بڑے کو نہیں جانتے جو ان سے روایت کرتے ہوں، امام ابو الحسن ابن القطان رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھا کہ ان کی حدیث حسن ہے۔ پھر امام ذہبی کا نام لیے بغیر ان کا سخت رد کیا کہ انہوں نے اسے مجہول کہا حالانکہ ان سے پہلے کسی نے اس راوی کو مجہول نہیں کہا۔

اس پر اکمال کے حاشیہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: ”امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میزان کے مقدمہ میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ جب وہ کسی راوی کو مجہول کہیں اور اس کی نسبت کسی کی طرف نہ کریں تو اس کے قائل ابو حاتم رازی ہوتے ہیں، یہاں بھی یہی معاملہ ہے، (کسی قائل کا ذکر کیے بغیر مجہول کہا ہے) لہذا امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پہلے اس راوی کو مجہول کہنے والے ابو حاتم رازی ہیں۔ (اکمال تہذیب الکمال مع الحاشیہ) ج ۳ ص ۲۹۰ رقم ۱۰۷۵

یہاں تو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ذہبی کے قاعدے کے مطابق مجہول کا قائل ابو حاتم رازی کو بیان کیا، لیکن تہذیب التہذیب میں خود یہ ارشاد فرمایا: جو بات میرے لیے ظاہر ہوئی وہ یہ

ہے کہ حافظ ابو حاتم رازی نے جس کو مجہول کہا ہے وہ کوئی اور راوی ہیں، ہاں اس راوی کو حافظ ابن عبد البر نے اس کے حالات میں مجہول لکھا ہے، اور اس کے بارے میں یہ فرمایا کہ اس کی حدیث منکر ہے۔

(تہذیب التہذیب (ج ۲ ص ۱۱۲ رقم ۱۱۰۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ اس راوی کو مجہول کہنے والے ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، انہوں نے اپنی کتاب الاستیعاب میں حارث کے بارے میں لکھا ہے: مجہول لا یعرف مجہول غیر معروف ہیں۔

(الاستیعاب (ج ۳ ص ۱۱۲۰)

البتہ یہ الفاظ ان کی کتاب میں نہیں ہیں، کہ ان کی حدیث منکر ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن رسلان رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے فقط ان کا مجہول ہونا لکھا ہے۔ (شرح ابن رسلان علی سنن ابی داود (ج ۱ ص ۳۲۸)

حافظ زین الدین العراقي رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی حافظ ابن عبد البر رحمہما اللہ تعالیٰ سے صرف مجہول لا یعرف کے الفاظ ”طرح التریب“ میں ذکر کیے ہیں۔ (طرح التریب فی شرح التریب (ج ۱ ص ۱۱۴)

لیکن ان کا مجہول العین ہونا کچھ مضمر نہیں، اس لیے کہ جب کسی راوی سے ایک ہی راوی روایت کرنے والا ہو، لیکن اس کی توثیق کسی دوسرے محدث نے کی ہو یا اسی روایت کرنے والے نے ہی کی ہو جبکہ یہ توثیق کرنے کے اہل ہوں تو ایک قول پر اس راوی کی حدیث مقبول ہوتی ہے۔ ثانیاً یہاں اس کے کئی شواہد موجود ہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

فإن سمی الراوی وانفرد راو واحد بالروایۃ عنه فهو مجہول العین کالمبہم، فلا یقبل حدیثہ إلا أن یوثقہ غیر من ینفرد عنه علی الأصح، وکذا من ینفرد عنه إذا کان متأھلاً لذلك

”اگر راوی کا نام ذکر کیا گیا ہو اور اس سے ایک ہی راوی روایت کرتا ہو تو وہ مجہول العین ہے، یہ مبہم کی مثل ہے، اس کی حدیث کو قبول نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ جو اس سے روایت کرنے میں متفرد ہے اس کے علاوہ کوئی اور اس کی توثیق کرے، تو عل الاصح (اس کی روایت کو قبول کیا جائے گا) یا اسی طرح وہ اس کی توثیق کرے جس نے اس سے روایت کیا ہے جب کہ وہ توثیق

کے اہل ہوں۔ (نخبۃ الفکر مع شرح بہجۃ النظر) ص ۳۸۴-۳۸۵

حارث بن زیاد الشامی اس حدیث کو ابو رھم السمعی سے روایت کرتے ہیں۔

ابو رھم السمعی ان کا نام احزاب بن اسید ہے، ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ صحابی تھے یا نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ مخضرمین میں سے تھے اور ثقہ راوی ہیں۔ حافظ ابن حبان، عیسیٰ، ابن خلفون نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ (کتاب الثقات) ج ۴ ص ۶۰ رقم ۱۸۲۲ (الثقات للعلی) ج ۲ ص ۴۰۱ رقم ۲۱۴۸ (اکمال تہذیب الکمال) ج ۲ ص ۱۵-۱۶ رقم ۳۳۰ (تہذیب التہذیب) ج ۱ ص ۲۰۸ رقم ۳۱۳

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

مختلف فی صحبتہ، والصحیح أنہ مخضرم، ثقة (تقریب التہذیب) ص ۱۳۵ رقم ۲۸۶

حضرت ابو رھم رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کو صحابی رسول حضرت سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

محدثین کے حدیث مذکور پر احکام

محدث علامہ حیات سندی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

روی الإمام أحمد في مسنده بسند لا بأس به

”امام احمد نے اپنی مسند میں اس حدیث کو ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں کوئی حرج

نہیں۔“ (أحاديث في فضائل معاوية رضي الله تعالى عنه) ص ۱ ق ۱

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے العلل المتناہیہ پر اپنی تعلیقات میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا تقاضہ بھی اس حدیث کے کم از کم حسن ہونے کا ہے۔ (الناہیۃ عن طعن أمیر المؤمنین معاویۃ) ص ۱۰۵

حافظ ابن خزیمہ اور حافظ ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، جس کا واضح معنی ہے کہ یہ حدیث ان دونوں حضرات کے نزدیک صحیح ہے۔

حافظ ابن عساکر، حافظ سیوطی، حافظ طاہر پٹنی گجراتی اور حافظ ابن عراق الکفانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں وارد اصح احادیث میں اس کو شمار کیا ہے۔ کما تقدم!

اس سند کے ساتھ اس حدیث کی تحقیق آپ نے ملاحظہ فرمائی، اور احکام محدثین بھی ملاحظہ فرمائے۔ حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعدد شواہد کتب احادیث میں مذکور ہیں، یہاں ہم اس میں سے دو شواہد ذکر کرتے ہیں۔

شاہد اول: حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث:

امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

حدثنا محمد بن علي بن شعيب السمسار، ثنا خالد بن خدّاش، ثنا سليمان بن حرب، عن أبي هلال الراسبي، عن جبلة بن عطية عن مسلمة بن مخلد: أن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال لمعاوية: ((اللهم علمه الكتاب والحساب ومكن له في البلاد)) (المعجم الكبير) ج ۱۹ ص ۴۳۹ رقم ۱۰۶۶

اس کے پہلے راوی محمد بن علی بن شعیب السمسار ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال الدارقطني: وكان ثقة. (تاريخ الاسلام) ج ۲۱ ص ۲۸۱

دوسرے راوی خالد بن خدّاش ہیں۔ ان کی یحییٰ بن معین، ابو حاتم رازی، صالح بن محمد بغدادی، ابن سعد، یعقوب بن شیبہ، سلیمان بن حرب، ابن قانع اور ابن حبان نے تعدیل کی ہے۔

(الجرح والتعديل) ج ۳ ص ۳۲۳ رقم ۱۴۶۸ (الثقات) ج ۸ ص ۲۲۵ رقم ۱۳۱۳ (تهذيب التهذيب) ج ۳ ص ۵۰۵ حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الإمام الحافظ الصدوق، قال أبو حاتم وغيره: هو صدوق، وقال زكريا الساجي: فيه ضعف، قلت: أبلغ ما نقبوا عليه أنه ينفرد بأحاديث عن حماد بن زيد، وهذا لا يدل على لينه، فإنه لازم مدة.

”یہ امام حافظ صدوق راوی ہیں، ابو حاتم وغیرہ نے ان کے بارے میں فرمایا: یہ صدوق ہیں، زکریا ساجی کہتے ہیں: ان کچھ ضعف ہے، میں (حافظ ذہبی) کہتا ہوں: ان پر زیادہ سے زیادہ محدثین نے جو جرح کی ہے وہ ان کا حماد بن زید کی احادیث کے ساتھ منفرد ہونا ہے، اور یہ بات ان کے ضعف پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ ان کے ساتھ ایک مدت تک رہے ہیں۔“

(سير أعلام النبلاء) ج ۱ ص ۴۸۹ رقم ۱۶۲

تیسرے راوی سلیمان بن حرب ہیں، یہ ثقہ امام ہیں، اور ان ائمہ سے ہیں جو صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں،

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

قاضی مکہ، ثقة، امام، حافظ۔ (تقریب التہذیب) ص ۲۸۴ رقم ۲۵۴۵

ابو حاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

کان سلیمان بن حرب قل من یرضی من المشایخ، فإذا رأیته قد روی عن شیخ، فاعلم أنه ثقة۔

”سلیمان بن حرب بہت کم ہی مشائخ سے راضی ہوتے تھے، جب تم دیکھو یہ کسی شیخ سے

روایت کر رہے ہیں تو جان لو کہ وہ ثقہ راوی ہے۔“ (المرح والتعذیل) ج ۷ ص ۱۳۹۹

چوتھے راوی محمد بن سلیم ابو حلال الراسی ہیں۔ یہ مختلف فیہ راوی ہیں، امام یحییٰ بن معین، امام ابو داؤد،

سلیمان بن حرب وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، بعض دیگر نے ان پر جرح کی ہے۔

(تہذیب التہذیب) ج ۷ ص ۱۸۲-۱۸۳ رقم ۱۶۱۵۵

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وہو صدوق فیہ لہین۔ (تقریب التہذیب) ص ۵۱۱ رقم ۱۵۹۲۳

پانچویں راوی اس کے جلد بن عطیہ ہیں، یہ بھی ثقہ راوی ہیں، حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے

بارے میں لکھتے ہیں:

جلد بن عطیہ، عن بن محیریز وغیرہ، وعنہ ہشام بن حسان وحماد بن سلمہ، ثقة۔

(الکاشف) ج ۲ ص ۲۰۰ رقم ۱۶۱۵۵

حافظ نور الدین الحیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

وجلد لم یسمع من مسلمة فهو مرسل، ورجالہ وثقوا وفہم خلاف

”جلد نے حضرت مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں سنا، پس یہ حدیث مرسل ہے اور اس

کے رجال کی توثیق کی گئی ہے، اور ان میں سے بعض کے بارے میں اختلاف ہے۔“

(مجمع الزوائد) ج ۱ ص ۲۰۰ رقم ۱۶۱۵۵

بیان کردہ تفصیل کے مطابق اس میں علت فقط ارسال کی ہے۔ اور یہ علت ایسی نہیں جو شاہد بنے

مانع ہو۔

### حدیث عبد الرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس حدیث کا دوسرا شاہد حضرت سیدنا عبد الرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ جے امام طبرانی نے مسند الشامیین میں اور ان ہی کے طریق سے حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں روایت کیا ہے۔

عن عبد الرحمن بن أبي عميرة المزني، وكان من أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم أن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، قال لمعاوية: اللهم علمه الكتاب والحساب ووقه العذاب. (مسند الشامیین) ج ۱ ص ۱۹۰ رقم ۳۳۳

اس حدیث کے راویوں کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ تاریخ الاسلام میں فرماتے ہیں: هذا الحديث رواه ثقات، لكن اختلفوا في صحة عبد الرحمن، والأظهر أنه صحابي "اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، لیکن عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کے بارے میں اختلاف ہے، اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ صحابی ہیں۔" (تاریخ الاسلام) ج ۴ ص ۳۰۹ جبکہ سیر اعلام النبلاء میں اس حدیث کو حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے لیے شاہد قوی قرار دیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء) ج ۳ ص ۱۲۴

ائمہ حدیث کی تصریحات اور بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

### محقق جدید کی تحقیقات جدیدہ

اب آئیں محقق جدید کی تحقیقات جدیدہ کا جائزہ لیتے ہیں۔

موصوف ظہور فیضی پہلے تو لکھتے ہیں: "یاد رکھنا چاہیے کہ سابقین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں فردا فردا جس قدر احادیث آئی ہیں، ایسی ہر ہر حدیث کے مقابلہ میں امیر شام کی شان میں ان کی بادشاہی کی بدولت احادیث گھڑی گئیں، اور آج تک وہ حدیثیں کتب میں موجود ہیں۔ یہ حدیث سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں وارد شدہ حدیث کے مقابلہ میں گھڑی گئی ہے۔"

(الاحادیث الموضوعہ ص ۷۶)

اقول وبالله التوفیق! اولاً: تو اس پر آپ کو وہ تمام احادیث پیش کرنا ہوں گی جو سابقین اولین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی فضیلت میں آئی ہیں، اور ان تمام کے مقابل سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں گھڑی ہوئی احادیث کو بیان کرنا ہوگا، ورنہ آپ جھوٹے قرار پائیں گے۔ صرف سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا مولا مشکل کشار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں احادیث طیبہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں، آپ وہ تمام جمع کر سکتے ہیں اور ان کے مقابل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کون سی احادیث گھڑی گئی ہیں یہ بیان کر سکتے ہیں؟

ثانیاً: یہ تمام ائمہ جو اس حدیث کو روایت کر رہے ہیں جن میں خود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں وہ فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اسے ذکر کر رہے ہیں، ان کو معلوم ہی نہیں کہ یہ حدیث تو سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مقابل گھڑی گئی ہے، آپ کو کہاں سے معلوم ہوا؟ عالم روایا میں بطریق منام؟

اس کے راوی معاویہ بن صالح کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں: ”اس کی سند میں ایک شخص معاویہ بن صالح ہے اس کے بارے میں اگرچہ تعدیل کے اقوال بھی ملتے ہیں مگر اہل شام کے بارے میں اس کی روایت کے بارے میں تحفظات کا اظہار کیا گیا ہے۔ (۷۶)

اقول: اولاً: معاویہ بن صالح جمہور کے نزدیک ثقہ راوی ہیں جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی، اور موصوف ایسے لکھ رہے ہیں جیسے جمہور کے نزدیک ضعیف ہوں اور بعض نے ایسے ہی چلتے پھرتے ان کی تعدیل کر دی ہو، موصوف یحییٰ بن سعید القطان کے جرح کے قول کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، حالانکہ یہاں یحییٰ بن سعید القطان کے قول کا محدثین نے رد کیا ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے معاویہ بن صالح کے طریق سے ایک حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا:

إسناده حسن صحيح، اس کی سند حسن صحیح ہے۔ (سنن الدارقطنی) ج ۳ ص ۹۸ رقم ۲۱۴۹

اس پر ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب التحقیق میں لکھا:

وهذه عصبية من الدارقطني، كان يحيى بن سعيد لا يرضى معاوية بن صالح، وقال أبو حاتم: لا يحتج به.

”یہ دارقطنی کی طرف سے تعصب ہے، یحییٰ بن سعید، معاویہ بن صالح سے مطمئن نہ تھے، اور حافظ ابو حاتم رازی نے کہا: اس سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا۔“

(التحقیق فی احادیث الخلاف) ج ۲ ص ۷۵ رقم ۱۱۰۶۴

امام زلیعی رحمہ اللہ تعالیٰ حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: قال فی "التنقیح": لیست العصبیة من الدارقطنی، وإنما العصبیة منه، فإن معاویة بن صالح ثقة صدوق، وثقه أحمد بن حنبل، وعبد الرحمن بن مہدی، وأبو زرعة، وقال ابن أبي حاتم: سألت عنه، فقال: حسن الحديث، صالح الحديث، واحتج به مسلم فی صحیحہ، ولم یرو شیئا خالف فیہ الثقات، وكون یحیی بن سعید کان لا یرضاه، غیر قادح فیہ، فإن یحیی شرطہ شدید فی الرجال، وكذلك قال: لو لم أروا إلا عن أروى ما رویت إلا عن خمسة، وقول أبي حاتم: لا یحتج به، غیر قادح أيضا، فإنه لم یدکر السبب، وقد تکررت هذه اللفظة منه فی رجال کثیرین من أصحاب الثقات الأثبات من غیر بیان السبب، کخالد الحذاء، وغیره، والله أعلم.

”(ابن عبد البہادی نے) تنقیح میں کہا: عصبیت دارقطنی کی طرف سے نہیں بلکہ عصبیت ابن جوزی کی طرف سے ہے، کیونکہ معاویہ بن صالح ثقہ صالح ہیں، امام احمد بن حنبل، عبد الرحمن بن مہدی، ابو زرعة نے ان کی توثیق کی ہے، اور ابن ابی حاتم کہتے ہیں: میں نے ان کے بارے میں سوائے کیا تو کہا: حسن الحديث، صالح الحديث ہیں، اور ان سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں استدلال کیا ہے، انہوں نے کوئی ایسی بات روایت نہیں کی جس میں انہوں نے ثقات کی مخالفت کی ہو، اور یحییٰ بن سعید کا ان سے راضی نہ ہونا ان کے بارے میں کوئی عیب ڈالنے والا نہیں ہے، کیونکہ ان کی رجال کے بارے میں شرط سخت ہے، یونہی انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ میں اگر ان سے روایت کروں جن سے میں راضی ہوں تو پانچ سے زیادہ سے روایت ہی نہیں کروں گا، اور ابو حاتم کا قول: لا یحتج به بھی عیب پیدا کرنے والا نہیں، کیونکہ انہوں نے سبب ذکر نہیں کیا، ان کی طرف سے یہ کلمات کثیر ثقہ ثبت راویوں مثلاً خالد الحذاء کے بارے میں بھی آئے ہیں۔ (نصب الرأیة) ج ۲ ص ۴۳۹، الرقم السلسل ۳۷۲۴



امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

معاویہ بن صالح ثقة عند أهل الحديث، ولا نعلم أحدا تكلم فيه غير يحيى بن سعيد القطان

”معاویہ بن صالح محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، ہم کسی کو بھی نہیں جانتے جس نے ان کے بارے میں کلام کیا ہو سوائے یحییٰ بن سعید القطان کے۔“

(جامع الترمذی) ج ۴ ص ۵۷ رقم ۲۶۵۳، باب ما جاء في ذهاب العلم

ابن عبد البہادی کا کلام بحوالہ امام زیلعی گزر چکا ہے۔ امام ذہبی، حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلت: وهذه منك عصبية: فإن معاوية احتج به مسلم

”میں کہتا ہوں یہ عصبیت آپ کی طرف سے ہے، کیونکہ معاویہ ان سے تو امام مسلم نے

استدلال کیا ہے۔“ (متفق التحقيق) ج ۱ ص ۳۶۹

یحییٰ القطان رحمہ اللہ تعالیٰ یہ متشددین میں سے ہیں جیسا کہ امام ذہبی وغیرہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی صراحت کی ہے انہوں نے تو امام حماد سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ کہہ دیا تھا: فی

نفسی منه شيء۔ (میزان الاعتدال) ج ۲ ص ۱۴۴ رقم ۱۵۲۱

اور جمہور کی توثیق کے مقابل ان کی جرح کا تو کوئی اعتبار ہی نہیں، ابو اسحاق فزاری اور ابن عمار موصلی رحمہما اللہ تعالیٰ کی جرح بھی مبہم غیر مبین السبب ہے۔ جمہور کی تصریحات کے معارض نہیں ہو سکتی۔

ثقة راوی کا کسی حدیث میں متفرد ہونا

حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

إذا انفرد الراوی بشيء نظر فيه: فإن كان ما انفرد به مخالفا لما رواه من هو أولى منه بالحفظ لذلك وأضبط، كان ما انفرد به شاذاً مردوداً، وإن لم تكن فيه مخالفة لما رواه غيره، وإنما هو أمر رواه ولم يروه غيره، فينظر في هذا الراوی المنفرد: فإن كان عدلاً حافظاً موثقاً باتقانه وضبطه قبل ما انفرد به، ولم يقدح إلا فراد فيه، كما فيما سبق من الأمثلة، وإن لم يكن ممن يوثق بحفظه واتقانه لذلك الذي انفرد

به كان انفراده به خار ماله، مز جز حاله عن حيز الصحيح.

ثم هو بعد ذلك دائر بين مراتب متفاوتة بحسب الحال فيه، فإن كان المنفرد به غير بعيد من درجة الحافظ الضابط المقبول تفردة استحسننا حديثه ذلك، ولم نمطه إلى قبيل الحديث الضعيف، وإن كان بعيداً من ذلك رددنا ما انفرد به، وكان من قبيل الشاذ المنكر

”جب راوی کسی روایت میں منفرد ہو تو دیکھا جائے گا کہ جس روایت میں یہ منفرد ہے اگر اس کی یہ روایت اس سے حفظ اور ضبط میں زیادتی رکھنے والے کی روایت کے مخالف ہے تو اس کی روایت ایسی شاذ روایت ہے جو رد کی جائے گی، اگر اس میں اصلاً کسی دوسرے کی روایت کی مخالفت نہ ہو، تو یہ محض ایک ایسی روایت ہے جسے اسی نے روایت کیا ہے، کسی اور نے روایت نہیں کیا، اب اسی راوی منفرد کو دیکھا جائے گا، اگر یہ راوی عادل حافظ ہے، ضبط و اتقان کے ساتھ اس کی توثیق کی گئی ہے، تو اس کی منفرد روایت کو قبول کیا جائے گا اور اس کا اس روایت میں منفرد ہونا اس میں کوئی عیب پیدا نہ کرے گا جیسا کہ اس کی مثالیں گزر چکی ہیں، اور اگر راوی ان رواۃ میں سے ہو جس کے حفظ و اتقان کی اس کے منفرد ہونے کی صورت میں توثیق نہ کی گئی ہو تو اس کا منفرد ہونا اس روایت کے لیے کمزوری کا سبب ہوگا اور اس کو صحیح کے درجے سے نکالنے والا ہوگا، پھر یہ راوی اپنے حال کے اعتبار سے مختلف درجات میں ہیں، پس وہ راوی جو اس حدیث کے ساتھ منفرد ہے اگر حافظ ضابط مقبول کے درجے سے زیادہ دور نہیں تو اس کے تفرد کو ہم حسن کے درجے میں رکھیں گے، اور وہ حدیث ضعیف کے درجے تک نہیں پہنچے گی، اور اگر وہ راوی حافظ ضابط مقبول کے درجے سے بعید ہے تو اس کی اس روایت کو جس میں وہ منفرد ہے ہم رد کر دیں گے، اور اس کی حدیث شاذ منکر کے درجے میں آئے گی۔“

(مقدمۃ ابن الصلاح ص ۷۹)

امام ابن الصلاح کی اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ تفرد ثقہ اصلاً مضر نہیں، اور معاویہ بن صالح ثقہ راوی ہیں جیسا کہ گزر چکا، دوسری بات اگر راوی صدوق ہو تو بھی اس کے تفرد سے حدیث کم از کم حسن ہوگی۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقال الحافظ ابن حجر في مقدمة فتح الباری عند ذكر محمد بن إبراهيم التيمي وتوثيقه مع قول أحمد فيه: يروى أحاديث مناكير، قلت: المنكر أطلقه أحمد بن حنبل وجماعة على الحديث الفردي لا متابع له، فيحمل هذا على ذلك، وقد احتج به الجماعة. انتهى

وقال أيضاً عند ذكر ترجمة بريد بن عبد الله: أحمد وغيره يطلقون المناكير على الأفراد المطلقة. انتهى

”حافظ ابن حجر فتح الباری کے مقدمہ میں محمد بن ابراہیم التیمی کا ذکر اور ان کی توثیق کے ساتھ امام احمد کا ان کے بارے میں یہ قول ذکر کرتے ہیں: یہ منکر احادیث روایت کرتے ہیں، پھر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: امام احمد بن حنبل اور ایک جماعت نے اس حدیث مفرد پر جس کا کوئی متابع نہ ہو منکر کا اطلاق کیا ہے، تو محمد بن ابراہیم التیمی کے بارے میں ان کے اس قول کو اسی پر محمول کیا جائے گا، اور ان سے ایک جماعت نے استدلال کیا ہے۔ حافظ ابن حجر، بريد بن عبد الله کے حالات میں فرماتے ہیں: امام احمد وغيره مطلق مفرد روایات پر مناکیر کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ (الرفع والتكمیل) ص ۲۰۱-۲۰۲

لہذا راوی ثقہ کسی روایت میں مفرد ہو تو منکر کا اطلاق کر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث ضعیف ہو۔

معاویہ بن صالح کے حوالے سے تحقیق گزر چکی کہ ثقہ راوی ہیں، اگر بالفرض ان کی کسی روایت پر منکر کا اطلاق ہوتا تو بھی اس کا معنی یہی ہوتا کہ یہ اس روایت میں مفرد ہیں۔ جب تک یہ اپنے سے کسی اوثق کی مخالفت نہ کرتے، مانحن فیہ میں تو اصلاً کسی نے اس حدیث کو منکر نہیں کہا۔

ثانیاً: یہاں معاویہ بن صالح اس حدیث کو روایات کرنے میں تنہا کہاں ہے؟ اس حدیث کے شواہد موجود ہیں جن میں سے دو ہم ذکر کر آئے ہیں۔

ان کے بارے میں حافظ ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: عندی صدوق إلا أنه يقع في أحاديث أفراد یعنی میرے نزدیک یہ صدوق راوی ہیں، ہاں ان کی احادیث میں مفردات واقع ہوئی ہیں۔

اس قول سے اتنا معلوم ہوا کہ معاویہ بن صالح اپنی میں بعض احادیث میں مفرد ہوتے ہیں، لیکن اس

سے کوئی فرق نہیں پڑتا ماقبل میں ابن الصلاح رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں، اسی طرح ابن ابی خثیمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل شام کی احادیث میں بہت ہی غریب روایات لے کر آتے ہیں، یہ کم مضر نہیں کیونکہ غرابت صحت کے منافی نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ہماری بیان کردہ حدیث میں تو غرابت ہے ہی نہیں اس لیے کہ معاویہ بن صالح یہاں متفرد نہیں، ان کے شواہد موجود ہیں۔

### بھان متی کا کنبہ

موصوف فیضی امام ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھتے ہیں: عندی صدوق إلا أنه یقع فی أحادیث أفراد. اس کا ترجمہ کرتے ہیں: میرے نزدیک وہ سچا ہے مگر اس کی احادیث میں تفردات ہوتے ہیں۔ (ص ۷۷)

مزید لکھتے ہیں:

”دکتور سعود نے کہا انہیں اس کے طرق اور شواہد بھی نہیں ملے، اس کا مطلب یہ ہے کہ معاویہ

بن صالح اس حدیث کی روایت میں تنہا ہے، وہ اگرچہ بعض کے نزدیک صدوق بھی ہے، تاہم

اس کا اس روایت میں تفرد اس حدیث کو منکر بنا رہا ہے۔“ (ص ۸۱)

آگے چل کر اس کے ایک طریق پر بحث کرنے کے بعد موصوف لکھتے ہیں: محدثین کی اصطلاح میں

”منکر حدیث“ کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، لیکن نتیجہ سب کا یکساں ہے، امام ذہبی لکھتے ہیں:

وهو ما انفرد الراوی الضعیف به وقد یعد مفرد الصدوق منکرا

”منکر حدیث وہ جس کی روایت میں ضعیف راوی تنہا ہو اور کبھی سچے راوی کا تنہا ہونا بھی منکر

شمار کیا جاتا ہے۔“ (الموطئ فی علم مصطلح الحدیث ص ۴۲)

اس تعریف میں جملہ وقد یعد مفرد الصدوق منکرا (اور کبھی سچے راوی کا تنہا ہونا بھی منکر شمار کیا

جاتا ہے) کا جملہ انتہائی قابل غور ہے، آپ کو یاد ہوگا معاویہ بن صالح کے بارے میں امام ابن عدی نے

صدوق کا قول کرنے باوجود کہا تھا کہ وہ بعض روایات لانے میں مفرد (تنہا) ہوتا ہے۔ (۸۳)

پھر کچھ آگے لکھتے ہیں:

”خیال رہے بعض محدثین کے نزدیک حدیث منکر کا شمار ضعیف احادیث میں ہوتا ہے، لیکن اکثر اہل

موضوع و مردود کے مترادف مانتے ہیں، چنانچہ مشہور محقق شیخ عبد الفتاح ابو نعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ولفظ منکر كثيرا ما يطلقونه على الموضوع يشيرون بذلك إلى نكارة معناه مع ضعف اسنادہ وبطلان ثبوته

”محدثین لفظ منکر کا اطلاق اکثر موضوع پر کرتے ہیں، وہ اس لفظ سے متن کے ناپسندیدہ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اس کی سند کا ضعف اور ثبوت کا بطلان اس کے علاوہ ہوتا ہے۔“ (ص ۸۳)

پھر لکھتے ہیں:

”اس سے پہلی حدیث کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اسے بھی محدثین نے منکر کہا ہے، اور یہ بھی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں حدیثیں موضوع جعلی ہیں۔“ (۸۴)

واہ فیضی کمال کر دیا آپ نے! یہ عجب مذاق ہے، کہ مفرد پر منکر کا اطلاق ہوتا اور اکثر محدثین کے نزدیک موضوع پر منکر کا اطلاق ہوتا ہے، اس حدیث پر محدثین نے منکر کا اطلاق کیا ہے لہذا یہ حدیث بھی موضوع ہے۔ اسے کہتے ہیں کہیں کا پتھر کہیں کا روڑا۔۔۔ بھان متی نے کنبہ جوڑا۔

حضرت عرابض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث کو کس نے منکر کہا؟ صرف عصر حاضر کے سعود الساعدی نے اور اس نے بھی غلط لکھا کہ اس حصے کے شواہد نہیں، حالانکہ اس کے شواہد موجود ہیں، اور خود موصوف ظہور احمد فیضی نے آگے اس کے شواہد ذکر کیے ہیں۔

محدثین میں سے امام الائمہ حافظ ابن خزیمہ، حافظ ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، یہ ان کے نزدیک اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے، علامہ محدث حیات سندھی نے اس کی سند کے بارے میں کہا لا باس بہ، امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اسی طرح علامہ عبد العزیز پرہاروی کا کلام ہے، محدث ابن عساکر، حافظ محدث سیوطی، محدث ابن عراق، محدث طاہر گجراتی پٹنی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو فضائل معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں وارد ہونے والی صحیح احادیث میں سے ایک قرار دیا۔

اب بتائیں محدثین کی محقق بات کون مان رہا ہے اور حدیث ثابت کو اپنی خواہش نفس سے کون باطل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

## منکر پر موضوع کا اطلاق

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ کے الفاظ ہیں: ولفظ منکر کثیرا ما یطلقونہ جس کا ترجمہ موصوف کرتے ہیں: ”محدثین لفظ منکر کا اطلاق اکثر موضوع پر کرتے ہیں۔“

اگرچہ ”کثیرا ما“ اور ”اکثر“ میں ہی فرق بین ہے، کثیرا ما کا معنی بنتا ہے بہت بار، اور اکثر معنی زیادہ تر ہوتا ہے، لیکن اس کا نتیجہ یہ نکالنا ”خیال رہے بعض محدثین کے نزدیک حدیث منکر کا غیر ضعیف احادیث میں ہوتا ہے، لیکن اکثر اسے موضوع و مردود کے مترادف مانتے ہیں“ جہالت یا خیانت ہے۔ عند الاکثر اور کثیرا ما کا فرق کسی اچھے استاد سے سمجھ لیجئے گا۔

شیخ عبد الفتاح نے آگے یہ لکھا ہے:

یشیرون بذلك إلى نكارة معناه مع ضعف إسناده وبطلان ثبوته

موصوف اس کا ترجمہ کرتے ہیں: ”وہ اس لفظ سے متن کے ناپسندیدہ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اس کی سند کا ضعف اور ثبوت کا بطلان اس کے علاوہ ہوتا ہے۔“

ترجمہ بھی زبردستی اپنی مرضی کا کیا ہے، معنی یہ ہے کہ ضعف سند اور بطلان ثبوت کے ساتھ اس کے نکارت معنی کی طرف اشارہ ہوگا تو جناب والا مباحوث فی حدیث میں بطلان ثبوت کہاں؟ اور اس میں نکارت معنی کہاں؟ کیا آپ کے نزدیک محدثین اتنے کم فہم ہیں کہ ایک حدیث جس میں نکارت معنی پایا جا رہا تھا اور ضعف سند بھی تھا، پھر اس کے بطلان کا ثبوت بھی تھا پھر بھی وہ اس حدیث کو فضائل میں نہ صرف ذکر کر رہے ہیں، بلکہ اپنی ملتزم بالصحیح کتب میں ذکر کر رہے ہیں۔ ان احادیث کا مطالعہ کریں جن کا شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے اشارہ دیا ہے، واضح ہو جائے گا کہ وہاں بطلان معنی کس قدر واضح ہے۔

اب ذرا ان کے یہ الفاظ یاد کریں کہ انہوں نے کیا لکھا تھا:

”محض کلام کے حسن کی طرف نہیں جانا چاہیے بلکہ محدثین کرام کی تحقیق پر اعتماد کرنا کیونکہ لکل

فن رجال (ہر فن کے لیے مخصوص لوگ ہوتے ہیں)۔“

موصوف نے الحارث بن زیاد پر جرح کی ہے، جس کی تفصیل ہم نقل کر چکے ہیں، ان کی توثیق کی گئی ہے، ان پر زیادہ سے زیادہ اتنا اعتراض ہے کہ یہ مجہول العین ہیں، اور مجہول العین کی روایت شواہد کے ساتھ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے۔

ان کے حوالے سے بیان کی گئی باحوالہ تفصیل کے مطابق واضح ہے کہ ابو حاتم رازی نے الجرح والتعديل میں جس روای کو مجہول کہا ہے وہ حارث بن زیاد شامی نہیں کوئی اور ہے جس سے ابو نعیم راوی نے روایت کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تہذیب التہذیب میں اس کو واضح بھی کر دیا پھر بھی موصوف اس راوی کو مجہول قرار دینے کے لیے میزان الاعتدال کے ساتھ الجرح والتعديل لابن ابی حاتم رازی کا حوالہ بھی دے رہے ہیں! کیا شان تحقیق ہے

اصل ان کو مجہول کہنے والے حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تہذیب التہذیب میں صراحت کی اور ابن عبد البر نے الاستیعاب میں ان کو مجہول قرار دیا ہے، استیعاب میں فقط مجہول لا یعرف کے الفاظ ہیں، حدیثہ منکر کے الفاظ نہیں، ائمہ مثلاً حافظ ابن رسلان اور حافظ عراقی نے حافظ ابن عبد البر رحمہم اللہ تعالیٰ سے فقط مجہول کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ کما تقدم بلکہ خود موصوف ظہور احمد فیضی نے بھی استیعاب سے اتنے ہی الفاظ نقل کیے ہیں۔

قتیبہ نے کیا کہا؟

حسن بن عرفہ نے اپنے جزء میں اس حدیث کو قتیبہ کے طریق سے حارث بن زیاد سے روایت کیا، قتیبہ نے اس حدیث میں ابو رہم السماعی اور حضرت عریاض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہیں کیا، اور حسن بن عرفہ کے اس طریق میں حارث بن زیاد کو صاحب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ذکر کیا گیا یعنی صحابی، یہیں سے علما میں اختلاف ہوا حافظ ابو مندہ، ابو نعیم اور ابو القاسم البغوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ یہ صحابی نہیں، حافظ علاء الدین المغلطائی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مختلف فی صحبتہ. ذکرہ ابن مندۃ، وأبو نعیم، وزعم أن الحسن بن سفیان روى عن قتیبة، عن الليث، عن معاویۃ بن صالح، عن یونس بن سیف، عن الحارث بن زیاد أن رسول الله - صلی الله تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم - قال: ((اللهم علم معاویۃ الكتاب)). ورواه الحسن بن عرفة، عن قتیبة، وقال فیہ: الحارث بن زیاد صاحب رسول الله - صلی الله تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم - وهذه الزیادة وهم. ورواه أسد بن موسى، وأدم، وأبو صالح، عن الليث، عن معاویۃ، فقالوا: عن الحارث، عن أبي رهم.

عن العریاض، وهو الصواب. (الانابة) ج ۱ ص ۱۳۸ رقم ۱۳۷)

بحث اس حوالے سے اس حدیث پر یہ ہے کہ قتیبہ نے چونکہ پے درپے دو راوی ساقط کر دیئے اس لیے اصطلاح کے اعتبار سے یہ حدیث معضل قرار پاتی ہے، لیکن خادم حدیث پر مخفی نہیں کہ دیگر طرق سے جو قتیبہ کے علاوہ ہیں معلوم ہے کہ یہاں دونوں ساقط راوی کون ہیں، وہ ابو رہم السماعی اور صحابی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، لہذا جب واضح ہو گیا کہ ساقط راوی کون ہیں تو اب اس طریقہ معضل ہونا بھی مضر نہ رہا، اور معضل ہے بھی تو صرف قتیبہ کے طریق سے ورنہ دیگر طرق میں تو دونوں راوی مذکور ہیں، اس حدیث کی جو تخریج ہم نے پیچھے ذکر کی ہے ان تمام میں یہ دونوں راوی موجود ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا:

وأعضل قتيبة هذا الحديث

”یعنی قتیبہ نے اس حدیث کو معضلاً روایت کیا ہے۔“ (تہذیب التہذیب) ج ۲ ص ۱۱۲ رقم ۱۰۶۹

اب آئیں محقق جدید ظہور احمد فیضی صاحب کی شاندار تحققات ملاحظہ فرمائیں: لکھتے ہیں: یہاں حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر ایک اور حوالے سے بھی جرح کی ہے، پہلے وہ سن لیجئے وہ لکھتے ہیں: وَأَعْضَلَ قَتِيبَةُ هَذَا الْحَدِيثِ قَتِيبَةُ نَعْنِي بِأَنَّ هَذَا الْحَدِيثَ مُعْضَلٌ مُرَادٍ بِهِ هُوَ۔“

سبحان اللہ! کیا خوبصورت معنی بیان کیا ہے: قتیبہ نے اس کو معضل قرار دیا ہے،! قتیبہ نے اس کو معضل قرار نہیں دیا بلکہ راویوں کو ساقط کرنے کی وجہ سے معضل روایت کیا ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقد وهم فيه قتيبة، وأسقط منه أبا رهم والعرياض

”اس روایت میں قتیبہ کو وہم ہوا اور انہوں نے ابو رہم اور عرباض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہیں

کیا۔“ (تاریخ الاسلام) ج ۲ ص ۵۴۰)

اگر موصوف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس سے پہلے والی بالکل متصل عبارت پر نظر کرتے اور سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو کبھی ایسی بات نہ کرتے، البتہ تعصب کچھ بھی کروا سکتا ہے۔

نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث پر نہیں خاص قتیبہ کے طریق کے بارے میں یہ بات بیان کی ہے۔ موصوف کی ذکر کردہ عبارت کے فوراً بعد حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:



فقد رواه آدم بن أبي اياس، وأسد بن موسى، وأبو صالح وغيرهم، عن الليث، عن معاوية، عن يونس، عن الحارث، عن أبي رهم، عن العرباض بن سارية، وهو الصواب بهينه أبو نعيم وغيره.

”اس حدیث کو آدم بن ابی ایاس، اسد بن موسیٰ، اور ابو صالح وغیرہ نے لیث از معاویہ از یونس از حارث از ابو رهم از عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کیا ہے، یہی درست ہے جیسا

کہ ابو نعیم وغیرہ نے بیان کیا ہے۔“ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۱۲)

حدیث مسلمہ بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فیضی صاحب کے طعن

دکتر ساعدی کی پیروی میں موصوف ایسے بہکے کہ شاہد ذکر کرنے کے باوجود لکھتے ہیں کہ اس کے شواہد نہیں اور معاویہ بن صالح اس حدیث میں تنہا ہیں۔

موصوف نے خود مسلمہ بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔

پیچھے آپ اس حدیث کی تحقیق پڑھ چکے ہیں کہ ان کی ۱۱ حدیثیں سوائے انقطاع کے کوئی علت نہیں، اور انقطاع کی علت ایسی نہیں کے شاہد نہ بن سکے۔

کوئی بتا سکتا ہے؟

حافظ نور الدین الحیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

وجبلہ لم یسمع من مسلمة فهو مرسل، ورجاله وثقوا وفيهم خلاف

فیضی صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں:

”اس کے بعض راویوں کی توثیق کی گئی اور بعض میں اختلاف ہے۔“

کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ ”بعض راویوں کی توثیق اور بعض میں اختلاف“ کس جملے کا ترجمہ ہے؟

موصوف لکھتے ہیں:

”جب جبلہ نے مسلمہ بن مخلد سے نہیں سنا تو اس نے کسی اور شخص سے سنا ہوگا، وہ شخص کون

ہے؟ کچھ معلوم نہیں، اسی لیے امام ذہبی نے ایک مقام پر اس حدیث کو عن رجل (کسی شخص)

سے روایت کیا ہے، اور جب سند میں کوئی گناہ شخص ہو تو محدثین اسے مجہول قرار دیتے ہیں۔“

سوال یہ ہے کہ راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے حدیث میں کس طرح کا ضعف پیدا ہوتا ہے؟ کیا

وہ موضوع ہو جاتی ہے؟ کیا وہ شاہد بننے کے لائق نہیں رہتی؟ کیا آپ کو یہ باتیں معلوم ہیں؟

موصوف لکھتے ہیں: امام ذہبی ایک اور مقام پر اسی سند کے ساتھ یہ حدیث لائے ہیں اور وہاں اس حکم بھی بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں: لا یعرف والخبر منکر بمرۃ وہ شخص جانا نہیں گیا، اور یہ حدیث منکر ہے۔ (۸۲)

اس کے بعد موصوف نے وہی عبارات نقل کی ہیں جو ہم ان کے حوالے سے ہم پیچھے ذکر کر آئے۔ شیخ عبد الفتاح کے مطابق بارہا ایسا ہوتا ہے کہ منکر پر موضوع کا اطلاق کر دیتے ہیں، پھر موصوف لکھتے ہیں: ”اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ امام ذہبی نے اس حدیث کو منکر قرار دیا، اور چونکہ اکثر یہ لفظ حدیث موضوع کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو موضوع ہی سمجھا ہے، چنانچہ وہ امام ذہبی کے حکم کو برقرار رکھتے ہوئے مزید لکھتے ہیں: ولعل الآفة فی الحدیث من الرجل المجهول شاید اس حدیث میں آفت مجہول شخص سے ہے۔ اس عبارت میں لفظ آفة کا استعمال ضعف حدیث کے لیے نہیں بلکہ اظہار وضع کے لیے ہے، چنانچہ برہان الدین حلبی اور علامہ ابن عراق الکنانی لفظ آفة کی اصطلاحی توضیح میں لکھتے ہیں: فهذه کنایة عن الوضع یہ حدیث گھڑنے سے کنایہ ہے۔

(الكشف الحثیث عن رمی بوضع الحدیث ص ۹۰ تنزیہ الشریعة المرفوعة ج ۱ ص ۳۴) (الاحادیث الموضوعات ص ۸۳)  
قارئین! قبل اس کے کہ ہم موصوف کی ایک اور خیانت آپ کے سامنے ظاہر کریں، اولاً تو حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس حدیث کے حوالے سے کیا موقف ہے، وہ پہلے ہی ہم بیان کر چکے ہیں، سیر اعلام النبلاء میں مذکورہ حدیث اور بعض دیگر احادیث ذکر کرنے کے بعد حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: فهذه أحادیث مقاربة یہ احادیث صحت کے قریب قریب ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۲۷)

### ایک اور خیانت

موصوف نے الکشف الحثیث اور تنزیہ الشریعة کی عبارت میں بدترین خیانت کا مظاہرہ کیا ہے۔ الکشف الحثیث کی مکمل عبارت یہ ہے:

فهذه کنایة عن الوضع، ويحتمل أن یزید آفته فی نكارته، أو غیر ذلك. والله أعلم  
”یعنی آفة کا کلمہ یہ وضع سے کنایہ ہے، اور اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ اس کی آفت اس کی نکارت کے سبب ہو، اور اس کے علاوہ اور بھی احتمالات ہیں۔ واللہ اعلم“ (الكشف الحثیث ص ۹۰)

جبکہ تزیہ الشریعہ میں الکشف الحشیث کی عبارت نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے:

إن قالوا: موضوع أو باطل آفته فلان، فهو كناية عن الوضع، وإن قالوا: منكر آفته  
 فلان، فمرادهم آفته في نكارتة، وإن قالوا: آفته فلان فقط، فهذا محل التردد والله  
 أعلم.

”اگر محدثین موضوع یا باطل کہیں (اور اس پر) کہیں اس کی آفت فلاں ہے تو یہ وضع سے کنایہ ہوگا، اور کہیں کہ یہ منکر ہے اس کی آفت فلاں ہے، تو ان کی مراد اس کی نکارت میں آفت کا ہونا ہے، اور اگر فقط اس کی آفت فلاں کہے تو یہ محل تردد ہے۔ واللہ اعلم“

(تنزيه الشريعة المرفوعة) (ج ١ ص ٣٤)

ملاحظہ فرمائیں کہ حافظ ابن عراق الکنانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: محدثین نے اگر اس حدیث کو موضوع یا باطل کہا اور راوی کے بارے میں کہا کہ اس کی آفت یہ راوی ہے تو وضع سے کنا یہ ہوگا یعنی اس پر اس حدیث کے وضع تہمت ہوگی، اور اگر اس حدیث کے بارے میں یہ فرمایا: یہ منکر ہے اور راوی کے بارے میں کہا کہ یہ اس کی آفت ہے تو اب ان کی مراد اس میں نکارت ہوگی، لہذا اگر یہاں مجھول راوی کے سبب جو ضعف آیا بھی ہے تو وہ ہرگز موضوع نہیں، لیکن موصوف نے کیسی خیانت کی صرف ابتدائی جملہ ذکر کر دیا حالانکہ اگلے جملے سے خود ان کی تحقیق کے مطابق اس حدیث سے موضوع ہونے کی نفی ہو رہی ہے۔ واقعی۔۔۔ ت۔۔۔ م۔۔۔ کی اصطلاح میں اس کو تحقیق کہتے ہیں۔

جبلہ بن عطیہ ثقہ راوی ہیں، خود حافظ ذہبی نے ان کو الکاشف میں ثقہ قرار دیا اور تہذیب تہذیب الکمال میں یحییٰ بن معین سے ان کی توثیق نقل کی ہے۔ (تہذیب تہذیب الکمال) ج ۲ ص ۱۱۸ رقم ۹۰۱)

حافظ ذہبی نے یہاں میزان میں جبلہ کو غیر معروف قرار دیا ہے اور خبر کو منکر کہا ہے، حالانکہ جبلہ معروف ہیں اسی لیے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام پر یہ لکھا:

ولعل الآفة في الحديث من الرجل المجهول، فأما جبله فنقل ابن أبي حاتم توثيقه

عن ابن معين

”شاید حدیث میں علت مجہول راوی کی طرف سے ہے، بہر حال جبکہ تو ابی حاتم نے یہی بن معین سے ان کی توثیق نقل کی ہے۔“ (لسان المیزان) ج ۲ ص ۴۲۰ رقم ۱۷۶۵

اصل نکارت جہالت راوی کی وجہ سے ہے، اور جہالت راوی یا انقطاع کے سبب زیادہ سے زیادہ روایت اس سند سے ضعیف قرار پائے گی۔

### ناصبیت کے الزام کی انتہاء

بعدہ موصوف نے حریر بن عثمان الرجبی کی سند سے مرسل حدیث ذکر کی ہے، اور حریر بن عثمان الرجبی پر ناصبی کی جرح نقل کی ہے، اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ حدیث ”اللہم علم معاویۃ الكتاب الخ“ کی کوئی کل بھی سیدھی نہیں، اس کی ہر سند میں کوئی نہ کوئی ایسا راوی ضرور ہے جس کا سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عداوت تھی۔“

لعنت اللہ علی الکذابين: ذرا بیان کریں حضرت عرباض بن ساریہ، حضرت مسلمہ بن مخلد اور ابو الرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیث میں کون سا راوی حضرت سیدنا مولا مشکل کشا مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عداوت رکھتا ہے؟

کہاں لکھا ہے کہ ہر شامی اور ہر حمصی نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عداوت رکھنے والا تھا؟ جب ان میں سے کسی بھی راوی پر کسی امام محدث نے ناصبیت کی جرح نہیں کی تو پھر آپ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ عداوت مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرض میں مبتلا تھے؟ کچھ تو روز محشر خدائے قہار کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کریں۔

الحمد للہ! اس حدیث کی تحقیق جو اوپر ہم نے ذکر کی ہے اور محدثین کرام کا اس حدیث کو اصح، صحیح، اور حسن کہنا ذکر کیا ہے، اسے پڑھ کر ہر منصف جان لے گا کہ یہ حدیث ہرگز موضوع نہیں، باقی رہا تعصب و اس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ البتہ موصوف کی خیانتیں اس حدیث کے حوالے سے بھی آپ کے سامنے ظاہر ہو گئیں، موصوف نے الکشف الحشیث اور تنزیہ الشریعہ کی ادھوری عبارت نقل کر کے قارئین کو دھوکہ دیا۔ قتیبہ کے طریق کے معضل ہونے کے اعتبار سے اس پر جرح کر دی حالانکہ تہذیب میں متصلا اس کی وضاحت موجود تھی۔

پھر منکر کے اطلاق میں کثیر اما کا معنی اکثر محدثین کے نزدیک کر ڈالا۔ فیصلہ قارئین خود کر لیں کیا حق کی جستجو رکھنے والا شخص اس طرح کر سکتا ہے؟ یہ صرف اور صرف وہ شخص کرے گا جس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سخت بغض ہو۔

پھر موصوف نے اپنے نامہ اعمال کو مزید سیاہ کرنے کے لیے اور ایک ثابت حدیث کو موضوع بنانے کے لیے دو آیات سے غلط استدلال کیا ایک سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۰:

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ.

اس کی تفسیر ہم ذکر کر چکے کہ اس میں ایک تفسیری قول کے مطابق تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان شامل ہیں، اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آسمان ہدایت کے چمکتے ستارے ہیں جنہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعائیں دیں، حاسدین کے حسد سے وہ اس آیت سے خارج نہیں ہو سکتے۔ دوسری آیت یہ ہے:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ

اس کے تحت موصوف لکھتے ہیں: غور فرمائیے! آیت میں مطلقاً صحابہ کے بعد آنے والوں کا ذکر نہیں بلکہ مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد آنے والوں کا ذکر ہے، لہذا کوئی صحابہ کے دور میں مہاجرین و انصار کے ساتھ بغض رکھے اور انہیں دھمکائے تو غل کینے کا مرتکب ہوگا۔ (صفحہ ۸۶)

اولاً تو اس آیت کی تفسیر میں اقوال مفسرین ملاحظہ فرمائیں کہ مفسرین اس سے یہ مراد لے رہے ہیں کہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے محبت رکھنا لازم، ان پر طعن و تشنیع کرنا حرام، اور جو ان میں سے کسی سے بغض رکھے، تو اس کے لیے مسلمانوں کو حاصل ہونے والے مال فیئ سے حصہ ہی نہیں ملے گا، اور موصوف فیضی اسی آیت کو حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرنے کے لیے متدل بنا رہے ہیں۔ یعنی ”خود بدلتے نہیں بدل دیتے ہیں قرآن“۔

علامہ ماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: بعد میں آنے والوں کی تعیین میں مفسرین کے دو قول ہیں:

أحدهما: أنهم الذين هاجروا بعده ذلك، قاله السدي والكلبي. الثاني: أنهم التابعون الذين جاءوا بعد الصحابة ثم من بعدهم إلى قيام الدنيا هم الذين

جاءوا من بعدهم، قاله مقاتل

”اس سے مراد سدی اور کلبی کے قول میں وہ مسلمان مراد ہیں جنہوں نے مہاجرین کے بعد ہجرت کی، جبکہ مقاتل کے قول میں اس سے مراد وہ تمام تابعین مراد ہیں جو صحابہ کرام کے بعد آئے، اور پھر ان تابعین کے بعد قیامت تک آتے رہیں گے۔“ (الکت والعیون) ج ۵ ص ۵۰۷

فقہ ابو الیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یعنی التابعین ویقال یعنی الذین ہاجروا من بعد الأولین..... وفي الآية دليل أن من ترحم على الصحابة واستغفر لهم، ولم يكن في قلبه غل لهم، فله حظ في المسلمين وله أجر مثل أجر الصحابة، ومن شتمهم أو لم يترحم عليهم أو كان في قلبه غل لهم ليس له حظ في المسلمين، لأنه ذكر للمهاجرين فيه حظ، ثم ذكر الأنصار، ثم ذكر الذین جاؤوا من بعدهم، وقد وصفهم الله بصفة الأولین إذ دعا لهم.

”یعنی والذین جاؤوا سے مراد تابعین ہیں (لہذا پہلی دو آیتوں میں تمام صحابہ مراد ہیں) اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ہیں جو پہلے ہجرت کرنے والوں کے بعد ہجرت کرنے والے ہیں، اور اس آیت میں دلیل ہے جو صحابہ پر رحمت کی دعا کرتا ہے، ان کے لیے استغفار کرتا ہے، اور ان میں کسی کے لیے اس کے دل میں کینہ نہ ہو تو اس کے لیے مسلمان کے مال فیئ میں سے حصہ ہے، اور اس کے لیے صحابہ کے اجر کی طرح اجر ہے، اور جو ان کو گالیاں دے یا ان کے لیے رحمت کی دعا نہ کرے، یا اس کے دل میں ان کے لیے بغض ہو تو اس کا مسلمانوں میں کوئی حصہ نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کا مال فیئ میں سے حصہ ذکر کیا، پھر انصار کے لیے مال فیئ میں سے حصہ ذکر کیا، پھر ان لوگوں کے لیے جو ان کے بعد آئے اور ان کے لیے پہلوں کی طرح ہی حصہ ذکر کیا جب کہ وہ ان کے لیے استغفار کریں۔“

(تفسیر بحر العلوم) ج ۲ ص ۱۰۶

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

فمن ترحم على أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، ولم يكن في قلبه

غُلَّ لَهُمْ، فَلَهُ حَظٌّ مِنْ فِيءِ الْمُسْلِمِينَ، وَمِنْ شَتْمِهِمْ وَلَمْ يَتَرَحَّمْ عَلَيْهِمْ، وَكَانَ فِي قَلْبِهِ  
 غُلٌّ لَهُمْ، فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَهُ حَقًّا فِي شَيْءٍ مِنْ فِيءِ الْمُسْلِمِينَ بِنَصِّ الْكِتَابِ، وَكَذَلِكَ رَوَى  
 عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ تَنَقَّصَ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
 اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلَهُ وَسَلَّمَ، أَوْ كَانَ فِي قَلْبِهِ عَلَيْهِمْ غُلٌّ، فَلَيْسَ لَهُ حَقٌّ فِي فِيءِ  
 الْمُسْلِمِينَ، ثُمَّ تَلَاهُ هَذِهِ الْآيَاتِ

”جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے لیے رحم کی دعا کرے، اور اس کے  
 دل میں ان کا کینہ نہ ہو، تو اس کے لیے مسلمانوں کے مال فئی میں سے حصہ ہے، اور جو انہیں  
 گالیاں دے اور ان پر رحم کی دعا نہ کرے، اور اس کے دل میں ان کے لیے کینہ ہو تو قرآن کی  
 نص سے ثابت ہے کہ اس کے لیے مسلمانوں کے مال فئی میں کوئی حصہ نہیں، اسی طرح امام  
 مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے  
 اصحاب کی تنقیص کرے، یا اس کے دل میں ان کے لیے کینہ ہو اس کا مسلمانوں کے مال فئی  
 میں کوئی حصہ نہیں، پھر انہوں نے یہی آیت پڑھی۔“ (تفسیر زاد المسیر ج ۸ ص ۲۱۶)  
 امام قرطبی فرماتے ہیں:

هَذِهِ الْآيَةُ دَلِيلٌ عَلَى وَجوب محبة الصحابة. لأنه جعل لمن بعدهم حظاً في الفيء ما  
 أقاموا على محبتهم وموالاتهم والاستغفار لهم، وأن من سبهم أو واحد منهم أو  
 اعتقد فيه شراً أنه لا حق له في الفيء، روى ذلك عن مالك وغيره. قال مالك: من كان  
 يبغض أحداً من أصحاب محمد صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، أو كان في قلبه عليهم  
 غل، فليس له حق في فيء المسلمين، ثم قرأوا الذين جاؤ من بعدهم الآية.

”اس آیت میں صحابہ سے محبت کے واجب ہونے پر دلیل ہے، اس لیے کہ ان کے بعد والوں  
 کے لیے مال فئی میں حصہ اس وقت رکھا گیا ہے جب وہ ان سے محبت و موالاة اور ان کے لیے  
 استغفار پر قائم رہیں، اور یہ کہ جو ان کو یا ان میں سے کسی ایک کو سب و شتم کرے یا ان کے  
 بارے میں برا اعتقاد رکھے اس کے لیے مال فئی میں سے کوئی حصہ نہیں، یہ بات امام مالک  
 وغیرہ سے مروی ہے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم کے اصحاب میں سے کسی ایک سے بغض رکھے یا اس کے دل میں ان کا کینہ ہو تو مسلمانوں کے مال فیکے میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔“ (تفسیر احکام القرآن للقرطبی ج ۱۸ ص ۳۲)

علامہ ابن عادل رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقال العوام بن حوشب: أدركت هذه الأمة يقولون: اذكروا محاسن أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم حتى تتألف عليهم القلوب، ولا تذكروا ما شجر بينهم فتجاسر الناس عليهم.

”حضرت عوام بن حوشب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے اس امت کو یہی کہتے ہوئے پایا ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی خوبیاں ذکر کرو حتیٰ کہ لوگوں کے دل ان سے محبت کرتے رہیں، ان کے آپس کے جھگڑوں کو ذکر نہ کرو کہ لوگ ان پر جرأت کریں۔“

(المہاب فی علوم الکتاب ج ۱۸ ص ۵۹۸)

یہ مفسرین کی تفسیر تھی اور ایک تفسیر فیضی صاحب کی ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مہاجرین اور انصار کے ساتھ بغض رکھنے والا، انہیں دھمکانے والا بنا کر اس آیت سے خارج کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے، باقی انصار سے حسن سلوک پر انہوں نے چونکہ علیحدہ سے اعتراض کیے ہیں وہیں ان کا تفصیلی جواب کریں گے۔ البتہ اتنا واضح ہے کہ ان کی یہ تفسیر مفسرین کی بیان کردہ وضاحت کے صریح خلاف ہے۔

حدیث: ”اللہم املأہ علما وحلما“

ایک اور حدیث جس میں نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علم کی دعادی اسے بھی ملاحظہ فرمائیں: امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب التاريخ الکبیر میں فرماتے ہیں:

قال لی إسحاق بن یزید: نا محمد بن مبارک الصوری، قال: نا صدقة بن خالد، قال: حدثنی وحشی بن حرب بن وحشی، عن أبيه، عن جده، قال: کان معاویة ردف النبی -صلى الله تعالى عليه وآله وسلم- فقال: ((یا معاویة ما یلیینی منک؟)) قال: بطنی، قال: ((اللہم املأہ علما وحلما)) (التاريخ الکبیر ج ۸ ص ۶۸ رقم السلسل ۱۱۹۲۶)

”امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مجھ سے اسحاق بن یزید نے کہا، وہ محمد بن مبارک الصوری سے، وہ صدقہ بن خالد سے، وہ وحشی بن حرب بن وحشی سے، وہ اپنے والد اور وہ ان



کے دادا حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھے تھے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے معاویہ تیرا کونسا حصہ مجھ سے ملا ہوا ہے؟“ انہوں نے عرض کی: پیٹ، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی: ”اے اللہ اس کو علم اور حلم سے بھر دے۔“

اس حدیث کے پہلے راوی اسحاق بن ابراہیم بن یزید بعض اوقات ان کو ان کے دادا کی طرف منسوب کرتے ہوئے ان کو اسحاق بن یزید بھی کہا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں تقریباً پچاس احادیث ان سے روایت کی ہیں، امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے، ابوسعہر، ابوعلی الجبائی، امام ابوزرعہ رازی، امام نسائی، امام دارقطنی وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب الحدیث ج ۳ ص ۲۳۹، ۲۶۰) حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

اسحاق بن ابراہیم بن یزید أبو النضر الفرادسی، عن إسماعیل بن عیاش وابن أبي حازم، وعنه البخاری، وأبو داود، وأحمد البسری، وعدة ثقة بکاء۔

”اسحاق بن ابراہیم بن یزید ابو النضر الفرادسی: اسماعیل بن عیاش اور ابن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے امام بخاری، امام ابو داود، احمد البسری اور ایک جماعت نے روایت کیا ہے، یہ ثقہ راوی اور بہت زیادہ گریہ وزاری کرنے والے تھے۔“

(الکاشف ج ۱ ص ۹۳ رقم ۲۷۹)

دوسرے راوی محمد بن مبارک الصوری ہیں: امام عجل، ابو حاتم، ابن شاہین، امام ابن حبان، حافظ خلیلی نے ان کو ثقہ کہا ہے، ابن حبان لکھتے ہیں: ”کان من العباد، بہت زیادہ عبادت کرنے والوں میں سے تھے، امام ذہلی فرماتے ہیں: ”کان أفضل من رأیت بالشام میں نے ملک شام میں سب سے افضل ان کو ہی دیکھا ہے۔“ (المرج والتعلیل ج ۸ ص ۱۰۴) (الثقات لابن حبان ج ۹ ص ۷۱ رقم ۱۵۲۳۹) (الثقات للعجل ج ۲ ص ۲۵۱ رقم ۱۶۴۳) (تہذیب الحدیث ج ۷ ص ۳۹۹-۴۰۰ رقم ۱۵۱۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

محمد بن المبارک الصوری نزیل دمشق القلانسی القرشی ثقة محمد بن المبارک الصوری نزیل دمشق، القلانسی القرشی، ثقہ راوی ہیں۔ (تقریب الجہذیب ص ۵۳۴ رقم ۱۱۶۱۲)

تیسرے راوی ہیں صدقہ بن خالد: امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، دحیم، ابن نمیر، عجل، محمد بن سعد ابوزرعة، ابو حاتم رازی، امام ابوداؤد، امام ابن حبان، امام نسائی، اور ابن عمار نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ج ۱ ص ۳۰۰ رقم ۴۹۲) (تاریخ یحییٰ بن معین رولۃ الداری ص ۱۳۳ رقم ۴۲۹) (المیزان والتعذیل ج ۴ رقم ۱۸۹۱) (تاریخ أسماء الثقات ص ۱۶۹ رقم ۶۱۰) (تہذیب الجہذیب ج ۴ ص ۳۹-۴۰ رقم ۲۹۹۰)

ان کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

صدقہ بن خالد الأموی مولاہم، أبو العباس الدمشقی، ثقة.

”ابو العباس صدقہ بن خالد الاموی امویوں کے آزاد کردہ غلام ہیں، دمشقی ہیں، اور ثقہ راوی

ہیں۔“ (تقریب الجہذیب ص ۳۰۹ رقم ۲۹۱۱)

چوتھے راوی وحشی بن حرب بن وحشی ہیں: یہ صحابی رسول حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے

ہیں، امام عجل اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(کتاب الثقات للعجل ج ۲ ص ۳۴۰ رقم ۱۹۳۶) (کتاب الثقات لابن حبان ج ۷ ص ۵۶۴ رقم ۱۱۴۸۹)

ان کے بارے میں اور ان کے والد کی توثیق و تحسین میں مزید کلام آگے آ رہا ہے۔

چھٹے راوی حرب بن وحشی ہیں۔ ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وذكره ابن حبان في الثقات وقال البزار: مجهول في الرواية، معروف في النسب.

”ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، اور بزار نے کہا کہ یہ روایت میں مجہول اور نسب

میں معروف ہیں۔“ (تہذیب الجہذیب ج ۲ ص ۲۰۹ رقم ۱۲۲۴)

حافظ ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

حرب بن وحشی بن حرب عن أبيه ما روى سوى ابنه وحشی الحمصي

”ان سے ان کے بیٹے وحشی الحمصي کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔“

(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۱۳ رقم ۱۷۷۸)

حافظ مغلطائی لکھتے ہیں:

وذكره الحاكم في كتابه الصحيح، وكذلك الدارمي، وذكره أبو حاتم بن حبان في  
جملة الثقات، وذكره بعض المتأخرين من المصنفين في جملة الضعفاء بغير  
مستند. والله أعلم.

”ان کو امام حاکم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا، اسی طرح دارمی نے، اور ابو حاتم ابن حبان نے ان کو  
ثقات کے زمرہ میں ذکر کیا ہے، بعض متأخرین نے بغیر کسی دلیل کے ان کو زمرہ ضعفاء میں  
ذکر کر دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم“۔ (اکمال تہذیب الکمال ج ۴ ص ۲۸ رقم ۱۲۳۱)

ساتویں راوی حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول ہیں۔

امام احمد، امام ابو داؤد، امام ابن ماجہ، امام طبرانی اور کثیر ائمہ نے اپنی کتب میں ایک حدیث مبارک  
روایت کی ہے:

عن وحشي بن حرب، عن أبيه، عن جده، أن رجلاً قال للنبي صلى الله تعالى عليه وآله  
وسلم: إنا نأكل وما نشبع، قال: ((فلعلكم تأكلون مفترقين، اجتمعوا على  
طعامكم، واذكروا اسم الله تعالى عليه، يبارك لكم فيه))

”وحشی بن حرب اپنے والد حرب سے وہ ان کے دادا حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے  
روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ ہم کھانا کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں  
ہوتے، ارشاد فرمایا: شاید تم متفرق ہو کر کھاتے ہو گے، مل کر کھایا کرو، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا  
نام لیا کرو، تمہارے لیے اس میں برکت دی جائے گی۔“

(سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۸۵ رقم ۳۷۵۸) (سنن ابن ماجہ ج ۴ ص ۲۱ رقم ۳۲۸۶) (المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم  
۳۶۸) (شعب الایمان ج ۵ ص ۷۵ رقم ۵۸۳۵) (الاحاد والثنائی ج ۱ ص ۳۵۹ رقم ۴۸۲)

حافظ عراقی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

أخرجه أبو داود، وابن ماجه من حديث وحشي بن حرب بإسناد حسن  
”اس حدیث کو امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ نے وحشی بن حرب سے سند حسن کے ساتھ روایت  
کیا ہے۔“ (المعجم عن حمل الأسفار ج ۱ ص ۳۴۹ رقم ۱۳۱۰)

حافظ عجلونی نے بھی کشف الخفا میں لکھا ہے: وسندہ حسن کما فی التخریج للعراقی اس کی

حسن ہے جیسا حافظ عراقی کی تخریج (حیاء العلوم) میں ہے۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۷ رقم ۱۰۵)

امام حاکم اور امام ضیاء المقدسی نے نیز امام احمد اور امام طبرانی نے وحشی بن حرب عن ابیہ عن جدہ کی روایت سے اپنی کتب میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سیف اللہ ہونے کی حدیث ذکر کی ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین ج ۵ ص ۱۹۶۵ رقم ۵۲۹۴) (الأحادیث المختارة ج ۱ ص ۱۳۱ رقم ۴۴) (مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۹)

رقم ۴۳) (المعجم الکبیر ج ۴ رقم ۳۷۹۸)

حافظ بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ مسند احمد اور طبرانی میں اس سند سے مروی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ورجالہا ثقات امام احمد اور امام طبرانی کے رجال ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۱۹ ص ۲۷۲ رقم ۱۵۸۵)

اسی طرح امام صالحی شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سبل الہدی والرشاد میں یہی حدیث روایت کی اور فرمایا: وروی الإمام أحمد والطبرانی برجال ثقات امام احمد اور طبرانی نے ثقہ رجال کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا۔ (سبل الہدی والرشاد ج ۱ ص ۳۴۲)

بالجملہ، تاریخ کبیر کی مذکورہ حدیث ان ائمہ کی تحت کے مطابق اقل درجہ حسن قرار پائے گی، اور اگر امام ابن حبان کی توثیق کا اعتبار نہ کیا جائے نہ ہی حافظ بیہقی و شامی کی توثیق سند کا اعتبار کیا جائے تو بھی زیادہ سے زیادہ اس حدیث کا سند معمولی ضعیف ہونا لازم آئے گا،

وحشی بن حرب سے اس حدیث کی روایت میں صدقہ بن خالد کی متابعت وحشی بن اسحاق نے بھی کی ہے۔ (الشریعة للاجری ج ۵ رقم ۱۹۲۰) (آمالی ابن بشران ص ۲۸۹ رقم ۱۵۳۲)

نیز صدقہ بن خالد سے محمد بن مبارک صوری کے علاوہ محمد بن عائد دمشقی، ابو مسھر، ابو بشر سلمہ بن بشر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ (معریۃ أسامی أرواف النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لابن مندہ ص ۳۴-۳۵) (الشریعة للاجری ج ۵ رقم ۱۹۲۰) (آمالی ابن بشران ص ۲۸۹ رقم ۱۵۳۲)

حافظ ابو حاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علل الحدیث میں ہارون البرکاء کے طریق سے روایت کیا ہے وہ صدقہ بن خالد سے وہ وحشی بن حرب سے وہ اپنے والد حرب سے مرسل اس کو روایت کرتے ہیں۔

(علل الحدیث ج ۲ ص ۳۶۸ رقم ۱۵۹۴)

حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی ہذا الباب۔

حافظ ابن مندہ رحمہ اللہ تعالیٰ بسند ضعیف حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ

رہتے ہیں:

کان معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رديفا للنبي - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم -

نقال: ((ما يلينى منك؟)) قال: بطني قال: ((ملا الله بطنك حلما))

”حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے استفسار فرمایا کہ تمہارے جسم کا کون سا حصہ مجھ سے ملا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کی، میرا پیٹ، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یوں دعا کی: اللہ تیرے پیٹ کو حلم سے بھر دے۔“

(معرفۃ أسامي أرواف النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ص ۳۶)

علامہ صالحی شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی سبل الہدی والرشاد میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس

حدیث کو ذکر کیا ہے۔ (سبل الہدی والرشاد ج ۷ ص ۳۸۱)

### محقق جدید کی تحقیق عجیب

محترم قارئین آپ نے اس حدیث کی تحقیق ملاحظہ فرمائی کہ یہ حدیث ہرگز موضوع نہیں، اب آئیں ظہور فیضی کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، پہلے تو موصوف نے علامہ ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب دامت برکاتہم العالیہ پر یہ اعتراض کیا انہوں نے بہت بڑے دعوے کرنے کے بعد یہ موضوع حدیث پیش کی۔“  
ان شاء اللہ عز وجل یہ تو ابھی ظاہر ہو جائے گا کہ فقط دعویٰ کرنے والے کون ہیں، اور مدعی کے لیے نیابت اور جہالت کا مظاہرہ کرنے والا کون ہے۔

موصوف لکھتے ہیں:

”یہ موضوع حدیث مولفین ”فیضان امیر معاویہ“ نے بھی بحوالہ ”الخصائص الکبریٰ“ اور امام آجری کی ”الشریعہ“ سے نقل کی ہے ان دونوں کتابوں میں یہ روایت بلا سند ذکر کی گئی ہے۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۹۴-۹۵)

یہاں فیضی صاحب نے متعدد جھوٹ بولے ہیں:

(۱): فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں صرف الخصائص الکبریٰ اور الشریعہ کا حوالہ نہیں بلکہ الکبیر للبخاری کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔

(۲): الشریعہ میں یہ حدیث بلا سند نہیں بلکہ دوستوں کے ساتھ مردی ہے۔ تخریج گزر چکی ہے۔

(۳): الخصائص الکبریٰ میں امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو التاریخ الکبیر کے حوالے سے نقل ہے، اور تاریخ کبیر میں اس کی سند مذکور ہے۔

اب ذرا موصوف سے پوچھا جائے اس کذب بیانی کی وجہ کیا ہے؟

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا: اس کی سند میں غلطی ہے۔

کیا نظر ہے اوپر سند کی تحقیق ہو چکی ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ حرب بن ابی ربیع کے بارے میں امام بزار کا کلام ہے، لیکن ان کے مقابل اجلہ ائمہ نے ان کی سند کے رجال کو ثقہ، اور سند حسن کہا ہے۔

موصوف ظہور فیضی ”سند میں نظر“ کی وجہ لکھتے ہیں: اس سند میں جس شخص کو التاریخ الکبیر للبخاری میں وحشی سے سماعت کرنے والا بتایا گیا ہے وہ صدقہ بن خالد الاموی ہے یہ معاویہ کی بہن کا غلام تھا، اس کی پیدائش ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۳۵ جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے مطابق وحشی سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک حیات رہا، جس کا اختتام ۳۵ھ میں ہوا اور صلاح الدین ظہیر بن ابیک صفدی نے وحشی کی موت ۵۰ھ میں لکھی ہے۔ الوانی بالوفیات للصفدی ج ۱ ص ۲۵۳ سوچئے! صدقہ بن خالد نے یہ روایت بقول حافظ عسقلانی ۸۳ برس اور بقول صفدی ۶۸ سال اپنی پیدائش سے قبل وحشی سے کیسے سن لی تھی؟ (الاحادیث الموضوعات ۹۵)

ہوش میں جو نہ ہو، کیا نہ کرے۔

واہ! کیا شاندار تحقیق ہے! جناب یہ حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہیں ان کا نام بھی وحشی بن حرب ہے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ اوپر گزر چکا ہے۔ موصوف نے پوتے کو دادا بنا دیا، حالانکہ امام بخاری نے واضح طور وحشی بن حرب عن ابیہ عن جدہ لکھا ہے۔

موصوف کی تحریف بنام تحقیق کے مطابق حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صحابی ہیں نے

اگر یہ حدیث اپنے والد حرب سے روایت کی ہے جس کے بارے میں ظاہر یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہی مرگیا ہوگا، اور اس نے حضرت وحشی کے دادا سے روایت کی ہے جو شاید نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے بھی پہلے مرگیا ہوگا، اور وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث روایت کر رہا ہے، کیا بات ہے پھر تو حدیث کے موضوع ہونے میں کیا شک رہا۔ اسے کہتے ہیں تحقیق!

موصوف لکھتے ہیں: اس سند میں دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس کے تمام راوی یا تو شامی اور اموی ہیں یا پھر امویوں کے غلام ہیں۔

سبحان اللہ! کیا شاندار اعتراض ہے! کیا محدثین نے کسی کتاب میں یہ اصول لکھا ہے کہ شامی اور اموی راوی اگرچہ عادل و ضابط ہو، ناصبیت کی تہمت سے بری ہو اس کی روایت فضائل امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں قبول نہیں کی جائے گی؟

اوپر ہم تمام راویوں پر محدثین کے اقوال ذکر کر چکے ہیں۔

حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

موصوف لکھتے ہیں:

”خود وحشی بھی اموی غلام تھا، یہ وہی ہے جس نے سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسے منہ نہیں لگاتے تھے، یہ اکثر نشہ میں دھت رہتا تھا، حتیٰ کہ اس کی موت بھی حالت نشہ میں ہوئی تھی“۔ (الاحادیث الموضوعات ۹۶)

نعوذ باللہ من ذلک! حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو گناہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمادیا، کثیر مفسرین نے سورہ زمر کی آیت ۵۳ کا ایک شان نزول یہی لکھا ہے کہ یہ آیت انہی حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھی، آیت یہ ہے:

((قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ)) (سورۃ الزمر آیت ۵۳)

(ترجمہ کنز الایمان:) ”تم فرماؤ اے میرے وہ بندو، جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔“ (المنہج فی علوم الکتاب ج ۱ ص ۵۲۸) (تفسیر القرطبی ج ۱۵ ص ۲۶۸) (الکت والعیون

ج ۵ ص ۱۳۱) (تفسیر البغوی ج ۴ ص ۹۴) (الہدایۃ الی بلوغ النہایۃ للإمام أبی طالب المکی ج ۱ ص

۶۲۹۳) (تفسیر النسفی ج ۳ ص ۱۸۷) (درج الدرر فی تفسیر الآی والسور لعبد القاہر الجرجانی ج ۲ ص ۵۳۳)

جب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اسلام کو قبول کر لیا، تو آپ کون ہوتے ہیں ان کے بارے میں اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے والے؟  
صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ مختلف صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: حتی کہ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے قبل اسلام حضرت سیدنا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا اور بعد اسلام اجنبی الناس خبیث مسیلمہ کذاب ملعون کو واصل جہنم کیا، وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خیر الناس وشر الناس کو قتل، ان میں کسی کی شان میں گستاخی، تبرا ہے، اور اہل کا قاتل رافضی، اگرچہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی توہین کی مثل نہیں ہو سکتی۔

(بہار شریعت حصہ ۱ ص ۱۵۲)

امام ابن امیر الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقال السبکی: والقول الفصل أنا نقطع بعد التهم من غير التفات إلى هذيان الهاذين وزیغ المبطلين. وقد سلف اکتفاؤنا فی العدالة بتزكية الواحد منا فكيف بمن زكاهم علام الغيوب الذي لا يعزب عن علمه مثقال ذرة في الأرض ولا في السماء في غير آية. وأفضل خلق الله الذي عصبه الله عن الخطأ في الحركات والسكنات محمد صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في غير حديث، ونحن نسلم أمرهم فيما جرى بينهم إلى ربهم جل وعلا، ونبرأ إلى الملك سبحانه من يطعن فيهم ونعتقد أن الطاعن على ضلال مهين وخسران مبين.

”امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قول فیصل یہ ہے کہ ہم صحابہ کی عدالت کو قطعاً مانتے ہیں، اور بکنے والوں کی بکواس، باطل لوگوں کے ٹیڑھ کی طرف کوئی التفات نہیں کرتے، باب عدالت میں ہمارا کسی ایک تعدیل پر کفایت کرنا گزر چکا ہے، تو ان کا کیا کہنا جن کی تعدیل، اس علام الغیوب نے متعدد آیات میں کی ہے، جس کے علم سے زمین و آسمان کا کوئی ایک ذرہ بھی چھپا نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب افضل ہستی نے اپنی متعدد احادیث میں ان کی



تعدیل کی ہے، جن کی تمام حرکات و سکنات کو اللہ تعالیٰ نے خطائے محفوظ رکھا یعنی سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور ہم ان کے آپس کے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے لیے ان تمام لوگوں سے برات اختیار کرتے ہیں جو ان پر طعن کرتے ہیں، اور ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں، کہ طعن کرنے والا، ذلت آمیز گمراہی پر اور کھلے خسارے میں ہے۔

(التقریر والتجیر ج ۲ ص ۳۴۷)

### نشئی کی طرف سے نشے کے الزام کی تحقیق

ان کے نشے کے بارے موصوف فیضی نے دو روایت ذکر کی ہیں اور دونوں ہی سندا مجروح ہیں، ان پر تو سند صحیح سے الزام ثابت کر نہیں کر سکے، البتہ خود بنجانے کون سے نشے میں تھے، کہ پوتے اور دادا میں ہی فرق نہ کر سکے۔ پہلا قول موصوف نے لکھا:

”سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ما زالت لوحشی فی نفسی حتی أخذ قد شرب الخمر بالشام فجلد الحد فحطت عطاءہ  
الی ثلاث مائۃ وکان فرض له عمر فی الفین

”ہمیشہ میرے دل میں وحشی کے لیے کھٹکا سا رہا، یہاں تک کہ وہ پکڑا گیا، اس نے شام میں شراب پی تو اس پر حد لگائی گئی، پھر میں نے اس کا وظیفہ تین سو تک محدود کر دیا، راوی کہتے ہیں اس سے قبل سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دو ہزار وظیفہ والوں میں شامل کر رکھا تھا۔“

(تہذیب الکمال ج ۳۰ ص ۴۳۰) (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۷۱۰) (الاحادیث الموضوعات ۹۶)

اقول وباللہ التوفیق! تہذیب الکمال میں یہ قول یونس بن ابوالحق سے مروی ہے اور وہ اپنے والد یعنی عمرو بن عبد اللہ بن عبید اللہ انی کوئی، سے نقل کرتے ہیں اور عمرو بن عبد اللہ کی ولادت ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۷۲ رقم ۵۲۳۶) تو انہوں نے کہاں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان سن لیا؟

نیز یہ قول بالسند تاریخ دمشق میں مذکور ہے۔ (تاریخ دمشق ج ۶۲ ص ۹۱۹)

اور وہاں اس میں ایک راوی احمد بن عبد الجبار العطار دی ہیں جو ضعیف راوی ہیں۔

(تقریب التہذیب ص ۱۱۹ رقم ۶۴)

لہذا اس قول کی تو سند ابھی کوئی حیثیت نہ رہی۔

دوسرا قول موصوف ذکر کرتے ہیں:

”امام علاؤ الدین مغلطائی حنفی لکھتے ہیں: قال ابن شہاب: مات غرقاً فی الخمر زعموا ابن شہاب فرماتے ہیں: لوگوں نے کہا: وہ شراب میں غرق ہونے کی حالت میں مرا تھا۔“

(الاحادیث الموضوعة ص ۹۶)

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ نے الاستیعاب میں نقل کیا ہے اور موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا ہے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الصحاب ۴: ص ۱۵۶۵)

حافظ ابن عبد البر اور موسیٰ بن عقبہ کے مابین تقریباً دو سو سال سے زیادہ کا وقفہ ہے، (موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ۱۴۱ھ میں ہوا، اور حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت ۳۶۸ھ میں ہوئی) درمیان سے سند موجود ہی نہیں، پھر ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کا گمان بتا رہے ہیں، پھر امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت بھی سن ۵۱ھ میں حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد ہوئی۔ یہ سند کا حال ہے، اور موصوف ایسی مردود بات لے کر ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کر رہے ہیں۔ قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ جہاں بات فضائل کی آتی ہے موصوف ثابت احادیث کو بھی اپنی ہوس سے باطل ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں، لیکن جہاں صحابہ پر طعن کرنے کی بات آتی ہے تو منقطع ضعیف اقوال بھی ان کو محبوب و قبول ہوتے ہیں۔

حالت تحقیق دیکھیں اور تعلیایں ملاحظہ فرمائیں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”لہذا خود سوچئے کہ التاریخ الکبیر میں درج شدہ ایک ایسی روایت کیونکر قبول ہو سکتی ہے جس میں دو راویوں کے درمیان ۶۸ یا ۸۳ سال کا فرق ہے؟ قارئین کرام! مقام غور ہے کہ آسمانی کتابیں یکساں معتبر نہیں ہیں، لیکن کنز العلماء صاحب کا کمال دیکھئے کہ وہ امام بخاری کی تمام کتابوں کو یکساں معتبر قرار دے رہیں! کیا علماء حق سے ایسی مغالطہ آفرینی کی توقع کی جاسکتی

ہے؟“ (الاحادیث الموضوعة ص ۹۸)

کچھ سوالات ہمارے بھی ہیں۔

جی قارئین کرام! انہی کے انداز میں آپ سے التماس ہے کہ مقام غور ہے کہ پوتے کو دادا بنا کر پیش کرنا اور راوی کو بدل دینا کیا ان سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے؟ جی ہاں کی جاسکتی ہے، کیونکہ بغیر خیانت کے یہ اپنا مقصود کبھی ثابت ہی نہیں کر سکتے۔

کتاب ”فیضان امیر معاویہ“ میں تاریخ الکبیر کا حوالہ موجود تھا، پھر اس کا تذکرہ نہ کرنا کس وجہ سے؟ تاکہ لوگوں کو فریب دے سکیں کہ جن کتب سے فیضان امیر معاویہ میں حدیث ذکر کی گئی ہے وہاں بلا سند حدیث ہے۔ کیا علمائے حق سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے؟

پھر یہ کہنا کہ الشریعہ میں یہ حدیث بلا سند ہے، حالانکہ وہاں دو سندوں کے ساتھ یہ حدیث موجود ہے ایسا کیوں؟ کیا اس کی ان سے توقع کی جاسکتی ہے۔

موصوف لکھتے ہیں:

”یادر ہے کہ وحشی بھی فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے تھا، لہذا اس کا شمار طلقاء میں ہوتا ہے، جبکہ عند المحدثین اسے صحابی سمجھا جاتا ہے اور بلاشبہ ہے صحابیت ایک رتبہ عظمیٰ تو لیکن ایسا لائسنس نہیں کہ آدمی جو چاہے کرتا رہے اس سے کوئی مواخذہ ہوگا اور نہ ہی کوئی حساب۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۹۶)

اقول وباللہ التوفیق! اولاً: کیا یہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ بالفرض اگر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی گناہ ثابت ہو تو اس وجہ سے ان پر طعن و تشنیع کی جائے گی؟ یہاں تو آپ نے صرف تہمتیں ہی لگائی ہیں ضعیف اور منقطع اسانید سے اقوال ضعیفہ مردودہ ذکر کیے ہیں۔

ثانیاً: اگر مواخذہ ہوگا تو یہ مواخذہ کیا آپ کریں گے؟ یا ان کا رب عزوجل؟ اگر فیصلہ ان کا رب کرے گا تو نہیں ان کا رب کیا ارشاد فرماتا ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (سورة الحديد ۱۰)

(ترجمہ کنز الایمان:) ”تم میں برابر نہیں جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔“

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”مشاجرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مداخلت حرام ہے، حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إذا ذكر أصحابي فأمسكوا جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو زبان کو روکو، دوسری حدیث میں ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: ستكون لأصحابي بعدی زلة يغفرها الله لهم لسابقهم. ثم يأتي من بعدهم قوم يكبهم الله على مناخرهم في النار

”قريب ہے کہ میرے اصحاب سے کچھ لغزش ہوگی جسے اللہ بخش دے گا اس سابقہ کے سبب جو ان کو میری سرکار میں ہے، پھر ان کے بعد کچھ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ ناک کے بل جہنم میں اوندھا کر دے گا۔“

یہ وہ ہیں جو ان لغزشوں کے سبب صحابہ پر طعن کریں گے، اللہ عزوجل نے تمام صحابہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن عظیم میں دو قسم کیا: مؤمنین قبل فتح مکہ ومؤمنین بعد فتح، اول کو دوم پر تفضیل دی اور صاف فرما دیا۔ سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ اور ساتھ ہی ان کے افعال کی تفتیش کرنے والوں کا منہ بند فرما دیا۔ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرنے والے ہو، بایں ہمہ وہ تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا پھر دوسرا کون ہے کہ ان میں سے کسی کی بات پر طعن کرے، واللہ البہادی، واللہ تعالیٰ اعلم!

(فتاویٰ رضویہ ج ۲۹ ص ۳۲۶)

تو جناب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے مواخذے کی سوچیں، جان بوجھ کر، خیانت کرتے ہوئے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ پر تہمتیں لگا رہے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کا مواخذہ نہیں ہوگا؟

موصوف لکھتے ہیں:

”امام ذہبی اس موضوع روایت کو نقل کرنے کے بعد صالح جزرہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں

کہ انہوں نے کہا: وحشی اور اس کے باپ میں مت مشغول ہو۔ (تاریخ الاسلام للذہبی ج ۴

ص ۳۱۰) راقم الحروف کا خیال ہے کہ بعض کذاب قسم کے لوگوں نے اس حدیث کو وضع کر کے

اسے وحشی کی طرف منسوب کر دیا ہوگا، ورنہ نشہ میں دھت رہنے والے شخص کو ایسے دھندے

سے کیا سروکار۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۹۸)

معیار ایک ہی ہے۔

لعنة الله على شرکم! موصوف کو اصل تکلیف حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں ہے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیث روایت کی ہے، ورنہ یہی موصوف اپنی کتاب مناقب الزہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں ابن قیم کی کتاب تحفہ المودود سے نام کی تاثیر میں ایک طویل اقتباس نقل کرتے ہیں، اس میں ابن قیم نے حضرت وحشی کا نام صرف وحشی لکھا تھا جس کا ترجمہ موصوف کرتے ہیں: حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (مناقب الزہراء ص ۲۲) پھر اسی کتاب میں موصوف نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اور حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل کو بارگاہ مصطفوی علیہ الصلاۃ والسلام میں ناپسند ہونے کا تذکرہ کیا اور یہاں پانچ مقام پر حضرت وحشی کے نام کے ساتھ حضرت لکھا اور دو مقام پر ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی لکھا۔ (مناقب الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ص ۲۰۲-۲۰۳)

اُس مقام پر یہ وحشی حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے ہو گئے؟ اس لیے کہ وہاں فضیلت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی بات نہیں ہے۔ فتدبر!

امام ذہبی کے نزدیک حدیث مذکور کا حکم

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کو دیگر احادیث فضائل حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

فهذه أحادیث مقاربة (سیر أعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۲۷)

اس سے امام ذہبی کے نزدیک تو اس حدیث کا حکم ظاہر ہو گیا، ثانیاً صالح جزرہ کی اس بات کا کوئی اعتبار ہی نہیں، امام احمد، امام طبرانی، امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے ان کی حدیث کو روایت کیا جس کے رواۃ کو امام بیہقی اور امام شامی صالحی نے ثقات قرار دیا، امام حاکم، ضیاء المقدسی، امام حبان، نے ان کی حدیث کو روایت کیا جس کی سند کو حافظ عراقی اور حافظ عجلونی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حسن کہا ہے۔

خود امام ذہبی میزان الاعتدال میں صالح جزرہ کا قول نقل کرنے کے بعد اس پر استدراک فرماتے ہیں: قلت: خرج له أبو داود. مزید لکھتے ہیں: وقال العجلی: لا بأس به. (میزان الاعتدال ج ۷ ص ۱۲۱ رقم ۹۳۵۷)

لطف کی بات یہ ہے کہ موصوف ابھی تک وحشی بن حرب بن وحشی بن حرب کو حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سمجھے ہوئے ہیں، یعنی پوتے کو دادا، پھر اس کے بعد صالح جزرہ کا قول نقل کر رہے ہیں کہ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ کے ساتھ مشغول ہونے سے منع کر رہے ہیں، جبکہ وہ حرب بن حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باپ تھا ظاہر یہی ہے کہ وہ تو اسلام میں داخل ہی نہ ہوا تھا اس کے ہاتھ اشتغال بالروایۃ چہ معنی دارد۔ کیا کہنے اس تحقیق دلپذیر کے۔

باری آتی ہے عقل فیضی کی

موصوف لکھتے ہیں:

”اس روایت کو بیان کرنے والوں سے ہمارا سوال ہے کہ اگر یہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہے اور اس میں مذکور دعائے نبوی اللہم املأہ علما وحلما (اے اللہ اس کے پیٹ کو علم و حلم سے بھر دے) جناب معاویہ کے حق میں مقبول ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ موصوف دوسرے مسائل تو کیا ارکان حج کی ادائیگی میں بھی اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے محتاج ہوتے تھے؟ محدثین کرام نے لکھا ہے ایک مرتبہ انہوں نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا: اے ابواسحاق ہم ایسی قوم ہیں جنہیں اس جنگ نے حج سے دور رکھا، حتیٰ کہ ہم اس کی بعض سنتیں بھولنے لگے، لہذا آپ طواف شروع کریں، تو ہم آپ کے ساتھ طواف کرتے جائیں گے۔ تاریخ دمشق، مختصر تاریخ دمشق، البدایہ والنہایہ۔۔ ایمان سے بتلائیے! دعائے نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت جس شخص کا پیٹ علم سے بھر چکا ہو کیا وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے؟ کیا کبھی باب مدینۃ العلم سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کسی مسئلہ میں دوسرے کے محتاج ہوئے؟“۔ (الاحادیث الموضوعہ ص ۹۸-۹۹)

اقول وبالله التوفیق! اگر روایت کے اس حصے کو تسلیم کر بھی لیا جائے، تو اس سے آپ کا مدعی کسی صورت ثابت نہیں ہوتا، کہ ان امور میں نسیان انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی کو بھی لاحق ہو سکتا ہے، ثانیاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دعادی، اور یہ حدیث حسن سے ثابت ہے، جیسا کہ ہم اس حدیث کو بھی اور اس سے پہلے والی حدیث کو بھی ثابت کر آئے ہیں۔

خامسا: سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اجلہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے ہیں جنہوں نے ڈیڑھ سو سے زیادہ احادیث حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس امت تک پہنچائیں اور علم کو عام کیا۔

رابعاً: اجلہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین نے آپ سے احادیث طیبہ روایت کیں۔

خامساً: اپنی باری یعنی طعن کرنے میں آپ سند کی تحقیق کہاں بھول جاتے ہیں۔

عبد اللہ بن ابونجیح کے والد یسار المکی جو اس واقعے کو نقل کر رہے ہیں ان کا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع ثابت ہی نہیں، حافظ علائی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

یسار المکی أبو نجیح والد عبد اللہ قال أبو زرعة: روايته عن عمر رضي الله تعالى عنه مرسله. وكذلك عن سعد وغيره قاله في التهذيب

”یسار المکی ابونجیح جو عبد اللہ کے والد ہیں، ابو زرعه کہتے ہیں: ان کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت مرسل ہے، اسی طرح حضرت سعد وغیرہ سے بھی، (حافظ مزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے) یہ بات تہذیب الکمال میں بیان فرمائی ہے۔“ (جامع التحصیل ص ۳۰۳ رقم ۹۰۹)

تہذیب التہذیب میں ہے:

یسار أبو نجیح الشقفي مولى الاخنس بن شريق المكي. روى عن معاوية، وأبي هريرة، وأبي سعيد، وابن عباس وابن عمر، وعبيد بن عمير، وغيرهم وأرسل عن عمر، وسعد، وقيس بن سعد بن عباد، ومخرمة بن نوفل

”یسار ابونجیح ثقفی جو اخنس بن شریق مکی کے آزاد کردہ غلام ہیں، حضرت معاویہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابوسعید، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور عبید بن عمیر وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، اور حضرت عمر، حضرت سعد، حضرت قیس بن سعد بن عبادہ اور حضرت مخرمہ بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مرسل روایت کرتے ہیں۔“

(تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۹۳ رقم ۸۰۸۴)

قارئین محترم! موصوف کا علمی مقام آپ دیکھ چکے ہیں کہ بغیر جھوٹ بولے ان کا کام نہیں چلتا، واضح لکھی باتیں ان کو نظر نہیں آتیں، اور جہاں اپنی بات ثابت کرنی ہو تو کیسی ہی سند ہو چلے گی، یہ تمام باتیں

آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

موصوف نے یہاں مولائے کائنات مولا مشکل کشا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمیت کے مقابل پیش کیا ہے، یہ کتنی بڑی نادانی ہے، مولا علی مرتضیٰ مشکل باب مدینۃ العلم فداۃ روحی و قلبی، کا علم کہاں، ان کے مقابل حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کو تو کوئی نسبت ہی نہیں دی جاسکتی، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مسائل میں مولا مشکل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوالات کیا کرتے تھے، لوگوں کو ان سے جوابات حاصل کرنے بھیجتے تھے، موصوف فیضی کے حوالے سے ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ ان کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علمی اعتبار سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل لانا اب کے خلاف ہے، اب ان سے پوچھا جائے پھر آپ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو یقیناً حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علمی لحاظ سے بھی بہت کم ہیں، ان کے مقابل لا کر بے ادبی کا ارتکاب کیوں کر رہے ہیں۔؟ اصل یہ ہے کہ ان کو کسی سے محبت نہیں، صرف بغض سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور یہ محبت اہل بیت کی آڑ لے کر ان پر طعن کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام علیہم الرضوان بشمول حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغض سے

محفوظ رکھے۔ آمین!

جہان سے کسی اور کو دیں

موصوف لکھتے ہیں:

”خیال رہے کہ امام ابن عساکر نے فضائل معاویہ میں زیادہ سے زیادہ جن تین روایات کو کسی کھاتے میں رکھا ہے یہ روایت ان کے علاوہ ہے، لہذا یہ روایت ان کے نزدیک بھی قابل اعتبار نہیں۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۹۹)

ایسے دھوکے آپ عامۃ الناس کو تو دے سکتے ہیں، اہل علم آپ کے ان جہانوں میں آنے والے نہیں، صرف آپ کی تقلید جامد کرتے ہوئے جہل مرکب کا ارتکاب کرنے والے ایسی تحقیق سے خوش ہوں گے۔

امام ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ یہ ہیں: أصح ما روى في فضل معاوية. موصوف بھی اس کا



ترجمہ کرتے ہیں: معاویہ کی شان میں کسی حد تک تین احادیث قابل قبول ہو سکتی ہیں (ص ۴۱) کبھی اس کا معنی بیان کرتے ہیں: دو تین احادیث کو کسی نے کسی کھاتے میں ڈالنے پر مجبور ہو گئے (۵۵) اور یہاں بھی ترجمہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔

اصح کا ترجمہ اولی ثانیہ کے طلباء سے سیکھ لیں، امید ہے اتم تفصیل کا مفہوم اور اصح کا معنی وہ آپ کو بہتر سمجھادیں گے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محبوب خدا اور رسول عز وجل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان خوش بخت صحابہ میں شامل ہیں جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں، اب یہ معطیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کرم کی بات ہے وہ جس کو چاہیں نواز دیں، دوسرا کوئی کون ہوتا ہے اس پر اعتراض کرنے والا؟ یہ بات اظہر من الشمس بات ہے کہ محبوبیت کے درجات ہوتے ہیں، بارگاہ رسالت میں جو درجہ محبوبیت کا حضرت سیدنا مولا مشکل کشار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل تھا ظاہر ہے کہ اس کا فخر عشر بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے نہیں، لیکن ان کے دربار میں کوئی کسی بھی درجے میں محبوب ہو جائے تو کیا یہ بڑی بات نہیں؟

اس حوالے سے ایک حدیث مبارک اور اس پر موصوف کے اعتراض کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔  
حضرت سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

دخل النبی -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- علی أم حبیبہ. ورأس معاویہ فی حجرها وہی تفلّیہ. فقال: لها: ((أتحبینہ؟)) فقالت: وما لی لا أحب أخی؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: ((فإن اللہ ورسولہ یحبانہ))

”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر ان کی گود میں تھا اور وہ ان کے سر سے جو کس نکال رہی تھیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم ان سے محبت کرتی ہو؟ عرض کی: میں ان سے کیوں محبت نہ کروں یہ میرے بھائی ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔“

امام بیہقی حدیث کو ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

رواہ الطبرانی وفيہ من لم أعرفہم

”اے طبرانی نے روایت کیا اور اس کی سند میں ایسے راوی ہیں جن کو میں نہیں جانتا۔“

(مجمع الزوائد ج ۱۹ ص ۱، رقم الحدیث ۱۵۸۹۶)

حافظ عقیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الضعفاء الکبیر میں اس حدیث کو عبد اللہ بن بکار الاشعری کے ترجمہ ذکر کیا، اور انہی کے طریق سے حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ دمشق میں روایت کیا ہے۔ عبد اللہ بن بکار الاشعری کے بارے میں حافظ عقیلی نے لکھا ہے:

مجهول في النسب والرواية حديثه غير محفوظ.

”نسب وروایت میں مجہول ہے اور اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔“

(کتاب الضعفاء للعقيلي ج ۲ ص ۱۸۶ رقم الترمذی ۱۷۹۳)

### مجہول راوی کی حدیث کا حکم

جب سند میں مجہول راوی ہوں تو حدیث ضعیف قرار پاتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسباب طعن دس ذکر کیے، جس میں پہلا کذب فی الحدیث بیان کیا، جس کی بنیاد پر ان کے نزدیک حدیث موضوع قرار پاتی ہے اور آٹھویں نمبر پر جہالت کو بیان کیا اور خود اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ ہر پہلا، دوسرے کے مقابلے میں سخت تر ہے۔

(زبدۃ النظر شرح نخبۃ افکار ص ۱۸۱)

اب اندازہ لگالیں! کہاں کذب فی الحدیث اور کہاں فقط جہالتِ راوی!!!

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولو ثبتت جهالته لم يلزم أن يكون الحديث موضوعا، ما لم يكن في إسناده من

يتهم بالوضع

”یعنی: اگر راوی کی جہالت ثابت بھی ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث ہی موضوع ہو،

جب تک کہ اس کی سند میں کوئی راوی متہم بالوضع نہ ہو۔“ (اللاہی المصنوعہ ج ۲ ص ۳۷)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ محدثین سے اس کی مثالیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: خلاصہ یہ کہ نہ

میں متعدد مجہولوں کا ہونا حدیث میں صرف ضعف کا مورث ہے، اور صرف ضعیف کا مرتبہ حدیث منکر سے احسن و اعلیٰ ہے جسے ضعیف راوی نے ثقہ راویوں کے خلاف روایت کیا ہو، پھر وہ بھی موضوع نہیں، تو فقط ضعیف کو موضوعیت سے کیا علاقہ؟ امام جلیل جلال الدین سیوطی نے ان مطالب کی تصریح فرمائی۔ واللہ تعالیٰ اعلم! (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۴۳۵-۴۳۸)

موصوف ظہور فیضی فن حدیث میں اپنی قابلیت کیا ہی زبردست انداز میں ظاہر فرماتے ہیں، حافظ بیٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام ”اس کی سند میں ایسے راوی ہیں جن کو میں نہیں جانتا“ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”خدا جانے وہ کیسے کیسے آفت کے پرکالے ہوں گے۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۸۸)

راوی غیر معروف ہوں تو کیا وہ آفت کے پرکالے ہوتے ہیں؟ یا یہ قاعدہ صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں وارد حدیث کے لیے ہے؟

راوی مجہول ہو تو زیادہ سے زیادہ حکم اتنا ہوتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اوپر ائمہ محدثین کا کلام گزر چکا ہے، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمہ اللہ تعالیٰ نے منیر العین میں اس پر تفصیل سے کلام فرمایا ہے، مختلف ائمہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”بہر حال نزاع اس میں ہے کہ جہالت سرے سے وجوہ طعن سے بھی ہے یا نہیں، یہ کوئی نہیں کہتا کہ جس حدیث کا راوی مجہول ہو خواہی غواہی باطل و مجعول ہو، بعض متشدین نے اگر دعوے سے قاصر دلیل ذکر بھی کی علما نے فوراً رد و ابطال فرمادیا کہ جہالت کو وضع سے کیا علاقہ۔“

غیر صحیح کا معنی

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عبد اللہ بن بکار کے ترجمہ میں اس حدیث کے بعد لکھا ہے: فہذا غیر صحیح۔ (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۶۹ رقم الترجمة ۴۲۳۴)

اس پر تفصیل گزر چکی ہے کہ لا یصح وغیرہ کے الفاظ سے حدیث کا موضوع ہونا تو درکنار حسن نہ ہونا بھی لازم نہیں آتا۔

اس پر موصوف نے شیخ عبدالفتاح ابو غدہ کا سہارا لیا جنہوں نے اپنے شیخ زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے علامہ ابن ہمام الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ بحث نقل کی ہے کہ کتب احکام میں جب یہ الفاظ استعمال ہوں گے اس وقت تو یہ ضابطہ درست ہوگا، لیکن جب کتب موضوعات و ضعفا میں استعمال

ہوں گے تو اس سے مراد حدیث موضوع ہوگی۔

اس کا مفصل جواب بھی دعوتِ اسلامی کے مفتی حسان صاحب اپنی ایک تحریر میں دے چکے ہیں۔ یہاں ان کا کلام مزید اضافہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں، ”امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ رضویہ پر کتب موضوعات کی دو قسمیں بیان کی ہیں، ایک وہ کتب جس میں محدث کا مقصود ہی موضوع احادیث جمع کرنا ہوتا ہے، جیسے حافظ ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات اور ملا علی قاری رحمہما اللہ تعالیٰ کی الموضوعات معرفۃ الموضوع اس کتاب میں جب حدیث آئے گی تو چاہے صاحب کتاب اس پر لایصح نہ بھی لکھیں وہ ان کے نزدیک موضوع ہوگی، کیونکہ ان کا مقصود ہی موضوع احادیث کو جمع کرنا ہے، جیسے وہ ائمہ جنہوں نے احادیث کا التزام کیا، ان کی کتب میں جو حدیث ہوگی وہ ان کے نزدیک صحیح قرار پائے گی۔ لیکن دوسرے کے نزدیک اس حدیث کا صحیح یا موضوع ہونا ضروری نہیں ہے۔

دوسری وہ کتب جن کا مقصود احادیث موضوع کو جمع کرنا نہیں، بلکہ تحقیق احادیث مقصود ہوتی ہے، ان میں حدیث صحیح بھی ہو سکتی ہے، حسن بھی ضعیف اور موضوع بھی۔

اور یہ بات واضح ہے میزان الاعتدال ان کتب میں سے نہیں جو مختص بالموضوعات ہو، بلکہ یہ بنیاد اعتبار سے اسماء الرجال کی کتاب ہے، اس میں احادیث راویوں کے حالات کے تحت ذکر کی جاتی ہیں، جو صحیح سے لے کر موضوع تک تمام اصناف پر مشتمل ہوتی ہیں۔

پھر اولاً تو یہ جان لیں کہ یہ ضابطہ ”لایصح سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا“ کس کس نے بیان کیا، امام محدث زرکشی، حافظ ابن حجر عسقلانی، امام ابن امیر الحاج حلبی، حافظ نور الدین السخوردی، ابن حجر مکی، علامہ طاہر گجراتی پٹنی، حافظ ابن عراق الکنتانی، ملا علی قاری، حافظ زرقانی، علامہ عبدالحی لکھنوی، امام اہلسنت امام احمد رضا خان، علامہ سید ظفر الدین بہاری رحمہم اللہ تعالیٰ، ان سب نے اس قاعدے کو صراحت کی ہے، اور اس میں کوئی تفریق نہیں کی کہ یہ قاعدہ کتب احکام کے ساتھ خاص ہے، بلکہ ان میں بیشتر نے کتب الضعفاء میں لکھے گئے ان الفاظ پر ہی یہ لکھا ہے کہ اس سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے ان میں بیشتر ائمہ کا رد کیا کہ یہ اس قاعدے کو سمجھ ہی نہیں پائے اور ان تفریق یہ حکم نقل کر دیا۔

(مفتی حسان عطاری صاحب لکھتے ہیں) الحمد للہ عز وجل! آج سے سات برس قبل جامع الرضوی

المعروف صحیح البھاری کی تحقیق کرتے ہوئے اس کا جواب عربی میں میں دے چکا ہوں کہ یہاں شیخ عبدالفتاح ابو غدہ سے خود غلطی ہوئی ہے، ان ائمہ کا کلام اپنی جگہ بالکل درست ہے، اس لیے کہ انہوں نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب لحد یصح یا لا یصح کہا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث موضوع ہو، چاہے کتب احکام ہوں یا کتب الضعفاء ان ائمہ نے یہ کب کہا ہے کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب بھی لا یصح کہا جائے گا اس سے موضوع ہونے کی نفی ہی کی جائے گی، ان ائمہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ لا یصح کہنے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا، اب دلیل کو دیکھا جائے گا کہ یہاں کیا علت پائی جاتی ہے، اگر علت ضعف کی ہے تو حدیث ضعیف ہوگی اگر فقط خفت ضبط پایا گیا تو حدیث حسن ہوگی۔ یہ بات بالکل بین واضح ہے۔

ثانیاً: امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں غیر صحیح کہنے کی وجہ بالکل واضح ہے اور وہ عبد اللہ بن بکار الاشعری کا مجہول ہونا ہے۔ اس سے بڑھ کر عبد اللہ بن بکار الاشعری پر کوئی جرح نہ حافظ عقیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے نہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے، اور مجہول راوی کی روایت پر کلام تفصیل کے ساتھ گزر چکا، تو لا یصح موضوع کے معنی میں کیسے ہو سکتا ہے؟

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث اپنی تصنیف العلل المتناہیۃ میں نقل کی ہے، جس کا واضح مطلب ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک موضوع نہیں اور نہ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے، کیونکہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے العلل المتناہیۃ لکھی ہی ان احادیث کے لیے ہے جو ان کے دعویٰ کے مطابق موضوع نہیں ہیں۔

حدیث مبارک ہے:

کل بنی آدم ینتمون الی عصبۃ أبیہم غیر ولد فاطمة فانی أنا أبوہم وأنا عصبہم۔  
 ”یعنی: تمام بنی آدم اپنے والد کی طرف منسوب ہوتے ہیں، سوائے اولاد فاطمہ کے، کیونکہ میں ان کا والد ہوں اور میں ان کا عصبہ ہوں۔“

اس حدیث پر ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا:

هذا حدیث لا یصح عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔  
 ”یعنی: ”یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح نہیں ہے۔“

(العلل المتناہیۃ جلد ۱ ص ۲۶۰ رقم ۴۱۸)

اس پر اعتراض کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ویرد علیہ أنه رواه الطبرانی فی الكبير عن فاطمة. وكذا أخرجه أبو يعلى وسند  
ضعيف والحديث مرسل وله شاهد عند الطبرانی. وغایته أنه حدیث ضعیف  
موضوع

یعنی: ”اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں حضرت فاطمہ رضی  
اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے، اور اسی طرح ابو یعلیٰ نے اس کی تخریج کی ہے، اس کی سند  
ضعیف ہے، اور حدیث مرسل ہے۔ طبرانی میں اس کا شاہد بھی موجود ہے، غایت یہ ہے کہ یہ  
حدیث ضعیف ہے نہ کہ موضوع“۔ (الأسرار المرفوعة ص ۲۶۹)

اس پر امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ موضوعات کبیر پر اپنی تعلیقات میں فرماتے ہیں:  
ومتی ادعی ابن الجوزی وضعه إنما قال: لا یصح. ولم یوردہ فی کتاب الموضوعات  
بل الصفات.

یعنی: ”ابن جوزی نے کب اس کے موضوع ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ انہوں نے تو محض لا یصح کہا  
ہے، اور اس حدیث کو موضوعات میں وارد بھی نہیں کیا بلکہ صفات (الواہیات) میں وارد کیا  
ہے۔“ (تعلیقات امام اہل السنة علی الأسرار المرفوعة ص ۱ ق)

امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس کلام سے واضح ہو گیا کہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ  
تعالیٰ نے العلل المستاہیہ میں اس حدیث کو وارد کیا ہے اور اس کو لا یصح فرمایا ہے، تو کہاں سے وہ اس  
حدیث کو موضوع کہنے کے مدعی ہو گئے،؟! ان کے نزدیک یہ حدیث ضعیف قرار پائے گی۔  
خود امام ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وجمعت الموضوعات المستبشعة فی کتاب سمیته کتاب الموضوعات من  
الأحادیث المرفوعات. وقد جمعت فی هذا کتاب الأحادیث الشدیده التزلزل  
الكثیرة العلل

یعنی: ”میں نے قبیح موضوع احادیث کو ایک کتاب میں جمع کیا، جس کا نام میں نے الموضوعات  
من الاحادیث المرفوعات رکھا ہے، اور میں نے اس کتاب میں شدید متزلزل اور کثیر علت

والی احادیث کو جمع کیا ہے۔ (العلل المتناہیۃ ج ۱ ص ۱۷)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ألفه ابن الجوزی بعد کتاب الموضوعات، فأتی فیہ بموضوعات وقلیل حسان، کہا

أنه أتی فی کتاب الموضوعات بیسیر حسان ولینة

یعنی: ”ابن جوزی نے کتاب الموضوعات کے بعد ایک کتاب لکھی جس میں موضوع حدیثیں

اور کچھ حسن حدیثیں بھی لائے، جیسا کہ کتاب الموضوعات میں کچھ حسن اور ضعیف حدیثیں بھی

لے آئے۔“ (تلخیص العلل المتناہیۃ ص ۲۱)

واضح ہو گیا کہ ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بھی یہ حدیث موضوع نہیں، اگر ہوتی تو اس

کتاب میں وارد نہ کرتے اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بھی موضوع نہیں کہ اگر موضوع ہوتی تو اس پر تنبیہ فرماتے ورنہ تلخیص کا فائدہ؟

ان دلائل کا تو موصوف فیضی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا لیکن اب موصوف نے لکھا ہے: ”خیال

رہے کہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب العلل المتناہیۃ فی الاحادیث الواہیہ کا شمار کتب ضعفا میں

ہوتا ہے، اور اوپر جو اصول بیان کیا گیا اس میں فقط موضوعات کا نہیں بلکہ کتب ضعفا کا ذکر ہے، لہذا امام

ابن الجوزی کا العلل میں اس حدیث کے بارے میں لا یصح کہنا اس کے اظہار موضوعیت کے لیے

ہے۔۔۔ الخ۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۹۰)

اقول وبالله التوفیق! اولاً حق کی جستجو ہے تو غور کیجئے ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب العلل المتناہیۃ

کا اسلوب امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے بلکہ خود ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے

اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس کا مقصود ہی وہ احادیث جمع کرنا ہے جو موضوع نہیں، بلکہ ضعیف ہیں، اب

ایک بار العلل المتناہیۃ اٹھا کر دیکھ لیں کہ اس میں کل ۱۷۰۰ سے کچھ زائد احادیث ہیں اور ان میں سے

تقریباً گیارہ سو پر ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہی ارشاد فرمایا: ”لا یصح لہ یصح“ اگر لا یصح سے

مقصود موضوع ہونا ہے تو کتاب لکھنے کا مقصد ہی ختم ہو گیا، ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کتاب

ضعیف احادیث پر مشتمل کتاب تو نہ رہے گی بلکہ موضوع احادیث پر مشتمل کتاب بن جائے گی۔ فافہم!

ذرا توجہ سے دیکھ لیں۔

ثانیاً: یہاں تو ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے بعد لا یصح لکھا ہی نہیں ہے۔ مرنے لکھا ہے: قال العقیل: عبد اللہ بن بکار مجہول حدیثہ غیر محفوظ لہذا آپ کی ساری گفتگو اس اعتبار سے بھی فضول ہوگئی۔

اس کے بعد موصوف اپنے ہی کلام کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”باقی رہا ان کا لکھنا کہ وہ کتاب میں فقط شدید ترین ضعیف احادیث درج کریں گے موضوع نہیں۔ اس پر میری گزارش ہے کہ ایسے ضابطے محدثین قائم کیا کرتے ہیں اور حتی الامکان پورا اترنے کی کوشش بھی کرتے ہیں لیکن مکمل پورے نہیں اترتے اور نہ ہی یہ ممکن ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا پھر مخلوق کی کتابوں اور خالق کی کتاب میں کیا فرق ہوتا؟“

(الاحادیث الموضوعات ص ۹۱)

کون اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ معصوم تھے، یہاں یہ بحث ہی نہیں، مقصود منہج کتاب پر بحث کرنا ہے اور وہ احادیث ضعیفہ غیر موضوع کو جمع کرنا ہے، اب یہ تو دیگر اولہ سے دیکھا جائے گا کہ حدیث موضوع ہے یا نہیں، اور یہاں ایسا نہیں ہے، جیسا کہ مفصلاً گزر چکا۔ باقی رہا جامع صغیر کی حدیث کی مثال تو اس کو بھی آپ نے غلط سمجھا ہے ان شاء اللہ عزوجل اس پر گفتگو اسی مقام پر آ رہی ہے جہاں آپ نے اس پر کلام غیر صحیح لکھا ہے۔

حدیث زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، جس پر بحث گزری، ایک اور سند کے ساتھ یہ حدیث حافظ ابن بطہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، اور انہیں کے طریق سے حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے العلل المتناہیہ میں اس حدیث کو روایت کیا۔ اس حدیث میں الفاظ کچھ تبدیل بھی ہیں اور آخر میں زیادتی بھی ہے، اس کی سند پر ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو فقط اتنا اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس میں عبد الرحمن بن ابی الزناد راوی ہے، جس کے بارے میں امام احمد نے فرمایا کہ یہ مضطرب الحدیث ہے، اور امام بیہقی بن معین اور ابو حاتم رازی نے فرمایا کہ اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

اس کا حاصل فقط اتنا نکلا کہ کتاب کے اسلوب کے مطابق یہ حدیث ضعیف قرار پائی، لیکن حافظ ذہبی



رحمہ اللہ تعالیٰ جن کا مقصود اس کتاب پر تنبیہ کرنا تھا، انہوں نے لکھا: ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس میں فقط ابن ابی الزناد پر ہی کلام کیا ہے، (جس سے یہ حدیث صرف ضعیف ثابت ہوتی ہے لیکن) یہ حدیث جھوٹ ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں، سوائے ابن رجاء کے، اور وہی اس کی آفت ہے۔

امام ذہبی نے یہ کلام حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث پر کیا ہے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث پر نہیں، اُس حدیث پر آپ نے فقط اتنا لکھا ہے: اس میں عبد اللہ بن بکار ہے جس کے بارے میں معلوم نہیں وہ کون ہیں، عقیلی نے ان کوضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

لہذا جو حدیث حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک موضوع ہے وہ حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ اور ایسا ہوتا ہے کہ حدیث ایک سند سے موضوع ہوتی ہے دوسری سند سے غیر موضوع۔

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”بارہا موضوع یا ضعیف کہنا صرف ایک سند خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے، جو حدیث فی نفسہ ان پندرہ دلائل سے منزہ ہو محدث اگر اس پر حکم وضع کرے تو اس سے نفس حدیث پر حکم لازم نہیں، بلکہ صرف اس سند پر جو اس وقت اس کے پیش نظر ہے، بلکہ بارہا اسانید عدیدہ حاضرہ سے فقط ایک سند پر حکم مراد ہوتا ہے، یعنی حدیث اگرچہ فی نفسہ ثابت ہے، مگر اس سند سے موضوع و باطل، اور نہ صرف موضوع بلکہ انصافاً ضعیف کہنے میں بھی یہ حاصل حاصل، ائمہ حدیث ان مطالب کی تصریحیں فرمائیں تو کسی عالم کا حکم وضع یا ضعف دیکھ کر خواہی نخواہی یہ سمجھ لینا کہ اصل حدیث باطل یا ضعیف ہے ناواقفوں کی فہم خیف ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ جلد ۵ صفحہ ۴۶۸)

## فیضی کی پھر دھوکے بازی

موصوف ظہور احمد فیضی لکھتے ہیں:

”امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ عنوان قائم کیا: فمن الأباطیل المختلقة گھڑی ہوئی باطل حدیثیں، پھر اس حدیث کو بھی اسی عنوان کے تحت نقل کر کے اس کا بطلان

ظاہر کیا ہے، اور ایسی چند مزید باطل احادیث درج کرنے کے بعد لکھا ہے: فہذہ الأحادیث ظاہرة الوضع والله أعلم پس یہ تمام احادیث واضح طور موضوع ہیں واللہ اعلم۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۲۸، ۱۲۹) (الاحادیث الموضوعات ص ۹۱-۹۲)

اقول وبالله التوفیق! ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں امام ذہبی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو موضوع کہا ہے؟ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موضوع کہا ہے:

عن زید بن ثابت: دخل النبی علیہ السلام علی أم حبیبہ، ومعاویۃ نائم علی فخذہا، فقال: أتمجینہ؟ قالت: نعم. قال: لله أشد حبا له منك له، کأنی أراہ علی رفارف الجنة.

جی فیضی صاحب کیوں دھوکے سے کام لیا؟

دوسری بات امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ اگر اس کو موضوع کہہ بھی دیں تو اصل اعتبار سند کا ہے اور سند یہ ضعیف ہے نہ کہ موضوع اور معنی اس میں کوئی ایسا نہیں کہ جو اس کے بطلان پر دلالت کرے۔ اس کے بعد موصوف نے خیانت کی انتہا کرتے ہوئے لکھا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

وهذا حدیث کذب ورواہہ ثقات سوی ابن رجا فہو الآفة...

”یہ جھوٹی حدیث ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں، سوا ابن رجا کے پس وہی آفت ہے۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۹۲)

معلوم نہیں موصوف حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغض میں کیا کیا اور گل کھلائیں گے، امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ بھی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پر لکھے ہیں نہ کہ حضرت سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پر جیسا کہ پیچھے گزر چکا۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ ایسے خائوں سے، صحیح بات یہی ہے کہ جھوٹ بولے بغیر یہ اپنا جھوٹا نظریہ ثابت کر ہی نہیں سکتے۔

## ہیرا پھیری کس نے کی

موصوف لکھتے ہیں:

”بعض لوگ مغالطہ آفرینی سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں، کہ امام ذہبی نے اس حدیث کو موضوع تو لکھا ہے، پر انہوں نے کوئی ماخذ درج نہیں کیا، ایسے لوگ اپنی کمال ہیرا پھیری پر شاباش کے مستحق ہیں، گویا ان لوگوں کے نزدیک امام ذہبی کی کتب ماخذ کا درجہ نہیں رکھتیں! خدا کے بندو جب انہوں نے رجال پر بحث کرنے کے بعد یہ حکم لگا ہے تو پھر اس کے سوا اور کون ماخذ درکار ہے؟ اگر کسی سے ہو سکتا ہے تو وہ ان سے اختلاف کرے، اور ان کی کتب سے زیادہ معتمد ماخذ سے اس حدیث کا حسن یا کم از کم ضعیف ہونا ہی ثابت کر دے۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۹۲)

اسے کہتے ہیں الٹا چور کو توال کو ڈانٹے، موصوف مسلسل مغالطہ دیتے چلے آ رہے ہیں، امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تلخیص میں جس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے وہ حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث ہے، جبکہ حضرت سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث کے بارے میں تو انہوں نے فقط عبد اللہ بن بکار کے مجہول ہونے کا ذکر کیا ہے۔

موصوف ظہور فیضی اپنی ایک کتاب شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حجتہ العرنی سے مروی ایک حدیث جس کو حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضوع قرار دیا تھا اس پر کلام کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”بہر حال کچھ ائمہ حدیث کی یہ جرح صرف اس حدیث کی سند پر ہے، اس کے متن کی صحت پر کسی کو کوئی کلام نہیں ہے، اور یہ متن دوسری صحیح اسناد (سندوں) سے بھی ثابت ہے، لہذا ابن جوزی وغیرہ کا مطلقاً اس حدیث کو موضوع قرار دینا بے احتیاطی بلکہ خطا پر مبنی ہے، انہیں کہنا چاہیے تھا کہ خاص اس سند کے ساتھ یہ حدیث ضعیف یا موضوع ہے۔“

(شرح خصائص علی ص ۷۶)

جی ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو خطا کی، لیکن آپ یہاں اس قاعدے کو قصداً ملحوظ نہ رکھ کر کس بات کے مرتکب ہوئے ہیں؟

## پانی میں مدھانی

اس کے بعد موصوف نے کمال علمی داد دیتے ہوئے یہ لکھا ”کہا جاسکتا ہے کہ خواہ مخواہ پانی میں مدھانی چلائی گئی، امام ابن عساکر کی نقل کردہ روایت پر تو بات کی ہی نہیں، آئیے امام ابن عساکر سے ہی معذرت کر لیتے ہیں کہ ان کے نزدیک زیر بحث حدیث کا حکم کیا ہے سو جاننا چاہیے کہ تاریخ مدینہ دمشق لابن عساکر ج ۵۹ دار الفکر بیروت الطبعة الاولى ۱۴۱۸ھ میں امیر شام کا ترجمہ (تذکرہ) صفحہ ۵۵ سے شروع ہو کر ۲۴۱ پر ختم ہوتا ہے۔ امام ابن عساکر نے صفحہ ۵۵ سے ۶۷ تک ابتدائی اور تمہیدی گفتگو کی ہے، پھر صفحہ ۶۸ سے ۱۰۶ تک وہ احادیث چلائی ہیں جن کو لوگوں نے امیر شام کی شان میں خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے، پھر صفحہ ۱۰۶ پر پہنچ کر انہوں نے امام اسحاق بن راہویہ کا یہ مشہور ترین قول نقل کیا ہے:

لا یصح عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی فضل معاویۃ شیء۔

”نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے فضیلت معاویہ میں کوئی چیز ثابت نہیں۔“ (تاریخ دمشق ج ۵۹ ص ۱۰۶)

یوں انہوں نے زیر بحث حدیث کے ساتھ ساتھ گذشتہ سطور کی تمام احادیث موضوعہ پر پانی پھیر دیا ہے، اور آخر میں انہوں نے اپنا فیصلہ یوں دیا ہے: اور معاویہ کی فضیلت میں جو کچھ روایت کیا گیا ہے اس میں زیادہ سے زیادہ صحیح روایت وہ ہے جو ابو حمزہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب تھے، اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، اس کے بعد حضرت عرباض کی یہ حدیث اللھم علّمہ الكتاب اور اس کے بعد ابن ابی عمیرہ کی یہ حدیث اللھم اجعلہ ہادیامہدیا۔ (تاریخ دمشق ج ۵۹ ص ۱۰۶) امام سیوطی نے بھی ابن عساکر کا یہ کلام نقل کیا ہے۔ (الزیادات علی الموضوعات ص ۳۰۱-۳۰۲) جب امام ابن عساکر کے مطابق امیر شام کی شان میں زیادہ سے زیادہ سے لائق قبول یہ تین روایات ہیں تو پھر مؤرخین فیضان امیر معاویہ کی بیان کردہ زیر بحث حدیث اور باقی روایات کس کھاتے میں جائیں گی؟“ (الاحادیث الموضوعات ص ۹۲-۹۳)

اقوال: واقعی جب بندے کو حیا نہ ہو تو جو چاہے کرے کا صحیح مصداق موصوف فیضی کی ذات ہے۔  
اولاً: اصح کا معنی کسی سے سیکھ لیں کہ اس کا معنی زیادہ سے زیادہ تین احادیث قابل قبول ہیں کہاں

سے بنے گا؟ ایسا معنی اخذ کرنا آپ ہی کا خاصہ ہے۔

ثانیاً: امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا مفصل معنی گزر چکا، اور اس سے خواجہ خواہ یہ ثابت کرنا کہ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ماقبل بحث پر پانی پھیر دیا پانی میں مدھانی ہی چلانا ہے، آپ خود اس بات کے قائل ہیں کہ لایصح کتب الضعفاء اور موضوعات کے علاوہ جب استعمال ہوگا تو اس سے حسن کی نشی بھی لازم نہیں آئے گی (اگرچہ کہ ہم اس تفریق کا بھی جواب دے چکے ہیں)، اور حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب تو مختص بالموضوعات یا بالضعفاء بھی نہیں پھر آپ نے کیسے یہاں لایصح کا معنی موضوع کر لیا؟ کسی اور ابو غدہ کو ڈھونڈیں شاید کوئی اور قاعدہ مل جائے۔

ثالثاً: امام ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اگر نعوذ باللہ موضوع احادیث چلائیں تو ان پر لازم تھا کہ یا تو وہ اس بات کو بیان کرتے جیسا کہ حدیث موضوع کا حکم ہے نہ یہ کہ صرف امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایسا قول ذکر کرتے، یا پھر آپ احادیث کی سند ذکر کرتے جن کی تحقیق کر کے حدیث کا حکم بیان کیا جاتا، اور ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ تمام احادیث کی اسانید ذکر کرتے ہی ہیں جن کی تحقیق کی جاسکتی ہے اور یہاں تحقیق یہی ہے اس سند میں علت صرف راوی کا مجہول ہونا ہے۔

رابعاً: اب کا وہ رجال سند پر کلام کا دعویٰ کہاں گیا، سند کے اعتبار سے تو یہ حدیث ضعیف ہی قرار پاتی ہے نہ کہ موضوع۔

الحمد للہ! واضح ہو گیا کہ یہ حدیث ہرگز موضوع نہیں، حد درجہ جہالت روادا کی وجہ سے معمولی ضعیف ہے۔

### يَا مُعَاوِيَةُ أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ

شفیع امت نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو سراپا شفقت و محبت ہیں، اپنے کئی صحابہ کرام علیہم الرضوان بالخصوص اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت کا اظہار عرب کے ایک معروف جملے سے فرماتے ہیں:

يَا مُعَاوِيَةُ أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی یہ سعادت حاصل ہوئی، اور یہ ان غریب نواز کی نوازش ہے کہ جس کو چاہیں نواز دیں۔

امام ابو بکر الخلال رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

أخبرني حرب، قال: ثنا محمد بن مصفى، عن عبد العزيز بن عمر، قال: حدثني إسماعيل بن عياش، عن عبد الرحمن بن عبد الله بن دينار، عن أبيه، عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: يا معاوية، أنت مني وأنا منك. لتزاحمني على باب الجنة كهاتين (الترج ۲ ص ۴۵۱ رقم ۷۰۴)

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے معاویہ تم مجھ سے اور میں تم سے ہوں، تم جنت کے دروازے پر میرے ساتھ اس طرح ہو گے (جیسے دونوں انگلیاں قریب ہوتی ہیں)۔

اس کے پہلے راوی حرب بن اسماعیل الکرمانی ہیں، آپ، امام احمد حنبل و اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے شاگرد، امام ابو بکر الخلال، حافظ ابو حاتم رازی وغیرہ کے شیوخ میں سے ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

الفقيه الحافظ صاحب الإمام أحمد، سمع أبا الوليد الطيالسي، والحميدي، وسعيد بن منصور، وأبا عبيد، وطبقهم، أخذ عنه أبو حاتم الرازي مع تقدمه، وعبد الله بن إسحاق النہاوندی، والقاسم بن محمد الکرماني، وأبو بکر الخلال وغيرهم، توفي سنة ثمانين ومائتين.

”آپ فقیہ، حافظ ہیں اور امام احمد کے شاگرد ہیں، ابو الولید طیا لسی، حمیدی، سعید بن منصور، ابو عبید اور ان کے طبقے سے حدیث کی سماعت کی، اور ان سے امام ابو حاتم رازی نے اپنے تقدم کے باوجود روایت کی، نیز عبد اللہ بن اسحاق نہاوندی، قاسم بن محمد الکرمانی اور ابو بکر خلال وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے، دوسوا سی ہجری میں ان کا وصال ہوا۔“

(تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۴۱ رقم ۶۳۸)

سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں:

وما علمت به بأسا میں ان میں کوئی حرج نہیں جانتا (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۲۴۴)

امام ابن ابی یعلی طبقات المتاہلۃ میں فرماتے ہیں:

ذکرہ ابو بکر الخلال فقال: رجل جلیل

”ان کو ابو بکر الخلال نے ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ یہ رجل جلیل ہیں۔“ (طبقات ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۵)

باپ تو آپ کا بھی معلوم نہیں۔

موصوف ظہور احمد فیضی کی تحقیق اینق ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں: اس سند میں پہلے راوی کا نام حرب ہے اور اس کے باپ کا نام مذکور نہیں ہے، لہذا جس کا باپ ہی معلوم نہ ہو اس کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے؟ لا حول ولا قوۃ الا باللہ! اس برتے پر ان کو ناز تحقیق ہے، حالانکہ السنۃ میں اس مقام کے علاوہ کئی مقامات پر ان کی نسبت و نسب مذکور ہے، اور ان کے بارے میں ہم علما کے تعریفی کلمات ذکر کر چکے ہیں، صاحب موضوعات کو اتنی بھی توفیق نہ ہوئی کہ اور نہیں تو اسی السنۃ کو دیکھ لیتے۔

ثانیاً: کیا کسی راوی کے ثقہ ہونے کے لیے اس کا معروف النسب ہونا شرط ہے؟ ذرا اصول حدیث کی کتب اٹھا کر دیکھتے کہ علما اس حوالے سے کیا لکھتے ہیں۔

ثالثاً: آپ کا نام ظہور احمد ہے یا صرف ظہور اور والد کا نام احمد ہے، یہ ہمیں معلوم نہیں ہے، اگر نام ظہور احمد ہے تو ہم نے آپ کی اس پوری کتاب میں آپ کے والد کا نام تلاش کیا لیکن کہیں لکھا ہوا نہیں پایا تو پھر آپ کے قاعدہ کے مطابق آپ کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے؟ ویسے نام معلوم ہوتا تو بھی آپ کے ضعف بلکہ کذب پر فرق تو کوئی پڑنا نہیں تھا۔

دوسرے راوی محمد بن مصفی ہیں: یہ بھی ثقہ راوی ہیں، امام ابو حاتم، امام نسائی، حافظ ابن حبان، مسلمہ بن قاسم وغیرہ نے ان کی توثیق و تعدیل کی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۴۲۲ رقم ۶۵۵۷)

ان پر اعتراض یہ ہے کہ یہ تدلیس تسویہ کرتے ہیں، اور یہاں تو پہلے شیخ سے ہی سماع کی تصریح نہیں ہے۔

تیسرے راوی عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز ہیں، امام یحییٰ بن معین، امام ابو داؤد، امام نسائی، ابن کثیر، ابوالنعیم، ابوزرعہ وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۵۱ رقم ۱۲۳۷)

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز، عن أبيه، ومجاهد، وعنه القطان وأبو نعیم، ثقة.

(الکاشف ج ۳ ص ۳۰۷ رقم ۳۴۰۴)

چوتھے راوی اسماعیل بن عیاش ہیں: ان کو ایک جماعت نے ثقہ قرار دیا ہے، ان کے بارے میں یحییٰ بن معین وغیرہ کا قول یہ ہے کہ جب یہ شامیوں سے روایت کریں گے تو ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں، البتہ اہل حجاز سے روایت میں خلط واقع ہوتا ہے، یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں:

تکلم قوم فی اسماعیل، واسماعیل ثقہ، عدل، أعلم الناس بحديث الشام، وأكثر ما قالوا يغرب عن ثقات المدنيين والمكيين.

”ایک قوم نے اسماعیل کے بارے میں کلام کیا ہے، اور اسماعیل ثقہ عادل راوی ہیں، شامیوں کی حدیث کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، ان پر زیادہ سے زیادہ یہ کلام کیا گیا ہے کہ یہ مکی اور مدنی ثقات راویوں سے غریب روایات لے کر آتے ہیں۔“

یزید بن ہارون کہتے ہیں:

ما رأيت أحفظ من إسماعيل بن عياش

”میں نے اسماعیل بن عیاش سے بڑھ کر حافظ نہیں دیکھا۔“

عثمان الدارمی یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں:

أرجو أن لا يكون به بأس

”میں امید کرتا ہوں ان میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔“

جبکہ عثمان بن ابی شیبہ کی یحییٰ بن معین سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

ثقة فيما روى عن الشاميين، وأما روايته عن أهل الحجاز فإن كتابه ضاع فخلط في

حفظه عنهم.

”یہ شامیوں سے روایت میں ثقہ ہیں، اور رہی ان کی اہل حجاز سے روایت تو ان کی کتاب ضائع

ہو گئی تھی تو حجازیوں سے زبانی روایت میں ان سے خلط واقع ہوا۔“

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۳۱-۳۳۵ رقم ۵۱۱)

معیار صرف ایک ہے۔

ہم یہ بتا آئے ہیں کہ موصوف ظہور احمد فیضی ہر اس شخص کے مخالف ہیں کہ جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بیان یا روایت کرے، یہی اسماعیل بن عیاش ہیں ان کا تذکرہ موصوف نے اسی کتاب



کے صفحہ ۱۳۴ پر کیا تو ان کو حضرت اسماعیل بن عیاش لکھا اور ان کی اہل حمص کی ناصبیت کو دور کرنے کی مساعی جملہ کا ذکر کیا۔ لیکن یہاں انداز دیکھیں لکھتے ہیں: اس میں چوتھا راوی اسماعیل بن عیاش ہے، (ص ۱۲۲) اب اسماعیل بن عیاش حضرت ہونے سے بھی محروم ہو گئے اور وہاں ان کے لیے ”ہوئے“ کا لفظ استعمال کیا تھا جو یہاں لفظ ”تھا“ میں تبدیل ہو گیا ہے،۔۔۔۔۔ سمجھ تو گئے ہوں گے آپ!

چوتھے راوی عبد الرحمن بن عبد اللہ بن دینار ہیں یہ مختلف فیہ راوی ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: صدوق یخطیء سچے ہیں اور خطا کرتے ہیں۔ (تقریب التہذیب ص ۲۷۶ رقم ۳۹۱۳) پانچویں راوی عبد اللہ بن دینار ہیں یہ ثقہ راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب ص ۳۳۶ رقم ۳۳۰۰) حاصل کلام اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس کے سبب اس کو موضوع کہا جاسکے، البتہ ضعیف ضرور ہے اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ ضعیف حدیث فضائل میں مقبول ہے۔

عبد العزیز بن بحر کی سند

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ دمشق میں اپنی سند کے ساتھ عبد العزیز بن بحر عن اسماعیل بن عیاش اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کے بعد فرمایا:

قال الخطیب: عبد العزیز بن بحر ضعیف، ومن دونه مجهولون

”خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ عبد العزیز بن بحر ضعیف اور ان سے پہلے کے راوی مجهول ہیں۔“ (تاریخ دمشق ج ۵۹ ص ۱۹۹)

یہ صریح ہے کہ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ حدیث زیادہ سے زیادہ ضعیف ہے۔ اس پر موصوف نے وہی راگ الاپا ہے کہ حافظ ابن عساکر کے نزدیک بھی یہ روایت موضوع ہے کیونکہ یہ ان تین روایات کے علاوہ ہے جو ابن عساکر کے خیال میں کسی حد تک قابل قبول ہیں۔

مخلصانہ مشورہ

جناب والا حدیث پر تحقیق آپ کا کام نہیں، آپ مسجد میں بیٹھ کر اللہ اللہ کریں، اپنے گناہوں سے توبہ کریں، عقیدہ درست کریں، البتہ خلوت نشینی سے قبل کسی پڑھے لکھے سے اصح ماروی کا معنی سمجھ لیجیے گا۔ موصوف کیا خوب داد تحقیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”نیز جب اس سند میں بقول ابن عساکر ایک راوی ضعیف اور باقی سب مجهول ہیں تو پھر اس

خاص باب یعنی (فضائل معاویہ) میں مجہول ہونے کے شبہ کا فائدہ وہ لوگ نہیں اٹھا سکتے جو فضائل معاویہ کو ثابت کرنے کے درپے ہیں، کیونکہ ایسے تمام مجہولین امام اسحاق بن راہویہ اور دوسرے تمام اہل تحقیق کے نزدیک جھوٹے ہیں، اسی لیے وہ صراحتاً فرما چکے ہیں کہ فضائل معاویہ میں کوئی بھی صحیح حدیث نبوی نہیں آئی۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۲۳-۱۲۴)

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا معنی ہم ائمہ کے کلام کی روشنی میں اور امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح صریح سے بیان کر چکے ہیں کہ اس کا معنی تو حسن کی نفی بھی نہیں۔

ثانیاً: لا یصح کے استعمال کی تفریق کے آپ قائل ہیں کہ جب یہ کتب موضوعات اور ضعفاء میں استعمال ہوگا تو حدیث موضوع ہوگی، اگرچہ اس تفریق کا بطلان بھی ہم بیان کر چکے ہیں، لیکن یہ بتائیں کیا حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تاریخ دمشق کتب موضوعات یا ضعفاء میں شمار ہوتی ہے؟ جب نہیں ہوتی، یہ تو مطلقاً تاریخ دمشق کی کتاب ہے تو اب آپ کے نزدیک بھی لا یصح موضوع کے معنی میں نہ رہا، اور لطف یہ ہے کہ آپ کے اپنے الفاظ بھی یہاں یہ ہیں ”فضائل معاویہ میں کوئی بھی صحیح حدیث نبوی نہیں آئی۔“

ثالثاً: یہ قاعدہ کہاں لکھا ہے کہ اس باب میں جتنے مجہول راوی آئیں گے وہ سب جھوٹے ہوں گے، کچھ اللہ تعالیٰ کا خوف کریں بغض معاویہ میں کس کس پر قہمتیں لگاتے جائیں گے۔

### امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میزان اور مغنی میں اس حدیث کے بارے میں لکھا کہ عبد العزیز بن بحر، اسماعیل بن عیاش کے طریق سے خبر باطل لائے ہیں۔

اقول وباللہ التوفیق! امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام میزان الاعتدال اور المغنی میں عبد العزیز بن بحر سے متعلق ہے، لہذا اولاً تو یہ کلام اس کے ساتھ خاص ہوگا، عبد العزیز بن عمر کے طریق سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ثانیاً: امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام عبد العزیز بن بحر کے حوالے سے متناقض ہے، یہ تناقض میں نے یا مفتی حسان عطاری صاحب نے نہیں۔ (یہاں سے کلام مفتی حسان صاحب کی تحریر سے کچھ زیادتی کے ساتھ ماخوذ ہے۔)، بلکہ حافظ ابن عراق الکنانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ میزان الاعتدال

میں اس کے بارے میں لکھا کہ یہ اسماعیل بن عیاش سے خبر باطل لائے ہیں، جبکہ تلخیص العلل المتناہیہ میں فرمایا:

فیه عبد العزیز بن یحییٰ - مجهول - المؤدب عن اسماعیل بن عیاش، عن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن دینار، عن أبیہ، عن ابن عمر، أخرجه ابن عدی.

”اس سند میں عبد العزیز بن یحییٰ المؤدب ہیں جو مجهول ہیں، یہ اسماعیل بن عیاش، سے وہ عبد الرحمن بن عبد اللہ بن دینار سے اور وہ اپنے والد عبد اللہ بن دینار سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اس حدیث کی تخریج حافظ ابن عدی نے کی ہے۔“

یہ روایت عبد العزیز بن یحییٰ المؤدب کے طریق سے ہے جس پر فقط اتنی جرح کی ہے کہ یہ مجهول راوی ہیں، اس کے بعد امام ذہبی فرماتے ہیں:

وقال عباس الدوري: ثنا عبد العزيز بن بحر المروزي مشهور - ثنا اسماعيل، فذكره وزاد فيه: (إلى أن قال) وما رأيت أحدا ضعف عبد العزيز، بل إسماعيل صاحب عجائب عن الجازيين

”عباس الدوري کہتے ہیں: ہمیں حدیث بیان کی عبد العزیز بن بحر المروزی نے۔ یہ مشہور ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث بیان کی اسماعیل نے (امام ذہبی فرماتے ہیں:) اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ کسی نے عبد العزیز کو ضعیف قرار دیا ہو، بلکہ اسماعیل یہ حجازیین سے عجائب روایت کرتے ہیں۔“ (تلخیص العلل المتناہیہ ص ۹۵-۹۶ رقم ۱۲۰)

محدث کنانی کی اصل عبارت اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جس میں وہ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس تناقض کو بیان فرماتے ہیں:

(م) و (ابن الجوزی) فی الواہیات وفیہ عبد الرحمن بن عبد اللہ بن دینار لا یحتج بہ، وعنه إسماعيل بن عیاش كثير الخطأ فی حدیثہ وهو لا یعلم فخرج عن حد الاحتجاج بہ، وعنه عبد العزیز بن یحییٰ المروزی، قال الذہبی فی المیزان: مجهول، فکأنه سرقة، فإنه ليس بصحيح (قلت:) وافق الذہبی فی الواہیات علی جہالة عبد العزیز، ووصفه بالمؤدب، ثم قال: إن عباسا الدورى رواه عن عبد العزیز بن بحر،

یعنی الذی والدہ بالموحدة والراء فی آخرہ، وقال: مشہور و ما رأیت أحد اضعفه بل  
إسماعیل صاحب عجائب عن الحجازیین انتهى، وناقض ذلك فی المیزان، فقال: عبد  
العزیز بن بحر المروزی عن إسماعیل بن عیاش مخبر باطل، وقد طعن فیہ انتهى  
والله أعلم.

”محدث ابو الحسن علی بن محمد الکنانی المعروف ابن عراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اولاً اس حدیث کو  
دیلمی کا کے حوالے سے روایت کیا اور اس کے لیے (می) کا رمز دیا اور اس کو ابن جوزی کی  
الواہیات (اس سے مراد العلل الممتناہیۃ ہے) سے روایت کیا۔ اور فرمایا: اس میں راوی ہے  
عبد الرحمن بن عبد اللہ بن دینار اس سے استدلال نہیں کیا جاتا، ان سے اسماعیل بن عیاش سے  
روایت کرتے ہیں جو اپنی حدیث میں کثیر الخطا ہیں اور وہ ان خطاؤں کو جان بھی نہیں پاتے،  
لہذا یہ بھی حد احتیاج سے نکل گئے، اور ان سے عبد العزیز بن یحییٰ المروزی روایت کرتے ہیں،  
جن کے بارے میں ذہبی نے میزان میں کہا کہ یہ مجہول ہیں گویا کہ اس نے حدیث کا فرقہ کیا  
کیونکہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ (حافظ کنانی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں: امام ذہبی نے واہیات  
میں عبد العزیز کی جہالت پر موافقت کی ہے، اور ان کو مؤدب کے وصف کے ساتھ موصوف کیا  
ہے۔ پھر یہ کہا ہے کہ عباس الدوری نے اس کو عبد العزیز بن بحر سے روایت کیا، اور یہ فرمایا کہ  
یہ مشہور ہیں، اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ کسی نے ان کو ضعیف قرار دیا ہو، بلکہ اسماعیل بن  
حجازین سے عجائب روایت کرتے ہیں۔ اتنی۔ پھر امام ذہبی نے میزان میں اس کے برعکس  
بات کہی اور فرمایا کہ عبد العزیز بن بحر المروزی نے اسماعیل بن عیاش سے خبر باطل روایت کی  
ہے اور اس پر طعن کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔“ (تزییۃ الشریعۃ ج ۲ ص ۲۰)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ الاسلام میں بھی یہ فرمایا کہ عبد العزیز بن بحر المروزی کو ضعیف نہیں  
کہا گیا، فرماتے ہیں:

(عبد العزیز بن بحر المروزی المؤدب) نزیل بغداد۔ عن: سلیمان بن أرقم، وعطاف  
بن خالد، وإسماعیل بن عیاش، وعنه: عبد الله بن أبي سعد الوراق، وابن أبي الدنيا  
ومحمد بن سوید وأخرون، لم يضعف

”عبد العزیز بن بحر المروزی المؤدب، نزیل بغداد، سلیمان بن ارقم، عطف بن خالد، اسماعیل بن عیاش سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے عبد اللہ بن ابی سعد الوراق اور ابن ابی الدنیا، اور محمد بن سوید وغیرہ نے روایت کیا ہے، ان کو ضعیف نہیں کہا گیا۔“

(تاریخ الاسلام ج ۵ ص ۸۷۲ رقم ۲۵۷)

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعینہ میزان الاعتدال کی عبارت نقل کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ میزان کی عبارت کے بعد ابن عدی کی عبارت نقل کی ہے فرماتے ہیں:

وقال ابن عدی فی ترجمة عبد العزيز بن يحيى المدنی: عبد العزيز بن بحر. مجهول.

وقال فی ترجمة عطف بن خالد: عبد العزيز بن بحر. ليس بمعروف.

”یعنی ابن عدی نے عبد العزیز بن یحیی المدنی کے ترجمہ میں فرمایا: عبد العزیز بن بحر مجهول ہے، اور عطف بن خالد کے ترجمہ میں فرمایا: عبد العزیز بن بحر معروف نہیں ہے۔“

(لسان المیزان ج ۵ ص ۱۹۱)

اس عبارت میں واضح اشارہ ہے کہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ بھی امام ذہبی علیہ الرحمۃ کے خبر باطل کہنے پر مطمئن نہیں، ورنہ ابن عدی کے قول کو نقل کرنے کی حاجت کیا ہے، بہر حال حافظ ذہبی کے اقوال میں یہاں تعارض ہے، اور حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے راوی کا حال بیان کر دیا ہے کہ یہ غیر معروف و مجهول ہے۔ اور ایسے راوی کی حدیث کا حکم مخفی نہیں کہ فقط ضعیف ہونا ہی ہوتا ہے۔

نیز یہ حدیث عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز کے طریق سے بھی مروی ہے جس کی تحقیق ماقبل میں گزر چکی ہے۔

چور کون ہے؟

چند ماہ قبل اس حدیث پر موصوف کے ایک چاہنے والے نے کچھ اعتراضات کیے تھے، جس کے مسکت جوابات الحمد للہ مفتی حسان عطاری صاحب نے دیئے تھے، اب یہاں موصوف نے بھی وہی اعتراضات کیے ہیں لیکن دونوں کی عبارات میں حیرت انگیز مماثلت ہے، اور لطف یہ ہے کہ دونوں کی غلطیاں بھی ایک جیسی ہیں، معلوم نہیں دونوں میں سے چور کون ہے؟ آئیں آپ کو موصوف کی قابلیت دکھاتے ہیں اور وہی عبارت یہاں نقل کرتے ہیں جو موصوف کے متعلق کے جواب میں مفتی صاحب نے لکھی تھی۔

معارض صاحب لکھتے ہیں: آئیے حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے مکمل الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔۔۔ اس کے بعد معترض نے عربی عبارت اور اس کا ترجمہ نقل کیا اور لسان المیزان کا حوالہ دیا ہے اور پھر لکھا ہے: دراصل الفاظ امام ذہبی کے ہیں جو حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بلا تردید نقل کیے ہیں۔

(میزان الاعتدال ج ۴ ص ۳۵۹-۳۵۸)

اقول وباللہ التوفیق! معترض صاحب نے اولاً یہ کہا کہ آئیے حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے مکمل الفاظ ملاحظہ فرمائیں پھر اس کے بعد لکھا کہ یہ الفاظ حافظ ذہبی کے ہیں جو بعینہ حافظ ابن حجر نے نقل کر دیے ہیں، مگر قارئین ہم نے اوپر لسان المیزان کی عبارت نقل کی ہے جس میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے میزان الاعتدال کی عبارت نقل کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ابن عدی کی عبارت نقل کی ہے جس سے راوی کا حکم واضح ہوتا ہے۔۔۔ معترض صاحب جرات کی داد تو آپ کی دینی چاہیے۔ مکمل الفاظ کہہ کر بھی مکمل نقل نہیں کر رہے۔

ثانیاً: میزان الاعتدال کے الفاظ جو لسان المیزان کا کہہ کر معترض نے نقل کیے وہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں پھر اس کا درست ترجمہ اور اس کے بعد معترض کی غلطیاں:

عبد العزیز بن بحر المروزی عن إسماعيل بن عياش بنخبر باطل، وقد طعن فيه عباس الدوري، واللفظ له وعبد الله بن أحمد وغيرهما، قالوا: حدثنا عبد العزيز بن بحر... إلخ

”یعنی عبد العزیز بن بحر المروزی نے اسماعیل بن عیاش سے خبر باطل روایت کی ہے، اور ان پر طعن کیا گیا ہے، عباس الدوري، عبد اللہ بن احمد وغیرہ نے کہا۔ اور لفظ عباس الدوري کے ہیں۔ ہمیں حدیث بیان کی عبد العزیز بن بحر نے۔۔۔ الی آخرہ۔“

(میزان الاعتدال ج ۴ ص ۳۵۸-۳۵۹ رقم ۵۰۹)

یہاں معترض صاحب نے عبارت سمجھنے میں ایسی غلطی کی ہے جو عام طور پر خامسہ سادسہ کا طالب علم بھی نہیں کرتا۔ انہوں نے اولاً عباس الدوري عبد اللہ بن احمد وغیرہ کو طعن کا فاعل سمجھ لیا، اور لکھا: عباس الدوري نے اس پر اعتراض کیا ہے اور یہ الفاظ اسی کے ہیں اور عبد اللہ بن احمد اور دوسرے محدثین نے بھی اعتراض کیا، ان سب نے فرمایا۔



ہیں، دوسرے عبد العزیز بن بحر المروزی ہیں، اس سے روایت کرنے والے بھی معلوم ہیں، البتہ اس کی توثیق نہیں کی گئی، اس لیے اس لیے اس کو مجہول غیر معروف کہا گیا ہے۔ اور امام برہان الدین الحلیمی کے کلام سے تو بالکل واضح ہے کہ اس حدیث کو امام ذہبی نے باطل کہا بھی ہے تو اس عبد العزیز بن بحر کی روایت سے کہا ہے، حافظ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

عبد العزیز بن بحر المروزی عن إسماعيل بن عياش بنخبر باطل وقد طعن فيه ثم ذكر الذهبي الحديث وفي قوة كلامه بنخبر باطل مع قوله: وقد طعن فيه. أن يكون أتهم بوضعه. والله أعلم

”عبد العزیز بن بحر نے اسماعیل بن عیاش سے خبر باطل روایت کی ہے، اور ان پر طعن کیا گیا ہے، (یہاں تک امام ذہبی کے الفاظ ہیں، آگے امام حلبی فرماتے ہیں:) امام ذہبی کے کلام میں اس کو خبر باطل کہنے پر جزم ہے ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ اس (عبد العزیز بن بحر) پر طعن کیا گیا ہے، (اس سے واضح ہوتا ہے کہ) اس حدیث کو وضع کرنے پر یہی متہم ہیں۔“

(السنن ص ۱۶۸ رقم ۱۱۳)

اور یہ بات ہم واضح کر آئے ہیں کہ عبد العزیز بن بحر کے بارے میں خود حافظ ذہبی کا کلام متفق ہے، اس کو زیادہ سے زیادہ مجہول کہا گیا ہے۔ حافظ حلبی کے کلام سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ خبر باطل جزم کرنا کسی اور علت کی وجہ سے نہیں بلکہ عبد العزیز بن بحر کو متہم کرنے کی وجہ سے ہے۔

### پھر خیانت

حافظ کنانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو متناقض قرار دیا کہ یہاں میزان میں یہ فرما رہے ہیں، اور تلخیص العلل میں فقط اس کو مجہول کہا اور یہ فرمایا کہ کسی نے بھی عبد العزیز کو ضعیف قرار نہیں دیا۔ اور ہم اوپر امام ذہبی کی کتاب تاریخ الاسلام سے بھی نقل کر چکے ہیں کہ بقول امام ذہبی کسی نے بھی اس کو ضعیف قرار نہیں دیا، یہی تناقض ہے۔

لیکن فیضی صاحب خیانت کا ارتکاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”امام ابوالحسن علی بن محمد الکفانی نے بھی اس حدیث کو باطل تسلیم کیا ہے، چنانچہ انہوں نے اس روایت کو درج کرنے کے بعد عبد العزیز کے تعین میں تو مختلف اقوال نقل کیے ہیں لیکن اس



حدیث کو باطل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔“

ہم اوپر حافظ کنانی کی کھل عبارت اور اس کا ترجمہ نقل کر چکے ہیں قارئین اس کو پڑھ کر خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

### چوری اوپر سے سینہ زوری

موصوف کی خیانتیں آپ نے ملاحظہ فرمائیں، اب الٹا چور کو توال کو ڈانٹنے کے مطابق لکھتے ہیں: ”بتلائیے: جن مقامات پر اس حدیث کو موضوع و باطل کہا گیا ہے، موصوف کا ان ہی مقامات سے اس روایت کو آنکھیں بند کر کے نقل کر دینا کتنی بڑی جسارت اور علمی خیانت ہے؟“

(الاحادیث الموضوعات ص ۱۲۶)

فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اس کا پہلا حوالہ الشریعہ کا ہے اس کتاب میں اس کو ہرگز موضوع نہیں کہا گیا، اس کی اور السنۃ کی سند عبد العزیز بن بحر کے بعد سے ایک ہی ہے اور السنۃ کی سند کی تحقیق بھی ہم نے اوپر کر دی جس کے مطابق اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ ضعیف کہا جاسکتا ہے، دوسرا حوالہ مسند الفردوس کا ہے اس میں اس حدیث پر اصلاً کوئی کلام نہیں، تیسرا حوالہ لسان المیزان کا ہے اس کی تحقیق ہم نے اوپر ذکر کر دی، چوتھا حوالہ السنۃ کا ہے اس میں بھی اصلاً اس حدیث کو موضوع نہیں کہا گیا اور اس کی تحقیق بھی اوپر گزر چکی، پانچواں حوالہ تاریخ ابن عساکر کا ہے اور اس میں ابن عساکر کے الفاظ بھی اوپر ذکر ہوئے جس کا واضح صریح صاف معنی ہے کہ یہ حدیث زیادہ سے زیادہ ضعیف ہے۔ اب بتائیں ایک حدیث کو موضوع ثابت کرنے کے لیے جسارت کرنے والا کون؟ اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کی شان گھٹانے کے لیے خیانت و درخیانت کرنے والا کون؟

اللہ کریم ہمیں اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تمام اہل بیت عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ادب و احترام اور ان کی الفت و محبت عطا فرمائے۔ آمین۔

### حلم معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حلم یعنی بردباری مشہور و معروف ہے، اور آپ اس میں گویا کہ ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں، نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف ان کے حلم کے لیے دعا کی جیسا کہ تفصیلی تحقیق حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں گزر چکی، ساتھ ہی حضور

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس امت کے بڑے بردباروں میں آپ کے شامل ہونے کی خبر بھی ارشاد فرمائی۔ اس حوالے سے ایک مرفوع حدیث اور ایک موقوف حدیث، اس کی تحقیق اور ساتھ موصوف ظہور احمد فیضی کے باطل اعتراضات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”معاویۃ بن ابی سفیان أحلم أمتی وأجودھا“ معاویہ بن ابی سفیان میری امت کے سب سے بڑھ کر بردبار اور سخی (لوگوں میں سے ایک) ہیں۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث حضرت ابو قلابہ اور حضرت مکحول شامی نے روایت کی ہے۔

حضرت ابو قلابہ کی روایت کے پہلے راوی حرب بن اسماعیل الکرمانی ہیں جن کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے، امام فقیہ رجل جلیل ہیں اور ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔

یہ اس حدیث کو حماد بن المبارک سے روایت کرتے ہیں، حماد بن المبارک کی تعیین نہ ہو سکی کہ اس سے مراد کون ہیں، حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میزان الاعتدال میں حماد بن المبارک سجستانی کا ذکر کیا ہے اور ان کو مجہول کہا ہے، اور حماد بن المبارک البغدادی کا ذکر کیا ہے اور ان کو لا یعرف کہا ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۶۹ رقم ۲۲۷۰-۲۲۷۱) یعقوب بن الفرغ سے روایت میں ان کی متابعت ثقہ امام عبد الرحمن بن عبد الرحیم القرشی المعروف دحیم نے کی ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے)

حماد بن المبارک اس حدیث کو یعقوب بن الفرغ سے روایت کرتے ہیں، ان سے حماد بن المبارک کے علاوہ امام دحیم بھی روایت کرتے ہیں، جیسا کہ تہذیب الکمال میں ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۱۹۶ رقم ۳۷۴۷)

چوتھے راوی امام عبد اللہ بن المبارک ہیں، یہ مشہور ثقہ فقیہ امام مجتہد ہیں۔

پانچویں راوی خالد بن مہران ہیں، یہ بھی ثقہ راوی ہیں امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

خالد بن مہران البصری أبو المنازل الحذاء، الحافظ، عن أبي عثمان النهدي، ويزيد بن

الشخير، وعنه شعبة، وابن عليه، ثقة إمام

”ابو المنازل خالد بن مهران بصری الحذاء حافظ ہیں، یہ ابو عثمان النخعی اور یزید بن شخیر سے روایت کرتے ہیں، ان سے امام شعبہ اور ابن علیہ روایت کرتے ہیں، یہ ثقہ امام ہیں۔“

(الکاشف ج ۲ ص ۳۵۳ رقم ۱۳۵۶)

چنے ردای عبد اللہ بن زید بن عمرو ابو قلابہ ہیں۔ یہ ائمہ اعلام میں سے اور ثقہ راوی ہیں، ابن سعد، ابوبختیانی، ابن خلفون وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

لن تزالوا بخیر یا اهل الشام ما دام فیکم هذا۔

”اے اہل شام تم ہمیشہ خیر سے رہو گے، جب تک یہ تمہارے درمیان تشریف فرما ہیں۔“

(تہذیب الکمال ج ۱۴ ص ۵۴۶-۵۴۷ رقم ۳۲۸۳) (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۰۷-۳۰۸ رقم ۳۴۲۱)

امام عجل نے ان کو ثقہ کہنے کے ساتھ یہ لکھا ہے:

کان یحمل علی علی

”حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف گفتگو کرتے تھے۔“

(کتاب الثقات للعجل ج ۲ ص ۳۰ رقم ۸۸۸)

لیکن حافظ عجل رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کئی وجوہ سے درست نہیں۔

اولاً: اس لیے کہ ان سے نصب کی کوئی بات ثابت نہیں۔

ثانیاً: اس کے برعکس یہ مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین خوارج سے سخت نفرت کرتے تھے۔

غیلان بن جریر کہتے ہیں میں نے ابو قلابہ سے ان کے پاس آنے کی اجازت مانگی تو فرمایا:

ادخل ان لم تکن حروریا، وکان ینہی عن مجالسة اهل الأهواء

”اگر تو حروری (خارجی) نہیں تو داخل ہو جا، آپ اہل بدعت کے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا

کرتے تھے۔“ (اکمال تہذیب الکمال ج ۷ ص ۳۶۸ رقم ۲۹۴۴)

ثالثاً: حافظ ابو زرہ فرماتے ہیں: یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسل روایت کرتے ہیں۔

(کتاب الراہل لابن ابی حاتم الرازی ص ۹۶ رقم ۱۶۹)

نیز ان کو ابن خراش جیسے رافضی نے بھی ثقہ کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۰۹ رقم ۳۴۲۲)

لہذا ان کے بارے میں یہ کہنا کہ ان میں نصب پایا جاتا تھا بلا دلیل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ سند حماد بن المبارک اور یعقوب بن الفرج کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہوگی لیکن یہ ضعیف محتمل ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللالی المصنوعہ میں اس کا ایک متابع ذکر کیا، آپ نے اس حدیث کو ابن عدی کے حوالے نقل کیا جو اس حدیث کو اسحاق بن ابراہیم الغزی سے روایت کرتے ہیں اور یہ صدوق راوی ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۷ ص ۹۸ رقم ۹۲۷۶)

وہ اس حدیث کو امام ثقہ راوی دحیم سے روایت کرتے ہیں، امام دحیم اس کو یعقوب بن الفرج مجہول راوی سے روایت کرتے ہیں، وہ عبد اللہ بن مبارک از خالد الحذاء از ابو قلابہ روایت کرتے ہیں۔

(اللالی المصنوعہ ج ۱ ص ۳۹۲) (تاریخ دمشق ج ۵۹ ص ۱۸۸)

اس سند میں فقط یعقوب بن الفرج مجہول الحال راوی ہیں جن کی توثیق نہیں مل سکی۔  
رواۃ پر تحقیق آپ نے ملاحظہ فرمائی، اس کے مطابق اس حدیث کو فقط ضعیف کہا جاسکتا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اس پر موصوف ظہور احمد فیضی نے فقط یہ اعتراض کیا کہ ”شداد بن اوس سے ابو قلابہ نے روایت کی ہے لیکن اس کا ان سے سماع ثابت۔ حافظ جمال الدین مزی اور حافظ عسقلانی نے جن صحابہ سے اس کا روایت کرنا ذکر کیا ہے ان میں شداد بن اوس کا نام نہیں ہے، علماء اسماء الرجال سے ابو قلابہ کی ثقاہت تو منقول ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی منقول ہے:

بصری تابعی ثقة وکان یحمل علی علی

”بصری تابعی ثقة تھا اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بکو اس کرتا تھا۔“

(الموضوعات ص ۱۰۴)

اقول: اولاً: یہ کوئی دلیل نہیں کہ نام ذکر نہیں کیا تو ان کا سماع حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت نہیں ہوگا، ائمہ اسماء الرجال نے کتب مراسیل میں ان تمام صحابہ گرام کی تعیین کر دی ہے جن سے یہ مرسل روایت کرتے ہیں، ان میں حضرت سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نہیں ہے۔  
ثانیاً: اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اس کا مرسل ہونا ثابت ہوگا اور یہ عند الاحناف تو

ویسے ہی مضرب نہیں اور محدثین کے نزدیک بھی زیادہ سے زیادہ ضعف کا سبب بنے گا۔

### ناصبی کی تہمت

یہ تو آپ کا پسندیدہ مشغلہ ہے، کہ جہاں موقع ملے اہل سنت کو ناصبی بناتے جائیں، جس کے لیے نہ تحقیق کی ضرورت نہ کسی اصول کی پابندی کی حاجت، ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ یہ حضرت سیدنا مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسل روایت کرتے ہیں، اور خوارج جو مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمن تھے ان سے سخت نفرت کرتے تھے، بلکہ بدعتیوں کے پاس بیٹھنے تک سے منع کرتے تھے، ان پر یہ تہمت امام عجل نے ذکر کی ہے باقی کسی نے نہیں، اور امام عجل نے اس پر کوئی دلیل بھی ذکر نہیں کی، جب کہ ان میں ناصبیت نہ پائے جانے پر دلائل موجود ہیں۔

### امام مکحول شامی کی روایت

اس کے پہلے راوی حرب بن اسماعیل ہیں جن کے حالات ماقبل میں گزر چکے۔ دوسرے راوی محمد بن مصفی ہیں، ان پر بھی کلام گزر چکا ہے کہ یہ ثقہ راوی ہیں البتہ مدلس ہیں۔ تیسرے راوی عبد الرحیم بن واقد ہیں یہ مختلف فیہ راوی ہیں، ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے جبکہ خطیب بغدادی نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ (الضعفاء والمتروکین ج ۲ ص ۱۰۳ رقم ۱۹۱۹) السنہ کے مطبوعہ نسخہ میں ان کا نام عبد الرحمن بن واقد مذکور ہے جبکہ مسند الحارث اور تاریخ دمشق میں عبد الرحیم بن واقد ہے، یہی درست نام ہے، امام ذہبی لکھتے ہیں:

عبد الرحیم بن واقد شیخ للحارث بن أبی أسامة، ضعفه الخطیب

(المغنی فی الضعفاء ج ۱ ص ۶۲۲ رقم ۳۶۸۳)

حافظ ابن حبان لکھتے ہیں:

عبد الرحیم بن واقد شیخ، یروی عن عدی بن الفضل، روى عنه الحارث بن أبی

أسامة۔ (الثقات لابن حبان ج ۸ ص ۴۱۳ رقم ۱۴۱۵)

چوتھے راوی بشیر بن زاذان ہیں، یہ بھی مختلف فیہ راوی ہیں ان پر حافظ ابن عدی، ابن حبان، ساجی، ابن جارود، عقیلی نے جرح کی ہے لیکن ان کی جرح ضعف شدید کی حد تک ہے، حافظ ابن جوزی واحد ہیں جو ان کو متہم بالوضع قرار دیتے ہیں۔ جب کہ ابو حاتم رازی جیسے متشدد ان کو صالح الحدیث قرار دے رہے

ہیں۔ اسی لیے علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللالی المصنوعہ میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

(اللالی المصنوعہ ج ۱ ص ۲۱۱)

پانچویں راوی عمر بن صبح ہیں، یہ متروک راوی ہے، علما نے اس پر سخت جرح کی ہے۔  
چھٹے راوی امام مکحول شامی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:  
مکحول الشامی أبو عبد اللہ، ثقة فقیہ، کثیر الإرسال، مشہور  
”ابو عبد اللہ مکحول شامی ثقة فقیہ کثیر الإرسال اور مشہور راوی ہیں۔“

(تقریب المجتہب ص ۵۷۴ رقم ۶۸۷۶)

مکحول شامی حضرت سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، لیکن ان کی یہ روایت مرسل ہے۔

یہ سند سخت ضعیف ہے، لیکن ماقبل سند کے لیے قوت کا سبب بنے گی۔  
حاصل یہ کہ یہ حدیث پاک زیادہ سے زیادہ معمولی درجہ کی ضعیف ہیں، لیکن باب فضیلت میں ہے  
اس لیے بالاتفاق معتبر ہے۔

صاحب موضوعات کے اعتراضات علی السند کے جوابات

موصوف فیضی نے بشر بن زاذان پر ائمہ کی جرح نقل کی ہے، اور ابن ابی حاتم کے قول کو اس لیے معتبر نہیں جانا کہ اس سند میں عمر بن صبح ہیں۔

بشر بن زاذان پر اگرچہ کثیر ائمہ نے جرح کی ہے لیکن وضع کی جرح صرف ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور یہ ابن جوزی کی طرف سے افراط ہے یہ بالاتفاق ضعیف بھی نہیں، ابن ابی حاتم جیسے متقدم نے ان کو صالح الحدیث کہا، ان کا صالح الحدیث کہنا بہت اہمیت کا حامل ہے جیسا کہ فن جرح و تعدیل سے شغل رکھنے والوں پر مخفی نہیں۔

اصول محدثین کے لیکن مرضی فیضی کی

صاحب الاحادیث الموضوعات اپنی کتاب شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لکھتے ہیں: خیال رہے کہ حجتہ العرفی کے بارے میں علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسب عادت افراط و تفریط سے کام لیا ہے، ورنہ اس کے کذاب و متروک ہونے پر اتفاق نہیں، کیونکہ اصول حدیث کے بعض ائمہ نے اس

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی حقیقت (شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۷۷)

کی توثیق بھی کی ہے۔ جب وہاں ابن جوزی کا افراط ہے تو یہاں بھی افراط ہی ہے۔ جب وہاں ان کا افراط قبول نہیں تو یہاں بھی قبول نہیں۔

عمر بن صحیح یہ متروک راوی اس پر تہمت کذب ہے، لیکن اس کے کذاب ہونے پر اتفاق نہیں، نیز یہ حدیث دوسری سند سے بھی سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

موصوف فیضی شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لکھتے ہیں:

”(حجۃ العرنی) کے غالی ہونے پر سب کا اتفاق نہیں، بلکہ امام احمد اور امام عجل نے اس کی توثیق کی ہے، بہر حال کچھ ائمہ حدیث کی یہ جرح صرف اس حدیث کی سند پر ہے، اس کے متن کی صحت پر کسی کو کوئی کلام نہیں ہے اور یہ متن دوسری صحیح اسناد (سندوں) سے بھی ثابت ہے، لہذا ابن جوزی وغیرہ کا مطلقاً اس حدیث کو موضوع قرار دینا بے احتیاطی بلکہ خطا پر مبنی ہے، انہیں چاہیے تھا کہ خاص اس سند کے ساتھ یہ حدیث ضعیف یا موضوع ہے۔“

(شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۷۶)

تو جناب یہ قاعدہ یہاں کیوں بھول گئے؟

علم حضرت معاویہ پر اثر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

امام ابو بکر الخلال رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی سند کے ساتھ حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

قال: کان معاویۃ أحلم الناس، قالوا: یا أبا عبد الرحمن أبو بکر، قال: أبو بکر رحمہ اللہ خیر من معاویۃ، ومعاویۃ من أحلم الناس، قالوا: یا أبا عبد الرحمن عمر، قال: عمر خیر من معاویۃ، ومعاویۃ من أحلم الناس

”آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت معاویہ تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر درگزر کرنے والے تھے، لوگوں نے عرض کی اور حضرت ابو بکر؟ تو ارشاد فرمایا: حضرت ابو بکر اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے، حضرت معاویہ سے بہتر تھے، حضرت معاویہ لوگوں میں سب سے بڑھ کر درگزر کرنے والے تھے، عرض کی گئی اور حضرت عمر؟ تو ارشاد فرمایا: حضرت عمر حضرت

معاویہ سے بہتر تھے، معاویہ لوگوں میں سب سے بڑھ کر درگزر کرنے والے تھے۔

(کتاب السنۃ للخلال ج ۲ ص ۴۴۳ رقم ۶۸۱)

اس کے پہلے راوی محمد بن مخلد بن حفص ثقہ مسند مامون راوی ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

محمد بن مخلد بن حفص، الإمام المفید الثقة، مسند بغداد۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۳ رقم ۸۱۱)

سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں:

سئل الدارقطنی عنہ، فقال: ثقة مأمون

”امام دارقطنی سے ان کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: ثقہ ہیں۔“

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۲۵۶ رقم ۱۰۸)

دوسرے راوی نصر بن داود بن طوق ہیں: ابن ابی حاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

نصر بن داود بن منصور بن طوق، روی عن یحییٰ بن یوسف الزمی، وأبی عبید القاسم

بن سلام، وعبید اللہ بن عمرو الأمدی، سمعت منه بواسط، وروی عنہ موسیٰ بن

إسحاق القاضی بعض کتب أبی عبید، ومحلہ الصدق

”نصر بن داود: یحییٰ بن یوسف الزمی، ابو عبید القاسم بن سلام، عبید اللہ بن عمرو الأمدی سے

روایت کرتے ہیں، میں نے ان سے واسط میں سماعت کی ہے، اور موسیٰ بن اسحاق القاضی

نے ان سے ابو عبید کی بعض کتب کا سماع کیا ہے، اور ان کا مرتبہ صدق ہے۔“

(الجرح والتعديل ج ۸ رقم ۲۱۶۶)

تیسرے راوی محمد بن عبد الملک ہیں، یہ صدوق راوی ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ان

کے بارے میں فرماتے ہیں:

محمد بن عبد الملک بن أبی الشوارب الأموی البصری، واسم أبی الشوارب محمد بن

عبد الرحمن بن أبی عثمان صدوق۔ (تقریب التہذیب ص ۵۲۴ رقم ۶۰۹۸)

چوتھے راوی ابو عاصم العبادانی ہیں: امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ الکاشف میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں:



أبو عاصم العبادانی عبد اللہ بن عبید اللہ، وقیل عبید اللہ بن عبد اللہ، عن أبان بن أبی عیاش، وعلی بن جدعان، وعنه علی وإسحاق، قال ابن معین وغیرہ: صالح الحدیث "أبو عاصم العبادانی، أبان بن أبی عیاش اور علی بن جدعان سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے علی اور اسحاق روایت کرتے ہیں، ابن معین وغیرہ نے ان کو صالح الحدیث کہا ہے۔"

(الکاشف ج ۵ ص ۶۷-۶۸ رقم ۶۷۰۲)

پانچویں راوی ہشام بن حسان ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

هشام بن حسان الأزدي القردوسي بالقاف وضم الدال- أبو عبد الله البصري. ثقة من أثبت الناس في ابن سيرين، وفي روايته عن الحسن وعطاء مقال لأنه قيل كان يرسل عنهما

"ہشام بن حسان ابو عبد اللہ البصری الازدی القردوسی ثقہ ہیں، ابن سیرین سے روایت میں سب سے زیادہ مضبوط ہیں، اور حسن بصری اور عطا سے ان کی روایت میں کلام ہے، اس لیے کہ کہا گیا ہے کہ ان سے یہ مرسل روایت کرتے ہیں۔" (تقریب التہذیب ص ۶۰۲-۶۰۳ رقم ۷۲۸۹)

چھٹے راوی محمد بن سیرین ثقہ راوی ہیں۔

اور ساتویں اس فرمان کے قائل حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

حاصل یہ کہ سند ایہ روایت حسن ہے۔

حدیث مرفوعہ و موقوفہ سے آپ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا احلم بڑا بردبار ہونالاحظہ فرما چکے۔ اسی طرح حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث حسن میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ان کے لیے پیٹ بھر بردباری کی دعا بھی پڑھ چکے ہیں۔ اب اگر اس کے معارض کوئی حدیث ثابت ہوتی تو بھی محدثین ایسے مواقع پر ان میں تطبیق بیان کرتے ہیں، یا کسی طرح کی تخصیص یا تفسیر ہوتی ہے تو اسے واضح کرتے ہیں، لیکن کیا کریں بغض معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موصوفہ فیضی کے سرچڑھ کر ایسا بول رہا ہے، مہمل، محتمل واقعات جن میں کئی پہلو نکلتے ہیں، اور بعض تو سند ضعیف و مطروح ہیں ان کے ذریعے حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول بلکہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو بھی موضوع قرار دے دیا۔

موصوف اس موقوف اثر کی سند پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ روایت روایت و درایت باطل ہے، سند اس لیے کہ اس کی سند میں محمد بن عبد الملک بن جرتج راوی مجہول ہے۔

واہ جی واہ! یہ آپ نے کیسے متعین کر لیا کہ یہ محمد بن عبد الملک بن جرتج ہے؟

محدث جی یہ محمد بن عبد الملک بن جرتج نہیں، جو مجہول راوی ہیں ان سے تو صرف روح بن عباد روایت کرتے ہیں۔، یہ محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب ہیں ان کے شیوخ میں ابو عاصم العبادانی ہیں۔  
علی سبیل التسلیم مان لیا جاتا کہ یہ مجہول راوی ہیں تو کیا اس سے حدیث موضوع ہو جاتی ہے؟ کچھ تو روزِ محشر کا خوف کیجئے۔

موصوف نے اس حدیث پر ایک اعتراض کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی زیادہ بردبار ہونا لازم آتا ہے، اسی طرح حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے امت میں حلم میں فائق ہونے کا بیان خود حدیث پاک میں موجود ہے، ان سے بھی حلم میں بڑھ کر ہونا لازم آئے گا۔“  
مجھے معلوم نہیں کہ موصوف نے باقاعدہ کسی استاد سے پڑھا ہے یا نہیں، ورنہ اس طرح کے اشکالات کے جوابات دورانِ درس بارہا بیان کیے جاتے ہیں۔ (سنایہ ہے کہ موصوف ابتدائی درجوں سے ہی بھاگ گئے تھے)

اولاً: ہم یہاں علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ محقق امام کا فہمی رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ نقل کرتے ہیں، پھر مزید اس پر گفتگو کریں گے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ الخلفاء میں افضل الصحابہ و خیرہم کی فصل مقرر کی اور اس میں متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان کی افضلیت کا ذکر کیا اور آخر میں یہ روایات ذکر کیں

روی أحمد و الترمذی عن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: أرحم أمتی بأمتی أبو بکر، وأشدھم فی أمر الله عمر، وأصدقھم حياء عثمان، وأعلمھم بالحلال والحرام معاذ بن جبل، وأفرضھم زید بن ثابت، وأقرؤھم أبي بن كعب، ولكل أمة أمين، وأمین هذه الأمة أبو عبیدة بن الجراح. وأخرجه أبو یعلی من حدیث ابن عمر وزاد فیہ: وأقضاھم علی. وأخرجه الدیلمی فی مسند

الفردوس من حدیث شداد بن اوس وزاد: وأبوذر أزهد أمتی وأصدقها.  
وأبو الدرداء أعبد أمتی وأتقأها، ومعاویة بن أبی سفیان أحلم أمتی وأجودها.  
وقد سئل شیخنا العلامة کافیجی عن هذه التفضیلات هل تنافی التفضیل  
السابق، فأجاب بأنه لا منافاة.

”امام احمد اور امام ترمذی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے  
ہیں: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت پر میری امت میں  
سب سے بڑھ کر رحم دل ابو بکر ہیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں سب سے سخت عمر  
ہیں، اور حیا میں سب سے سچے عثمان ہیں، ان میں حلال و حرام کو سب سے زیادہ جاننے والے  
معاذ بن جبل ہیں، فرائض کو سب سے زیادہ جاننے والے زید بن ثابت ہیں، اور ان کے سب سے  
بڑے قاری ابی بن کعب ہیں، اور ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابو  
عبیدہ بن الجراح ہیں، یہ حدیث ابویعلیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت  
کی ہے جس میں یہ زیادہ ہے: اور ان کے سب سے بڑے قاضی علی ہیں، اور دیلمی نے مسند  
الفردوس میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، جس میں یہ زائد  
ہے: میری امت کے سب سے بڑے زاہد اور سچے ابوذر ہیں، اور سب سے بڑے عبادت  
گزار اور متقی ابو الدرداء ہیں، اور میری امت کے سب سے بڑھ کر درگزر کرنے والے اور سخی  
معاویہ بن ابی سفیان ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

”ہمارے شیخ علامہ کافیجی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان تفضیلات کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا یہ  
ماقبل تفضیلات کے منافی ہیں؟ تو ارشاد فرمایا: ان میں کوئی منافاة نہیں۔“ (تاریخ الخلفاء ص ۴۱)  
اس امام محقق کے قول سے واضح ہو گیا کہ ان روایات میں کوئی منافاة نہیں۔

ثانیاً: ان روایات میں ایک تطبیق یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اجلہ صحابہ کرام علیہم  
الرضوان کے بعد حلم میں بڑھ کر ہیں، ترمذی شریف کی مشہور حدیث جو اوپر مذکور ہوئی اس کی شرح میں  
علامہ عبدالرؤف المناوی اور علامہ عزیزی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(وأعلمهم بالحلال والحرام) أى بمعرفة ما یحل ویحرم من الأحكام (معاذ بن جبل)

الأنصاری یعنی سیصیر أعلمهم بعد انقراض أكابر الصحابة. (وأقرؤهم) أي أكثرهم علماً بقسمة الموارث (زيد بن ثابت) الأنصاری أي أنه سيصير كذلك بعد انقراض أكابر الصحب، وإلا فعلى، وأبو بكر، وعمر أقرض منه (وأقرؤهم) أي أعلمهم بقراءة القرآن (أبي) بن كعب بالنسبة لجماعة مخصوصين، أو وقت مخصوص.

”ان میں حلال و حرام کے سب سے بڑھ کر جاننے والے (یعنی حلال و حرام کے احکام کو سب سے زیادہ جاننے والے) معاذ بن جبل ہیں (یعنی اکابر صحابہ کے رخصت ہونے کے بعد سب سے بڑھ کر علم والے یہ ہیں) اور فرائض کے سب سے زیادہ جاننے والے (یعنی مال وراثت کی تقسیم کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے) زید بن ثابت ہیں (یہاں بھی یہی ہے کہ یہ، اکابر صحابہ کے رخصت ہونے کے بعد سب سے زیادہ وراثت کا علم رکھنے والے ہو جائیں گے، ورنہ حضرت علی، حضرت ابو بکر، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سے زیادہ وراثت کا علم رکھنے والے ہیں) اور ان کے سب سے بڑے قاری (یعنی قراءت قرآن کا ان میں سب سے بڑھ کر علم رکھنے والے) ابی بن کعب ہیں (یہ ایک جماعت مخصوصہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے یا مخصوص وقت کے اعتبار سے ہیں)۔“ (التیسیر ج ۱ ص ۲۷۱ السراج المنیر ج ۱ ص ۱۸۵)

ملاحظہ فرمایا کہ ان تمام کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مخصوص باتوں میں سب سے بڑھ کر ارشاد فرمایا تھا، شارحین نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی وضاحت کردی ہے کہ اس سے مراد مخصوص وقت میں، ایک مخصوص جماعت کی طرف نسبت کے اعتبار سے اور اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بعد یہ افضلیت ہے۔

ثالثاً: اہل علم پر مخفی نہیں کہ احادیث میں مختلف اعمال کو مختلف اوقات میں سب سے زیادہ فضیلت والا بیان کیا گیا ہے، کبھی کسی عمل کو سب سے زیادہ فضیلت والا بیان کیا گیا تو کبھی کسی عمل کو، اس کے شارحین نے مختلف جوابات دیئے ہیں، ایک جواب یہ دیا گیا کہ یہ من افضل الاعمال ہیں یعنی یہ افضل عمل میں سے ایک ہے، لہذا احلم امتی کا معنی بالکل واضح ہے کہ من احلم امتی یعنی میری امت میں علم میں جو سب سے بڑھ کر لوگ ہیں ان میں ایک حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

ہم ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس قول کو بھی خاص صورت پر ہی محمول کریں گے، ورنہ شیخین کریمین اور ختین حلیمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ضرور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حلم میں بڑھ کر تھے۔

تجربہ اپنے اوپر کیجئے

موصوف فیضی ناصبیوں کا نام لے کر اہل سنت پر یہ اعتراض کرتے ہیں:

”ان کے سامنے پہلے یہ بیان کریں کہ حلم میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی زیادہ تھے، پھر سامعین کے رد عمل میں غور فرمائیں، پھر اسی لمحہ حلم معاویہ میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مذکورہ بالا جھوٹا قول بیان کریں کہ معاویہ شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی زیادہ حلیم تھے۔۔۔ الخ“۔

تجربہ اپنے اوپر کیجئے! ہم بحمد اللہ تعالیٰ! فرق مراتب کا لحاظ رکھنے والے ہیں، امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کا دامن کرم ہمارے ہاتھ میں ہے، یہ تو آپ کی بد نصیبی ہے کہ آپ بار بار مولائے کائنات مولا مشکل کشا علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل لارہے ہیں۔

حالانکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل سے کوئی نسبت ہی نہیں، مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مراتب بے شمار ہیں جس کا عشر عشر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل نہیں، لیکن صاحب الموضوعات کی قسمت کہ حب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معنی بغض معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھ لیا ہے۔

مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کی نسل پاک کا ذکر ہمارے لیے حرز جاں ہے، لیکن ہماری محبت آپ کی طرح گندی اور بغض صحابہ سے متلوٹ نہیں، جس سے خود ائمہ اہل بیت نے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ ہم مولا مشکل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حلم میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت بڑھ کر سمجھتے ہیں۔

یہ تجربہ بھی ضرور کیجئے

موصوف فیضی سادات سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن ان کا یہ دعویٰ جھوٹا اور حقیقتاً بغض معاویہ کا

پردہ رکھنے کے لیے ہے، کبھی ان پر یہ تجربہ کیجئے اور ان سے معلوم کریں: آپ سیدنا سے محبت کرتے ہیں، یہ کہیں گے ہاں، پھر آپ بتائیں کہ فلاں سید (مثلاً سید عرفان شاہ مشہدی صاحب امتیاز العالیہ) سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بیان کرتے ہیں، اور جو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بکواس کرتے ہیں (جیسے ان کے پسندیدہ غیر سید مقرر اور سابقہ خطیب اقبال پور لاہور) ان کا زبردست رد کرتے ہیں، اب جو ان کا رد عمل سامنے آئے گا اس میں غور فرمائیے گا۔

بلکہ ہم تو اس پر دلیل ابتدائے کتاب میں دے چکے، سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ محفل کو ناجائز کہنے والے، بندوں کی دیوالی کی مٹھائی، حلوہ پوری کو جائز کہنے والے اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز، شربت کو ناجائز کہنے والے تو ان کے نزدیک مولانا اور علامہ ہیں، لیکن فاطمی شہزاد سید عرفان شاہ مشہدی حفظہ اللہ تعالیٰ کی اہمیت ان کے نزدیک یہ ہے کہ ان کے لیے موصوف لکھتے ہیں: "مولوی عرفان شاہ مشہدی لکھتا ہے۔"

وہ سادات جو غیر سیدوں میں نکاح کے قائل ہیں فیضی کے نزدیک نسب کی حفاظت میں اہتمام کرنے والے ہی نہیں ہیں۔ یہ کیسی مرضی کی محبت ہے؟

موصوف نے اس کتاب میں حلم معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا کہ "پھر جو کچھ علم ظہر آتا تھا وہ سب بھی مصنوعی تھا اور جتکف تھا حتیٰ کہ ایک مرتبہ ان سے خود اس مصنوعی پن کا اظہار بھی ہوا تھا۔ وہ مدینہ منورہ گئے تو ان کے سامنے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی رونے لگی اور شکایت کرنے لگی تو انہوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

يا بنت أخی ان الناس أعطونا سلطاناً فأظهرنا لهم حلماً تحت غضب وأظهرنا طاعة تحتها قد خبناهم هذا بهذا

"بھتیجی! لوگوں نے ہمیں حکومت دی تو ہم نے اس کے لیے وہ حلم ظاہر کیا ہے جس کے نیچے غضب ہے اور انہوں نے ہمارے لیے اطاعت ظاہر کی ہے جس کے نیچے کینہ ہے، سو ہم نے ان کے ساتھ اس کا سودا اس کے ساتھ کیا۔"

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۹۲ مختصر تاریخ دمشق ج ۲۵ ص ۴۶)

اموی غلام ابن ابی الدنیا نے "حلم معاویہ" کے نام سے مستقل ایک رسالہ لکھا ہے اس میں کوئی دافعت

بھی ایسا نہیں ہے جس سے حقیقی علم عیاں ہوتا ہو، ہر واقعہ کے آخر سے مصنوعیت ٹپک رہی ہے۔

(الاحادیث الموضعات ص ۶۶)

موصوف کے دل میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کس قدر کینہ ہے یہ تو ظاہر ہے، جو ملے بس لے لو تنقیص کا کوئی پہلو نکلنا چاہئے اگرچہ کے اس واقعہ میں کوئی بات حلم کے خلاف نہیں لیکن محقق صاحب متوجہ ہوں اس کی سند شدید ضعیف ہے، جس سے کسی کی تنقیص پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

اس کا راوی ہے: علوان بن صالح معروف نام علوان بن داود الجملی ہے، اس کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

علوان بن داود البجلي مولى جرير بن عبد الله، ويقال علوان بن صالح، قال البخاري: علوان بن داود، ويقال ابن صالح، منكر الحديث، وقال العقيلي: له حديث لا يتابع عليه ولا يعرف إلا به: وقال أبو سعيد بن يونس: منكر الحديث

”علوان بن داود الجملی، جریر بن عبد اللہ کے غلام، اس کو علوان بن صالح بھی کہا جاتا ہے، امام بخاری فرماتے ہیں ہیں علوان بن داود اس کو علوان بن صالح بھی کہتے ہیں منکر الحدیث ہے، عقیلی کہتے ہیں کہ اس کی ایک ہی حدیث ہے جس پر اس کی متابعت بھی نہیں اور یہ حدیث اسی سے معروف ہے، ابوسعید بن یونس کہتے ہیں: یہ منکر الحدیث ہے۔“

(لسان المیزان ج ۵ ص ۴۷۲ رقم ۵۲۹۳)

اور امام بخاری خود فرماتے ہیں جس کے بارے میں کہوں کہ یہ منکر الحدیث ہے اس سے روایت کرنا ہی حلال نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں! یہ وہ محقق اعظم صاحب ہیں جو فقط راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے اثر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سند موضوع قرار دے چکے ہیں اور اس میں بھی بلا تحقیق راوی بدل کر اسے مجہول کہہ دیا، اور یہاں راوی منکر الحدیث اور منکر الحدیث بھی امام بخاری کے نزدیک جن کے نزدیک ایسا راوی سخت مجروح ہوتا ہے اس کی روایت کو طعن کے لیے استعمال کر رہے ہیں،

امام ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ تعالیٰ کا کیا قصور تھا کہ موصوف نے ان کے لیے اس طرح گھٹیا انداز اختیار کیا اور ان کو اموی غلام لکھا، یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ معیار صرف ایک ہے۔

م۔ ت۔ غلام

ام ہو ابا کہتے ہیں کہ م۔ ت۔ غلام ظہور احمد فیضی نے اہل بیت کے فضائل میں لکھی ہوئی تین چار کتب کا ترجمہ و تشریح کی لیکن اہل علم جنہوں نے اس کی کتب کو پڑھا وہ جانتے ہیں اس کی اپنی ہر بات سے مصنوعیت ٹپک رہی ہے اور ظاہر ہو رہا ہے کہ مقصود صرف صحابہ کرام بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تعریض و تنقیص کرنا ہے۔

موصوف نے اسی طرح کے بعض اور اقوال لکھے ہیں، لیکن ان میں سے بعض سداً مجروح تو بعض درایت مجروح ہیں۔

موصوف امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ نقل کرتے ہیں لکھتے ہیں:

”علامہ بلاذری امام اعظم ابو حنیفہ کے شیخ امام اعظم کا قول سند کے ساتھ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں معاویہ کا ذکر کیا گیا تو لوگوں نے کہا وہ حلیم تھے۔ وہ کیسے حلیم ہو گئے جبکہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ کی اور اس شخص سے قصاص عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطالبہ کا ڈھونگ رچایا جس نے انہیں قتل نہیں کیا۔ بھلا وہ اور قصاص عثمان؟ دوسرے لوگ ان سے زیادہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق دار تھے۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۶۶-۶۷)

اس میں راوی عبید اللہ بن موسیٰ بن بازام جو ثقہ راوی ہے، لیکن یہاں اس کی بات معتبر ہی نہیں، اس لیے کہ یہ غالی شیعہ بلکہ رافضی تھا، ابن سعد ان کی توثیق کے ساتھ کہتے ہیں:

وکان یتشیع ویروی أحادیث فی التشیع منکرۃ.

”یہ تشیع اختیار کرتا تھا، اور تشیع میں منکر احادیث روایت کرتا تھا۔“

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں:

شیعی وان قال قائل: رافضی، لم أنکر علیہ، وهو منکر الحدیث

”شیعہ ہے اور اگر کوئی کہے کہ یہ رافضی ہے تو میں اس پر انکار نہیں کروں گا اور یہ منکر الحدیث ہے۔“

ساجی کہتے ہیں:



صدوق کان یفرط فی التشویع

”صدوق ہے لیکن تشیع میں زیادتی کیا کرتا تھا۔“

امام احمد نے اس کے تشیع کی وجہ سے ہی اسے ترک کر دیا تھا۔ (تہذیب المتذیب ج ۵ ص ۱۱۳ رقم ۱۱۷۷)

اس قول کی سند کا حال بھی آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔ صاحب الموضوعات کو یہاں سند کی تحقیق کی توفیق

نصیب نہ ہوئی۔

دوسری بات امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا جواب بالکل واضح ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ

عنه نے مطالبہ قصاص میں تعجیل کی تو اپنے مطابق درست سمجھ کر کی، اگرچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں خطا

اجتہادی میں واقع ہوئے تھے۔ یہی جواب قاضی شریک کے قول کا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بغض سے محفوظ فرمائے۔

### صاحب سری معاویہ

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیف لطیف منیر

العین میں تقبیل ابھامین کی حدیث کے معتبر ہونے پر مختلف انداز میں دلائل دیئے ہیں، اسی حدیث کے

حوالے سے آپ فرماتے ہیں: بالفرض اگر کتب حدیث میں اصلاً پتا نہ ہو، تاہم ایسی حدیث کا بعض کلمات

علماء میں بلا سند مذکور ہونا ہی بس ہے۔ اقول: بھلا، یاں تو طرق مسندہ باسانید متعددہ کتب حدیث میں

موجود، علمائے کرام تو ایسی جگہ صرف کلمات بعض علماء میں بلا سند مذکور ہونا ہی سند کافی سمجھتے ہیں، اگرچہ طبقہ

رابعہ کسی طبقہ حدیث میں اس کا نام نہ نشان ہو۔

پھر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی مثال بیان فرمائی کہ وصال ظاہری کے بعد امیر المؤمنین

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ندا فرمائی:

یا ایہ انت وایہ یا رسول اللہ۔ میرے ماں باپ حضور پر قربان یا رسول اللہ اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کے فضائل جلیلہ وشمائل جلیلہ عرض کیے۔ یہ حدیث امام ابو محمد عبد اللہ بن علی نخعی اندلسی رشاطی نے کہ

پانچویں صدی کے علماء سے تھے اپنی کتاب اقتباس الانوار والتماس الازہار میں اور امام ابو عبد اللہ محمد بن

الحاج عبد ریکی المالکی نے جو آٹھویں صدی کے فضلاء سے تھے ۷۳۷ھ میں وصال ہوا اپنی کتاب مدخل

میں ذکر کی اور دونوں نے اس کو بلا سند ذکر کیا، ائمہ کرام و علماء اعلام نے ان دونوں کتابوں سے بڑھ کر کسی

اور کتاب میں اس کو نہیں پایا، کتب حدیث میں اصلاً نشان نہ ملا۔ لیکن مقام چونکہ مقام فضائل تھا، لہذا اسی قدر کو کافی سمجھا، ان نادانوں کندہ واسوں فرق مراتب ناشناسوں کی طرح طبقہ رابعہ میں ہونا درکنار اصلاً کسی طبقہ میں نہ ہونا بھی انہیں اس کے ذکر و قبول سے مانع نہ آیا، بلکہ اس سے استناد فرمایا۔ اس حدیث کو علامہ ابوالعباس قصار نے شرح قصیدہ بردہ شریف میں ذکر کیا، اور انہوں نے رشاطی کا حوالہ دیا، امام علامہ احمد قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس کو جزماً ذکر کیا، اور انہوں نے شرح قصار اور مدخل کا حوالہ دیا۔ اسی طرح اس کو علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں شیخ محقق نے مدارج النبوة میں ذکر کیا۔ (الی أن قال): حدیث مذکور فاروقی بآبی أنت وأُمی یا رسول اللہ کا ایک پارہ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی شفا شریف میں یونہی بلا سند ذکر فرمایا اس پر امام خاتم الحفاظ جلال الملتہ والدین سیوطی نے مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفا پھر ان کے حوالہ سے علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں ارشاد کیا:

لم أجده في شيء من كتب الآثار، لكن صاحب اقتباس الأنوار وابن الحاج في مدخله ذكره في ضمن حديث طويل، وكفى بذلك سنداً لمثله، فإنه ليس مما يتعلق بالأحكام.

”یعنی کتب حدیث میں اس بارے میں مجھے کوئی بات نہیں ملی ہے، لیکن صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے اپنی مدخل میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں ذکر کیا ہے، اور اس طرح کی حدیث کے لیے اس کی مثل سند کافی ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۵۶۱)

جلیل القدر ائمہ حدیث وفقہ کے عمل اور قول سے سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بات کو واضح فرمایا کہ حدیث بلا سند جب فضائل سے تعلق رکھتی ہو اور معتبر ائمہ کی کتب میں موجود ہو اور علماء اس کو نقل کرتے ہوں تو اس کے قبول میں کوئی حرج نہیں۔

اس موضوع پر مفتی حسان صاحب کا ایک مقالہ ہے جو دو قسطوں میں ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور میں شائع ہو چکا ہے اور فیس بک پر بھی موجود ہے، جس میں کئی علما کے حوالے سے امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اصول کو مبراہن کیا گیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے:

”حدیث جب عقائد و احکام سے تعلق نہ رکھتی ہو اور کتب معتبرہ میں صیغہ جزم جیسے قال، وغیرہ کے ساتھ موجود ہو، نیز دیگر دلائل سے اس کا موضوع ہونا ثابت نہ ہو چکا ہو، علماء نے اس کے

بیان کرنے پر اعتماد کیا ہو تو ایسی حدیث فضائل میں معتبر ہوتی ہے۔ ہاں اگر یہ کسی دوسری قوی حدیث کے اس طرح معارض ہو کہ تطبیق بین الحدیثین نہ ہو سکے تو قابل اعتبار نہیں ہوگی۔“

یہاں ظہور احمد فیضی نے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت میں وارد ایک حدیث اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وارد میں ایک حدیث جو بلا سند ہیں، پر اپنی خواہش نفس کے تحت اعتراض کیا اور ان کو موضوع قرار دیا، ہم وہ دونوں احادیث ذکر کرتے ہیں اور ان کو نقل کرنے والے ائمہ کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد موصوف کے اعتراضات کے جوابات عرض کرتے ہیں۔

فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ حدیث نقل کی گئی:

”حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عشرہ مبشرہ کے فضائل بیان فرمائے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ذکر فرمایا: معاویہ بن ابی سفیان میرے رازوں میں سے ہیں، جس نے ان تمام سے محبت کی وہ نجات پا گیا اور جس نے ان سے بغض رکھا وہ ہلاک ہو گیا۔“

یہ حدیث امام حافظ ابو سعد عبد الملک نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی سنہ ۴۰۶ھ نے اپنی کتاب شرف المصطفیٰ میں، امام ابو حفص عمر بن محمد ملا رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۵۷۰ھ نے وسیلۃ المتعبدین میں، انہیں سے امام محب الدین طبری رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۶۹۴ھ نے اپنی معروف کتاب الریاض النضرۃ میں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۹۷۳ھ نے الریاض النضرہ کے حوالے سے تطہیر الجنان میں اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۱۲۷۰ھ نے الاجوبۃ العراقیہ میں نقل کی ہے۔

اوپر آپ امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق پڑھ چکے ہیں کہ اس طرح کی حدیث کا اس درجے کی کتب میں ہونا بھی کافی ہے۔

ہم ان شاء اللہ عزوجل آگے موصوف کے قاعدے کے مطابق ان کی کتاب سے اس کی مثال بھی پیش کریں گے، یہاں اس حدیث پر موصوف نے بے عقلی میں کچھ عقلی اعتراضات کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے جوابات ملاحظہ فرمائیں!

اس حدیث کے مکمل الفاظ میں سے ایک جملہ ہے:

ولکل نہی حواری وحواری طلحة والزبیر

”یعنی ہر نبی کے لیے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری طلحہ اور زبیر ہیں۔“

اس پر موصوف فیضی لکھتے ہیں:

”اس حدیث کو وضع کرنے والا شخص ہی شاید موصوف کی طرح تھا، اس جاہل کو علم ہی نہیں تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حواری فقط ایک تھے، اور وہ سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جبکہ حدیث گھڑنے والے جاہل نے سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی حواری بنادیا ہے، اس کے الفاظ میں غور فرمائیں: ولکل نبی حواری وحواری طلحة والزبیر (اور ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرے حواری طلحہ وزبیر ہیں) جبکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ایک سے زائد حواری سے آگاہ ہی نہیں تھے۔“

اس پر موصوف نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ذکر کیا جس میں آپ نے ایک شخص کو سنا کہ وہ اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حواری کا بیٹا کہہ رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو آل زبیر سے ہے تو قبہا ورنہ نہیں، جبکہ دوسری روایت کے الفاظ اگر تو زبیر کا بیٹا ہے تو ٹھیک ورنہ تو نے جھوٹ بولا، ایک قول یہ نقل کیا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بعض لوگوں نے سوال کیا: کیا سیدنا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علاوہ کوئی اور نہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حواری کہا جائے؟ فرمایا میں نہیں جانتا، اور یہی سوال خود سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے سوا کسی اور کو بھی حواری فرمایا تھا؟ انہوں نے جواب فرمایا: نہیں اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سوا کسی کو یہ فرمایا ہو۔

موصوف یہ آثار لکھنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

”اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ جھوٹی حدیث بنانے والا شخص پڑھا لکھا جاہل تھا، اور جو غرض مند شخص فقط صاحب سری معاویہ بن ابی سفیان کے جملہ کی وجہ سے اس حدیث کو آگے چلاتا رہا یا چلاتا ہے اس کی بصیرت بھی بوجہ مذہبی تعصب جواب دے چکی ہے۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۱۱۶)

اقول وبالله التوفیق! مولوی فیضی صاحب ذرا ملاحظہ فرمائیں، مسند بزار کی حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا طلحة ویا زبیر، ان لکل نبی حواری وأنتمما حواریا لے طلحہ

اے زبیر، ہر نبی کے لیے حواری ہوتے ہیں اور تم دونوں میرے حواری ہو“ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد حافظ بزار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وعمار بن سیف، صالح، وعبد الرحمن المحاربی ثقة، وابن أبي مواتية صالح، وسائر الإسناد لا يسأل عنه لشقتهم، وهذا الحديث لا نعلمه يروى عن عبد الله بن أبي أوفى إلا من هذا الوجه بهذا الإسناد.

”عمار بن سیف صالح ہے، اور عبد الرحمن المحاربی ثقہ ہے، اور ابن ابی مواتیہ صالح ہے، اور باقی اسناد کے بارے میں اس کے راویوں کے ثقہ ہونے کی وجہ سے سوال نہ کیا جائے گا، اور ہمارے علم میں یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی سند کے ساتھ مروی ہے۔“ (مسند البزار ج ۸ ص ۲۷۸-۲۷۹ رقم ۳۳۴۳)

امام منذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے الترغیب والترہیب میں اس حدیث کو نقل کیا اور فرمایا:

رواة البزار واللفظ له والطبرانی ورواته ثقات إلا عمار بن سيف وقد وثق  
”اس حدیث کو بزار نے روایت کیا اور لفظ انہی کے ہیں، اور طبرانی نے بھی روایت کیا، اس کے رواۃ ثقہ ہیں سوائے عمار بن سیف کے اور ان کی بھی توثیق کی گئی ہے۔“

(الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۴۰)

حافظ بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

رواة البزار، والطبرانی بنحوهم وفيه عمار بن سيف، ضعفه ابن معين، وأبو زرعة، وأبو حاتم، وأبو داود، وثقه العجلي، وغيره، وبقيّة رجاله ثقات.

(مجمع الزوائد ج ۱۸ ص ۴۲۱ رقم ۱۴۹۲۴)

”یہ حدیث بزار نے روایت کی، اور طبرانی نے بھی اس کی مثل روایت کی ہے، اس میں عمار بن سیف راوی ہے جس کو ابن معین، ابو زرعة، ابو حاتم اور امام ابو داود نے ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ عجلّی وغیرہ نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے اور باقی رجال ثقہ ہیں۔“

جی مولوی صاحب کیا اس بالسند حدیث کا بھی رد فرمائیں گے جس میں نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت سیدنا طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی

اپنا حواری ہونے کی خوشخبری ارشاد فرمائی ہے۔

اور شیخ امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت سیدنا طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:  
 أَنَّهُ صَلَّى بِقَوْمٍ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: نَسِيتُ أَنْ أَسْتَأْمِرَكُمْ قَبْلَ أَنْ أَتَقَدَّمَكُمْ  
 أَفَرَضَيْتُمْ بِصَلَاتِي؟ قَالُوا: نَعَمْ وَمِنْ يَكْرَاهِ ذَلِكَ يَا حَوَارِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى  
 عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ  
 يَقُولُ: ((أَيُّمَا رَجُلٍ أَمَرَ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ لَمْ تَجْزِ صَلَاتُهُ أَذْنَهُ))

”انہوں نے ایک قوم کو نماز پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے فرمایا: میں امامت  
 کرانے سے پہلے تم سے اجازت لینا بھول گیا تھا، کیا تم میرے نماز پڑھانے سے راضی ہو؟  
 لوگوں نے عرض کی: اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حواری کون یہ ناپسند کرے  
 گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا (یہ سوال میں نے اس لیے کیا کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جو کسی قوم کو نماز پڑھائے اور وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں  
 تو اس کی نماز اس کے کان سے اوپر نہیں جاتی۔“ (المجم الکبیر ج ۱ ص ۱۱۵ رقم ۲۱۰)  
 حافظ بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

رواہ الطبرانی فی الکبیر من رواۃ سلیمان بن ایوب الطلحی قال فیہ أبو زرعة: عامة  
 أحادیثہ لا یتابع علیہا، وقال صاحب المیزان: صاحب منا کبر وقد وثق.  
 ”اس حدیث کو امام طبرانی نے سلیمان بن ایوب الطلحی کے طریق سے روایت کیا ہے جس کے  
 بارے میں ابو زرعة کہتے ہیں کہ ان کی احادیث میں عموماً متابعت نہیں ہوتی، اور صاحب  
 میزان نے کہا کہ یہ صاحب منا کبر ہیں اور ان کی توثیق بھی کی گئی ہے۔“

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۰۳ رقم ۲۳۷)

یہ نماز ادا کرنے والے کم از کم تابعین تو تھے ہی، اور ممکن ہے ان میں صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی  
 موجود ہوں، ان حضرات نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حواری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہا  
 ہے، کیا ان پر وہی فتویٰ لگائیں گے اور وہی الفاظ ان کے لیے استعمال کریں جو اوپر لکھ چکے ہیں؟  
 اور دیکھیں: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل

کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں:

أَتَيْتُ أَنَا وَأُمِّي مَجْلِسَ قَوْمٍ فَأَوْسَعُوا لَهُ، فَجَعَلُوا يَدَا دُونَهُ مِنْ هَذَا الْجَانِبِ: هَهُنَا يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، وَمِنْ هَذَا الْجَانِبِ: هَهُنَا يَا حَوَارِيَ رَسُولِ اللَّهِ، وَأَوْسَعُوا لَهُ صَدْرَ الْمَجْلِسِ، فَمَجْلِسٌ فِي أَدْنَاهُ، وَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنْ مِنْ التَّوَاضُعِ الرِّضَى بِالدُّونِ مِنْ شَرَفِ الْمَجْلِسِ

”میں اپنے والد (حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ ایک قوم کی مجلس میں آیا تو انہوں نے ان کے لیے جگہ وسیع کی، مجلس کی ایک جانب سے لوگ ندا دینے لگے: اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی اس طرف (تشریف لائیں)، دوسری جانب سے لوگ ندا کرنے لگے: اے رسول اللہ کے حواری اس طرف (تشریف لائیں)، ان لوگوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مجلس کے صدر مقام میں جگہ وسیع کر دی، لیکن آپ نیچے تشریف فرما ہو گئے اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: تواضع میں سے یہ بھی ہے کہ بلند مقام کی جگہ نیچے کی جگہ پر راضی ہوا جائے۔“

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: هذا حديث حسن غريب یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (الآمالی المطلقہ ص ۱۹۵ مجلس الثامن والتسعين) اور نسيل حافظ ابن بطہ العکبری سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے لیا آپ فرماتے ہیں:

إن عثمان أحد الحواريين حواري رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم  
”بیشک عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حواریوں میں سے ایک ہیں۔“ (الإبانة الكبرى لابن بطة ج ۸ ص ۱۱۵ رقم ۱۴) (تاریخ دمشق ج ۲۹ ص ۱۷۸)  
امید ہے بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ کون کس کی طرح ہے۔ جہالت و بغض صحابہ کہاں ہے اور علم و عشق و محبت کہاں ہے۔

اور پڑھیں علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وعن قتادة إطلاق الحواري على غيره رضى الله تعالى عنه أيضاً. فقد قال: إن الحواريين كلهم من قریش، أبو بكر، وعمر، وعلي، وحزقة، وجعفر، وأبو عبیدہ بن الجراح، وعثمان بن مظعون، وعبد الرحمن بن عوف، وسعد بن أبي وقاص، وعثمان بن عفان، وطلحة بن عبید اللہ، والزبیر بن العوام رضى الله تعالى عنهم أجمعين.

”حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حواری کا اطلاق حضرت سیدنا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ دیگر پر بھی آیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ بیشک حواری تمام قریش سے ہیں (اور وہ یہ ہیں) حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت جعفر، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عثمان بن عفان، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔“ (روح المعانی ج ۲۸ ص ۹۱)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کو امام مجتہد امام ابو طالب الحکی، امام قرطبی، امام بغوی، حافظ سیوطی، حافظ عبد الرزاق رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر مفسرین نے بھی ذکر کیا، البتہ امام ابو طالب الحکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ قول امام معمر کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ (الہدایۃ الی بلوغ النہایۃ ج ۱۱ ص ۷۴۱۶)

جاہل کون؟

اب ہم ان تمام معتمد علمائے محققین کو تو جاہل کہنے سے رہے اس سے بہتر چہی ہے کہ اسے ہی جاہل کہہ دیا جائے جس کی منطق سے ان تمام حضرات کا جاہل ہونا لازم آ رہا ہے۔

رہا حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کسی اور کا حواری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہ ہونا تو اگلی روایت میں انہوں نے خود واضح کیا ہے کہ انہوں نے اپنے علم کی نفی کی تھی، اور ان کا نہ جانتا یہ نہ ہونے کی دلیل نہیں، کمالاً بخفی ای طرح حضرت سیدنا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ممکن ہے اس وقت توجہ نہ رہی ہو اس لیے اپنے علم کی نفی فرمائی۔

ہم تو پوری ہی حدیث مانتے ہیں اور آپ؟

اس حدیث میں جملہ آیا ہے: افضلہم علی یعنی ان میں افضل علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ہم ان



سے پہلی والی حدیث کے تحت تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ ایسے مواقع پر دیگر اولہ کے سبب مستثنیات موجود ہوتے ہیں، یا من افضل کے قبیل سے ہوتے ہیں، یا کسی مخصوص فضیلت کے ساتھ خاص ہوتے ہیں، مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جزوی فضیلت علیٰ غیرہ کا کون منکر ہے، کثیر فضائل کے ساتھ آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ خاص ہیں، اس کا معنی بالکل واضح ہے، کہ خلفائے ثلاثہ کے بعد لوگوں میں سب سے افضل حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، لیکن ظہور احمد فیضی نے اس پر ہیڈنگ لگائی ”حدیث کو آدھا ماننا ہے یا پورا“ اور پھر اس کے تحت یہ لکھا ”لہذا موصوف سے پوچھا جائے کہ جب ان کے نزدیک یہ حدیث قابل قبول ہے تو کیا وہ اس حدیث کی تصریح کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلفائے ثلاثہ سے افضل مانتے ہیں یا پھر ان کا ایمان فقط و صاحب سری معاویہ کے جملہ پر ہی ہے۔“

(ص ۱۱۶)

جواب تو ہم نے اوپر دے دیا کہ جزوی فضیلت کا انکار کوئی نہیں کرتا، لیکن موصوف کے اصول یہاں کیا ہیں اور دوسری کتابوں میں کیا ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں، حضرت سیدہ کائنات سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے حوالے سے ایک حدیث جو امام عبد الرؤف المناوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی اس روایت کو حافظ ابن جوزی حافظ ذہبی اور علامہ سیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ نے موضوع قرار دیا، اور محمد بن دینار کو اس حدیث کا گھڑنے والا بتایا، موصوف کے بقول مصنف یعنی علامہ عبد الرؤف المناوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی بعض جملوں کے استثناء کے ساتھ ان سے متفق ہیں، چنانچہ موصوف نے اپنی کتاب مناقب زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں پہلے اس حدیث پر ہیڈنگ لگائی ”صدق و کذب کا مجموعہ روایت“، پھر اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں: ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور امام ذہبی اور امام سیوطی نے ان کی تائید کی ہے اور بعض جملوں کے استثناء کے ساتھ مصنف رحمۃ اللہ علیہ بھی اس تحقیق سے متفق ہیں۔“

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں: ”جھوٹے کی ہر بات جھوٹ نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے جھوٹ میں کچھ سچ بھی ملتا ہے۔ اس روایت میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ اس کی توضیح میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں“ پھر کیا صدق کیا کذب ہے اس کو بیان کیا۔ (مناقب الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ص ۱۳۵-۱۳۹)

اب بتائیں یہاں آپ کا اصول کہاں گیا، جب راوی کذاب تھا تو اس حدیث کو مطلق موضوع قرار دیتے، اگر دوسرے جملے ثابت بھی تھے تو دیگر روایات کی بنیاد پر ہوتے

لیکن یہ کون سا اصول ہے کہ ایک جگہ چند جملے تسلیم کر رہے ہیں اور چند کا انکار کر رہے ہیں، اور دوسری جگہ جملہ مؤول ہے جس کو تاویل کے ساتھ تسلیم بھی کیا جاسکتا ہے، اس کے سبب مکمل حدیث پر طعن کر رہے ہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باب میں یہ دہرا معیار کیوں؟

### حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ پر طعن

موصوف کی علم حدیث میں مسکینی مسلسل آپ کے سامنے ہے، چونکہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الصواعق المحرقة میں تو اس حدیث کو نقل نہیں کیا تھا لیکن تطہیر اللسان میں یہ حدیث نقل کی ہے، ظاہر ہے حدیث میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ہے تو کس میں جرأت ہے کہ موصوف کی موجودگی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بیان کرے، جو کرے گا وہ وکیل معاویہ کہلائے گا اور موصوف کے طعن و تشنیع کا شکار ہوگا۔ لہذا موصوف کے بقول فضائل معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کو نقل کر کے ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقام و مرتبہ کو گرا دیا، پس ہمتی کا شکار ہوئے، بادشاہ کی فرمائش پر یہ کتاب لکھی لہذا اپنے مقام و مرتبہ سے نیچے آ کر کتاب لکھی، لا حول ولا قوۃ الا باللہ!

اس سے قبل موصوف حافظ ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ تعالیٰ کو علم معاویہ پر کتاب لکھنے کی وجہ سے اسوی غلام لکھ چکے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو شہرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مجبور اور تکلف کرنے والا لکھ چکے ہیں، بڑے بڑے محدثین کو فضیلت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے دھوکہ کھانے والا کہہ چکے ہیں۔ بہر حال جو شخص حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں اس کے نزدیک ان کی ائمہ کی کیا حیثیت ہوگی بخوبی جانا جاسکتا ہے۔

اولاً: یہ بتائیں: یہ کہاں کا اصول ہے کہ اگر ایک مصنف ایک حدیث کو اپنی ایک کتاب میں نقل نہیں کرتا اور دوسری کتاب میں نقل کرتا ہے تو یہ اس کی مجبوری ہے اور وہ جھوٹی باطل حدیث نقل کر رہا ہے؟

ثانیاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغض میں جس طرح آپ خیانت پر خیانت کے جارہے ہیں، جس نے لکھا ہی نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر جب مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہو تو وہاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ لکھا بولا جائے بلکہ اس کا رد کیا ہے، اس کی طرف آپ نے یہ بات منسوب کر دی، جگہ جگہ درمیان سے عبارات حذف کر دیں، جس بات کا اگلی عبارت میں رد تھا مصنف کی طرف منسوب کر دی، یہ تمام باتیں ہم تفصیل سے بیان کرتے آ رہے ہیں، اور آگے اس سے بڑھ

کر آپ کے بارے میں انکشافات کریں گے، آپ بتائیں آپ کی کون سی مجبوری ہے؟

دوسری حدیث

مولائے کائنات حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقیناً کئی فضائل کے ساتھ منفرد ہیں، آپ کی شان و عظمت کا احاطہ تو دور کی بات ہے اس کے بعض حصے کو بھی جیسا کرنا چاہیے ویسا بیان کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔

لیکن مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کو آڑ بنا کر دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل کا انکار کرنا یہ اہل سنت کا طریقہ کار نہیں ہے۔

حدیث مبارک انا مدینہ العلم و علی بابھا کے مختلف طرق و الفاظ علما نے ذکر کیے ہیں، اس پر بھی مفتی سان صاحب قبلہ نے تفصیل سے کلام کیا تھا ہم ان ہی کی تحقیق یہاں ذکر کر رہے ہیں۔  
”بعض کتب میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے:

أنا مدینة العلم، وأبو بكر أساسها، وعمر حيطانها، وعثمان سقفها، وعلی بابها۔  
”میں علم کا شہر ہوں، ابو بکر اس کی بنیاد، عمر دیواریں، عثمان چھت اور علی دروازہ ہیں۔“  
ضعیف ہے، موضوع نہیں۔

حدیث مذکور یعنی أنا مدینة العلم وأبو بكر أساسها پر اجلہ محدثین نے فقط ضعیف ہونے کا حکم دیا ہے۔

حافظ ابن حجر بیہقی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس حدیث کے حوالے سے سوال ہوا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: رواہ صاحب مسند الفردوس و تبعہ ابنہ بلا سند عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعاً و هو حدیث ضعیف۔ اس حدیث کو صاحب مسند الفردوس اور ان کے بیٹے نے ان کی تبعیت میں بلا سند حضرت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اور یہ حدیث ضعیف ہے۔ (الفتاویٰ الحدیثیہ ص ۱۹۲)

حافظ نجم الدین محمد بن محمد الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ، المتوفی ۱۰۶۱ھ اس مضمون کی دیگر احادیث اور مذکورہ حدیث دیلمی کے حوالے سے نقل کر کے فرماتے ہیں:  
كلها ضعيفة واهية۔

”یعنی یہ سب شدید ضعیف حدیثیں ہیں۔“

(اتقان ما یحسن من الأخبار الدائرة علی الألسن ص ۱۲۶)

اسی طرح علامہ شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ حدیث دیلمی کے حوالے سے ذکر کی ہے اور یہ ارشاد فرمایا کہ امام دیلمی اور ان کے بیٹے نے اس حدیث کو بلا سند روایت کیا ہے۔ نیز اس باب کی دیگر احادیث کو نقل کر کے ارشاد فرمایا:

وبالجملة فكلها ضعيفة وألفاظ أكثرها ركيكة وأحسنها

حدیث ابن عباس بل هو حسن خلاصه یہ ہے کہ یہ تمام احادیث ضعیف اور ان کے الفاظ رکیک ہیں، اور ان میں سب سے رائج حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے بلکہ وہ حسن حدیث ہے۔ (القاصد الحسن ص ۱۷۰)

علامہ محمد بن اسماعیل عجلونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مقاصد حسنہ کی عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں:

وقال النجم: كلها ضعيفة واهية

”یعنی نجم الدین الغزی کہتے ہیں: یہ تمام ضعیف اور واهی ہیں۔“

(كشف الخفاء ج ۲ ص ۲۳۶ رقم ۶۱۸)

محدث احناف حضرت علامہ علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مسند الفردوس کے حوالے سے اس حدیث کو مرقاۃ المفاتیح میں نقل فرما کر مقرر رکھا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۱۷۰)

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو تاریخ دمشق میں ذکر کیا ہے، اس کے راوی اسماعیل بن علی الواعظ پر سخت جروح موجود ہیں، لیکن خود اس کے حالات میں خاص اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ خطیب بغدادی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ثم قال شيخني أبو الفرج الإسفرايني ثم وجدت هذا الحديث بعد مدة في جزء علي

ما ذكره ابن المثنى فأنشأه أعلم

”یعنی میرے شیخ ابو الفرج الاسفراینی کہتے ہیں: پھر میں نے اس حدیث کو ایک مدت کے بعد

ایک جزء میں اس طرح پایا جیسا کہ ابن المثنیٰ نے ذکر کیا ہے۔“ (تاریخ دمشق ج ۹ ص ۲۰)

یہ واضح بیان ہے کہ ابن المثنیٰ داعظ نے اس مقام پر جھوٹ نہیں بولا، ابو الفرج الاسفراینی کو:

حدیث ایک جزء میں مل گئی۔

اس معنی کی ایک اور حدیث حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

عن أنس بن مالك قال قال رسول الله (صلى الله تعالى عليه وآله وسلم) أنا مدينة

العلم وأبو بكر وعمر وعثمان سورها وعلی بابها فمن أراد العلم فليأت الباب

اسے روایت کرنے کے بعد ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: منکر جدا اسنادا و متنا یعنی یہ حدیث سند اور متن کے اعتبار سے سخت منکر ہے۔ (تاریخ دمشق ج ۵ ص ۲۲۱)

اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ حدیث منکر موضوع نہیں ہوا کرتی۔

ان اجلہ ائمہ کی تصریح سے یہ بات واضح ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، موضوع ہرگز نہیں۔

حاطب اللیل کون؟

موصوف نے اس مقام پر علامہ ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب کو نشانہ بنایا ہے، اور بلا سند دیلمی کی حدیث کو روایت کرنے پر ان کو حاطب اللیل کی طرح قرار دیا۔

موصوف ظہور احمد، شرح اسنی المطالب ص ۴۰۰ پر مولائے کائنات مولا مشکل کشارضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں دو حدیث لے کر آئے اور ان کی اصل دیلمی ہی ہے، اس کو نقل کرنے کے بعد موصوف لکھتے ہیں: اوپر کی دونوں حدیثوں کی سند میرے سامنے نہیں ہے، تاہم ان کا مضمون بالکل بے غبار ہے اور اس کی تائید حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مشاہدہ سے ہوتی ہے۔

بحان اللہ! اگرچہ مجھے ان کی سند بھی معلوم ہے اور سند کی فنی حیثیت بھی معلوم ہے، لیکن سوال یہ کرنا محتاج آپ کے پیش نظر سند ہی نہیں اور حدیث کا اصل ماخذ بھی دیلمی ہی ہے، تو پھر آپ کیسے اس حدیث کو نقل کر رہے ہیں؟ اپنے لیے قاعدہ اور ہے کیا؟

اسی طرح صفحہ ۴۸۴ پر دو حدیثیں ایک مرفوع ایک موقوف نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس کی اور اس سے پہلی حدیث کی سند میرے سامنے نہیں ہے، اس لیے فی الوقت میں سند کے بارے میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں، البتہ ان دونوں حدیثوں کا متن قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات، احادیث صحیحہ، عقل سلیم اور امت کے تعامل کے عین مطابق ہے۔

جب سند آپ کے سامنے مذکور نہیں تو پھر آپ حدیث کیوں نقل کر رہے ہیں؟ یہاں بیان کردہ اصول کے مطابق چاہیے تو یہ تھا اس کی تحقیق کرتے پھر اس حدیث کو نقل کرتے۔

لو آگیا اپنے ہی دام میں صیاد۔

ظہور احمد فیضی نے کتاب کے شروع میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ کام امیر و حاکم کی طرف منسوب ہے، ماتحت تو کٹھ پتلی ہوتے ہیں، اسی لیے موصوف کتاب فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہلسنت کی طرف منسوب کرتے رہے۔ اور امیر اہل سنت ہی کو مخاطب کرتے رہے، ہم نے کہا تھا کہ یہ اصول آپ کے اپنے گلے پڑنے والا ہے۔

موصوف کے اس قاعدے کے مطابق ان کی کتاب مفتی محمد خان قادری صاحب کی بنتی ہے، کیونکہ فیضی ان کے ادارے کے ہی نوکر ہیں، اور انہی کے ادارے میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ لہذا فیضی کے اصول کے مطابق مفتی محمد خان قادری صاحب نے اس کتاب میں تو اس حدیث کو موضوع کہنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے لیکن اپنی تصنیف شرح سلام رضا میں لکھتے ہیں: ”اہل دل کا اتفاق ہے کہ ان وقت تک کوئی شخص درجہ ولایت پر فائز نہیں ہو سکتا جب تک حضرت علی اس کی سفارش نہ فرمائیں: یہی وجہ ہے دوسری حدیث میں آپ کو شہر علم کا دروازہ قرار دیا گیا ہے:

أنا مدينة العلم وأبو بكر أساسها وعمر حيطانها وعثمان سقفها وعلي بابها.

(الصواعق) (شرح سلام رضا ص ۱۰۲)

امید ہے اب جتنے الزامات موصوف نے علامہ ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب پر لگائے ہیں وہی مخاطب اللیل وغیرہ کے القابات موصوف اپنے ادارے کے سربراہ کو بھی دیں گے، بلکہ خود صاحب کتاب یہ القابات منطبق ہوں گے۔

اہل سنت سے گزارش

مفتی حسان صاحب کی ایک تحریر ہمیں اس حوالے سے موصول ہوئی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں: ”یہ تو اصول کی روشنی میں ننگو تھی، کیونکہ جس طرح حدیث کا گھڑنا حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے، اسی طرح دوسری جانب بھی احتیاط کا دامن تھا منا ضروری ہے کہ بلا تحقیق کسی حدیث کو موضوع نہ کہہ دیا جائے، اور یہ بھی گناہ ہے۔ ہم نے اس حدیث پر تحقیق محدثین کے بیان کردہ اصول کے تحت کی ہے اپنی طرف

سے کوئی بات بیان نہیں کی، لیکن میرا سنی بھائیوں کو مشورہ یہی ہے کہ جس طرح ان احادیث کو موضوع نہیں کہا جاسکتا، اس طرح اس درجے کی احادیث کو بیان کرنا بھی کوئی ضروری امر نہیں، جب اس باب میں ہمارے پاس دیگر احادیث موجود ہیں جن سے اثبات مدعی ہو رہا ہے، تو پھر اس طرح کی روایات کو نقل کرنے کی حاجت نہیں، ہاں مقصود تحقیق ہے یا کسی نے موضوع کہا اس کا جواب مقصود ہے یا کسی کے پیش نظر کوئی اور حکمت ہے تو وہ جداگانہ بات ہے، علی العموم میری رائے یہ ہے کہ اس درجے کی احادیث کو بیان نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔

فیس کی محدثین جو بنیادی اعتبار سے سوفٹ ویئر مارکہ محدثین ہیں، اگر ان کے یہاں لائٹ نہ ہو یا سوفٹ ویئر خراب ہو جائے تو ان کی بھی لائٹ چلی جاتی ہے اور یہ بھی آف ہو جاتے ہیں، ان کا بلا دقت نظری اور وہ قواعد جو محدثین نے مقرر کیے ہیں ان کی پیروی کیے بغیر احادیث کا انکار کرنا یہ انتہاء درجے کا معر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کے ایمان و عقیدہ کی حفاظت فرمائے اور اس پر فتن پر آشوب دور میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات جو یقیناً باطل کے آگے ڈھال کی حیثیت رکھتی ہیں اور قرآن و سنت اور ائمہ اہل سنت کی تعلیمات کا بہترین ترجمان ہیں کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔“

کان پر قلم رکھنے والی حدیث

امام ابو بکر بن الخلال السنہ میں روایت کرتے ہیں:

عن عائشة، قالت: أتيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وهو في بيت أم حبيبة، وكان يومها من رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقال: ما جاء بك يا حميراء؟ قالت: قلت: حاجة بدت، قالت: ودق الباب معاوية، فقال: ائذنوا له، قالت: فدخل يمطط في مشيته، قالت: كأني برجليه تر فلان في الجنة، قالت: فجاء فجلس بين يدي رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال: ما هذا القلم على أذنك يا معاوية؟ قال: قلم أعدته لله ولرسوله، قال: أما إنه جزاك الله عن نبيه خيراً، فوالله ما استكتبتك إلا بوحى، وما أعمل من صغيرة ولا كبيرة إلا بوحى.

فكيف إذا قمصك الله قميصك. قالت: فوثبت أم حبيبة ترى الله تعالى مقبلاً  
قميصاً يا رسول الله؛ قال: نعم وفيه هناة وهناة. قالت: فادع الله لأخي يا رسول  
الله؛ قال: جنبك الله الردى وزودك التقوى وغفر لك في الآخرة والأولى.

”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کے پاس حاضر ہوئی اس وقت آپ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تھے، اور  
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دن بھی انہی کا تھا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے حمیراء کس کام سے آئی ہو؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
فرماتی ہیں: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ مجھے کام تھا، فرماتی ہیں اتنے میں حضرت معاویہ رضی  
اللہ تعالیٰ عنہا نے دروازے پر دستک دی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:  
انہیں اندر آنے کی اجازت دو، فرماتی ہیں: وہ آہستہ سے چلتے ہوئے حاضر ہوئے، فرماتی ہیں:  
حضرت معاویہ آئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے، حضور صلی  
اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے معاویہ تم نے کان پر قلم کیوں رکھا ہوا ہے؟ انہوں نے  
عرض کی: میں اس قلم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تیار رکھتا  
ہوں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے نبی صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بہتر جزاء عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ کی قسم میں تمہیں وحی لکھنے کے  
لیے طلب کروں گا اور میں چھوٹا بڑا ہر کام وحی کے ساتھ ہی کرتا ہوں، تم کیسا محسوس کرو گے  
جب اللہ تعالیٰ تمہیں قمیص پہنائے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: حضرت ام  
حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انھیں، اور عرض کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیا فرماتے ہیں: اللہ  
تعالیٰ ان کو خلافت عطا فرمائے گا؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں  
اور اس میں بڑی بڑی آزمائشیں ہوں گی، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی: یا  
رسول اللہ، میرے بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ  
وسلم نے دعا کی: اللہ تعالیٰ تجھ کو ہلاکت سے محفوظ رکھے، تقویٰ تیرا توشہ بنائے، اور دنیا اور  
آخرت میں تیری مغفرت عطا فرمائے۔“ (النتیجہ ج ۲ ص ۴۵۷ رقم ۷۱۰)



اس کے پہلے راوی ابوالحسن بنان بن یحییٰ بن زیاد المغازی ہیں، جو عاصم بن علی، یحییٰ بن معین وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، خطیب بغدادی اور حافظ ابن جوزی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

(تاریخ بغداد ج ۷ ص ۵۸۹ رقم ۳۴۹۴) (المستطعم ج ۱۲ ص ۱۹۲ رقم ۱۶۹۸)

دوسرے راوی حسین بن عبداللہ۔۔ ان کے حالات نہ مل سکے۔

تیسرے راوی: کثیر بن عبداللہ بن جعفر ابن اخی اسماعیل، ان کا صحیح نام عبداللہ بن کثیر بن جعفر ہے،

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

عبد اللہ بن کثیر بن جعفر بن اُبی کثیر الأنصاری، ومن قال: کثیر بن عبد اللہ بن

جعفر فقد وہم، مقبول

”عبداللہ بن کثیر بن جعفر بن ابی کثیر الانصاری ہے، جس نے ان کو کثیر بن عبداللہ بن جعفر کہا

ہے اسے وہم واقع ہوا ہے، یہ مقبول راوی ہیں۔“

(تقریب التہذیب ص ۳۵۲ رقم ۲۵۴۸) (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۴۲ رقم ۳۶۳۹)

چوتھے راوی: ہشام بن عروہ: ثقہ امام فی الحدیث راوی ہیں۔ (الکاشف ج ۴ ص ۴۲۷ رقم ۵۹۷۲)

پانچویں راوی: عروہ بن زبیر ہیں یہ بھی ثقہ ثبت راوی ہیں۔ (الکاشف ج ۳ ص ۴۰۶ رقم ۳۷۷۵)

حاصل یہ کہ سند میں معمولی ضعف ہے، اور وہ حسین بن عبداللہ کے سبب ہے کہ یہ راوی مجھول ہے۔

جلنے والے کا منہ کالا

موصوف لکھتے ہیں:

”فتح مکہ سے تقریباً اکیس برس تک قرآن مجید مسلسل نازل ہوتا رہا اور اس مکمل عرصہ میں متعدد

حضرات یقیناً کتابت وحی کرتے رہے، ممکن ہے کہ حسب عادت وہ بھی قلم کو اپنے کان پر رکھتے

ہوں گے، لیکن ان میں سے کسی کو بھی ایسی دعا اور خوشنودی مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نصیب نہیں ہوئی جیسی کہ معاویہ کو نصیب ہوئی۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۲۷)

اس پر اولاً تو عرض ہے: **مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ** اپنی جلن میں مر جاؤ۔

ثانیاً: یہ درمی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا در ہے، وہ جس کو چاہیں جس طرح چاہیں نواز دیں،

آپ اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں؟

ثالثاً: آپ نے کیسے فیصلہ کیا کہ دیگر کاتبان وحی کو ایسی دعا اور خوشنودی مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حاصل نہیں، کیا عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم ہے؟

رابعاً: کیا دیگر کاتبین وحی کے لیے اس سے بڑھ کر فضیلتیں احادیث میں وارد نہیں ہوئی ہیں؟  
خامساً: جب ایک فضیلت سند کے ساتھ ثابت ہے اگرچہ سند ضعیف ہے، لیکن ضعیف حدیث بالاتفاق باب فضیلت میں مقبول ہے، تو پھر آپ اپنے باطل قیاس سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا رد کرنے کی کس طرح جرات کر رہے ہیں؟

بہر حال یہ آپ کا نصیب ہے کہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہمارے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں ان کے حسد میں آپ کا یہ حال ہو گیا ہے کہ تحریف تو اپنی جگہ رہی حدیث کو رد کرنے سے بھی گریز نہیں کر رہے۔

### اصول فیضی لیکن کہاں؟

محترم قارئین! اوپر سند کی تحقیق آپ ملاحظہ فرما چکے جس کے مطابق یہ حدیث فقط ضعیف ہے اور ایسی حدیث فضائل میں معتبر ہوتی ہے، یہی حدیث ایک اور سند سے امام طبرانی نے روایت کی ہے، جس میں راوی سری بن عاصم بن سہل ہے، جس پر حافظ ابن عدی نے سارق الحدیث کی، ابن خراش رافضی نے کذب کی، اور حافظ ابن حبان نے بھی سارق الحدیث ہونے کی جرح کی ہے۔  
اگرچہ ہمارا مدعی اس سند کے بغیر ہی ثابت ہے، جیسا کہ اوپر حدیث کی تحقیق آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، لیکن کچھ ظاہر کرنے کے لیے پہلے ہم آپ کے سامنے موصوف فیضی کے کچھ اصول جو انہوں اپنی دوسری کتابوں میں حدیث پر جرح کے حوالے سے ذکر کیے ہیں وہ ذکر کرتے ہیں، پھر اس کے بعد سری بن عاصم کا حال ان کے اصول کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

موصوف اپنی کتاب شرح اسنی المطالب میں حدیث علی سید العرب کے بارے میں امام ذہبی کا قول لکھتے ہیں: میں خیال کرتا ہوں کہ اسی (عمر بن حسن) نے یہ حدیث گھڑی ہے اور دوسری سند کے بارے میں کہا ہے کہ اس کو ابن علوان نے وضع کیا (گھڑا) ہے، اور اسی حدیث کو عمر بن موسیٰ الوجیہی نے از ابو الزبیر از جابر روایت کیا ہے اور عمرو دضاع (حدیث گھڑنے والا) ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان تو اس حدیث کے موضوع ہونے کی طرف ہے لیکن درست بات یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں،

(پھر کچھ کلام ذکر کرنے کے بعد اس حدیث کا مجسم اوسط سے شاہد ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں): امام ذہبی کے نزدیک مذکورہ حدیث عمر بن حسن راہی، ابن علوان اور عمر بن موسیٰ الوجیہی کی وجہ سے موضوع ہے، اور اس سند میں یہ تینوں راوی نہیں ہیں، لہذا یہ حدیث موضوع نہیں ہے چنانچہ حافظ بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک شخص خاقان بن عبد اللہ بن اہتم ہے، امام ابوداؤد نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

پھر لکھتے ہیں: معلوم ہوا کہ سند اس حدیث کے موضوع ہونے پر محدثین متفق نہیں ہو سکے اور لگتا یہ ہے کہ مصنف امام شمس الدین الجزری المقری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس حدیث کے متعلق امام ذہبی کے قول کو لائق التفات نہیں سمجھا۔ (ص ۱۸۸ تا ۱۹۱)

اسی کتاب میں موصوف لکھتے ہیں: محدثین کرام فرماتے ہیں کہ جب ایک ہی حدیث کی سند میں کسی مقام پر کوئی دوسرا راوی آجائے تو اس حدیث کی اصل ضرور ہوتی ہے۔ (ص ۳۸۹-۳۹۰)

مزید لکھتے ہیں: کبھی منکر حدیث بھی اپنے متابع کی بدولت حدیث حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

(ص ۳۹۳)

مستدرک کی ایک حدیث پر موصوف نے اپنی کتاب شرح اسنی المطالب میں یوں کلام کیا ہے: خیال رہے کہ مستدرک میں اس حدیث کی سند میں ایک شخص اسحاق بن بشر الکافلی ہے، جس پر بعض محدثین نے کذب اور وضع کی تہمت لگائی ہے، تاہم وہ ایسی بات نہیں لایا جو احادیث صحیحہ سے ثابت نہ ہو۔ (ص ۱۵۱)

اسی کتاب میں موصوف لکھتے ہیں: علمائے اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ کسی راوی کے متروک ہونے پر اگر سب متفق نہ ہوں تو اس سے حدیث لی جائے گی۔ (ص ۳۹۵)

اب ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ کیا سری بن عاصم بن سہل کے ترک پر سب کا اتفاق ہے تو ایسا نہیں، امام دارقطنی نے اس پر فقط ضعیف کی جرح کی ہے۔ (الضعفاء والترمذی ج ۱ ص ۳۱۰ رقم ۱۱۵۹۱)

امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فقط لا یحتاج بہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں، اس پر امام ابن الترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والسری هو ابن عاصم بن سہل، أُلان البیهقی القول فیہ، وکذبہ ابن خراش، وقال

ابن عدی: یسرق الحدیث سری

”یہ ابن عاصم بن سہل ہیں، امام بیہقی نے ان کے بارے میں نرمی اختیار کی ہے، اور ابن خراش نے ان کو جھوٹا کہا ہے، جبکہ ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ حدیث کا سرقہ کرتا تھا“ و

(السنن الکبریٰ مع الجوہر النقی ج ۶ ص ۱۷۹ رقم ۲۷۷۵)

ایک حدیث جسے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے المطالب العالیہ میں موضوع قرار دیا، اس پر حافظ ابن عراق الکنتانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فکان السری بن سہل سرقہ من میسرۃ إلا أن ابن الجوزی أورد حدیثہ هذا فی الواہیات، وأقرہ الذہبی فی تلخیصہ، ولم یزد فی جرح السری علی قوله: ضعفہ الدارقطنی، فکان عندہ لیس موضوعاً واللہ تعالیٰ أعلم

”گویا سری بن سہل نے میسرہ سے اس حدیث کا سرقہ کیا ہے، مگر ابن جوزی نے اس حدیث کو واہیات میں وارد کیا ہے، امام ذہبی نے بھی تلخیص میں اس کو مقرر رکھا ہے اور حافظ ابن جوزی کے قول: ”امام دارقطنی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے“ سے زیادہ سری پر کوئی جرح نہیں کی، گویا

کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم“۔ (تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۱۶۰)

اسی طرح حافظ بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبرانی کی مذکورہ حدیث جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ہے اس میں یہ الفاظ ذکر کیے ہیں:

وفیہ السری بن عاصم، وهو ضعیف۔ (مجمع الزوائد ج ۱۹ ص ۲۹۷ رقم ۱۵۸۸۹)

اب سوال یہ ہے کہ جب سری بن عاصم متفق علیہ متروک نہیں، اور آپ کے بیان کردہ اصول کے مطابق ان سے روایت لینا تو بالکل جائز ہے، پھر آپ کا اتنا اچھل کود کرنا کس وجہ سے؟ صرف اس لیے کہ یہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بیان ہو رہی ہے؟

موصوف لکھتے ہیں: ”کتاب فیضان امیر معاویہ“ کا مؤلف کوئی عام شخص نہیں بلکہ چشم بدور امیر اہل سنت ہے، اگر امیر اہل سنت کی جگہ کوئی عالم ہوتا یا خود مختار عالم ہوتا تو وہ غور کرتا کہ جب امام طبرانی نے حدیث کے آخر میں اشارہ کر دیا تھا کہ تفرد بہ السری تو وہ اس حدیث کی تحقیق کرتا کہ آیا اس حدیث سے دلیل حاصل کرنا حلال بھی ہے یا نہیں، لیکن چونکہ یہ زحمت گوارا نہیں کی گئی اس سے معلوم ہوتا ہے یہ تالیف بعض امراء ہی کی ہے، کیونکہ تحقیق سے امراء ہی جی چراتے ہیں۔“

اقول وبالله التوفیق! اولاً: موصوف نے ابتداء سے اس کتاب کو امیر اہل سنت کی طرف منسوب کیا ہے، اور اس پر دلیل یہ دی ہے کہ کارندے جو کام کرتے ہیں وہ امیر کی طرف ہی منسوب ہوتا ہے۔

موصوف اپنی کتاب شرح اسنی المطالب میں اپنے زعم میں امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”کسی شخص کو یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص سے اختلاف کرے لیکن یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کی طرف وہ بات منسوب کرے جو اس نے لکھی یا کہی نہ ہو۔“ (ص ۶۰۳)

آپ کو یہ حق آپ کے ماموں ابن سبائے دیا ہے کہ آپ اپنی مرضی سے کسی کی طرف صرف بات ہی نہیں پوری کتاب منسوب کر دیں؟

ثانیاً: تحقیق سے جی کس نے چرایا ہے یہ تو ہماری بیان کردہ تحقیق پڑھ کر ہر منصف مزاج اندازہ لگا لے گا کہ موصوف کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ اس حدیث کا دوسرا طریق دیکھ لیتے، جہاں تک جی چرانے کی بات ہے تو موصوف فیضی صاحب کا حال یہ ہے کہ فتاویٰ نذیریہ میں ”رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ کہنے کا مسئلہ مولوی فصیح غازی کے حوالے سے لکھا ہوا ہے جس کا نذیر حسین دہلوی نے تفصیل سے رد کیا، لیکن موصوف نے خیانت کا ریکارڈ توڑتے ہوئے مولوی فصیح کا موقف نذیر حسین دہلوی کے متھے مونڈ دیا، کیا ان کے یہاں خیانت کو تحقیق کہتے ہیں؟ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے جن کا نام بھی وحشی تھا وہ صدقہ بن خالد کے شیخ تھے، ان کو حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنا دیا، سبحان اللہ اس کو تحقیق کہتے ہیں؟ محمد بن زیاد الہامی جس کا سن وفات ۱۴۰ ہجری کی حد ہے، اس کو سن چالیس ہجری میں اس کی پیدائش سے بھی پہلے مار دیا، (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے) سبحان اللہ کیا تحقیق ہے!

ثالثاً: محقق صاحب آپ بھی ذرا مجمع الزوائد اٹھا کر دیکھ لیتے کہ حافظ بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کیا کلام کیا ہے، صرف ضعیف لکھا ہے، امام دارقطنی امام بیہقی نے ان کے بارے میں فقط ضعف کا قول کیا ہے، حافظ ابن عراق کے مطابق، ان کی حدیث ابن جوزی اور حافظ ذہبی کے نزدیک موضوع قرار نہ پائی، فرمائیں تحقیق سے جی کس نے چرایا؟

رابعاً: کسی اور کی تحقیق تو دیکھنا الگ بات ہے، محقق صاحب ذرا یہ بتائیں کہ آپ کے اپنے بیان کردہ اصول یہاں الٹے کیوں ہو گئے؟

خامساً: آخری بات ذرا اس پر تحقیق کر لیتے کہ یہ حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے، جس میں

اصل ساری بن عاصم ہے ہی نہیں، لیکن کیوں کرتے؟۔۔۔۔۔

شیر کا جنتی ہونے کی گواہی دینا

اللہ تعالیٰ کا یہ فضل و کرم ہوتا ہے کہ بسا اوقات بندے کے لیے وہ امور ظاہر فرماتا ہے کہ اس کے لیے نیک فالی اور بھلائی کا سبب ہوتے ہیں اس کے لیے بشارتیں ہوتی ہیں۔ ہمارے ائمہ نے خود اپنے حالات میں اپنے ساتھ پیش آنے والے ایسے امور تحدیثِ نعمت کے لیے بیان کیے ہیں، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بھی ایک بشارت اس طرح ظاہر ہوئی کہ حضرت سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک شیر نے ان کے من جانب اللہ جنتی ہونے کی خبر دی، یہ روایت مع تحقیق سند ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ ابو عروبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الطبقات میں روایت کرتے ہیں:

عن عوف بن مالک، أنه كان قائلاً يوماً في دار يحنا، وقال ابن حرب: في كنيسة يحنا - وهو يومئذ مسجد يصلى فيه - فتنبه عوف بن مالک من نومته، فإذا معه أسد في البيت يمشي نحوه، فوثب إلى سلاحه، فقال الأسد: مه، إنما أرسلت إليك برسالة لتبلغها، قال: ومن أرسلك؟ قال: الله عز وجل أرسلني لتعلم معاوية الرحال أنه من أهل الجنة. فقلت لمحمد بن زياد: من معاوية الرحال؟ قال: معاوية بن أبي سفيان

”حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ ایک دن دارِ يحنا میں سوئے ہوئے تھے، ابن حرب کے الفاظ ہیں: کنیہ يحنا میں سوئے تھے، (راوی کہتے ہیں اب وہ مسجد ہے) اچانک چونک کر جاگ اٹھے تو دیکھا اس مقام پر ایک شیر موجود تھا، جو ان کی طرف بڑھ رہا تھا، یہ تیزی سے اپنے ہتھیار کی طرف بڑھے، اس پر شیر نے کہا: رک جائے، مجھے آپ کے پاس ایک پیغام دے کر بھیجا گیا ہے تاکہ آپ اسے پہنچا دیں، انہوں نے کہا: تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ شیر نے کہا: مجھے اللہ عز وجل نے بھیجا ہے تاکہ تم جان لو کہ معاویہ الرحال جنتی ہیں، راوی کہتے ہیں: میں نے محمد بن زیاد سے پوچھا: معاویہ الرحال کون ہیں؟ کہا:

حضرت معاویہ بن ابی سفيان رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ (المسند من الطبقات ص ۱۰)

اس کی سند کے پہلے راوی کثیر بن عبید الخذاء ہیں یہ ثقہ راوی ہیں، ابو حاتم رازی کہتے ہیں: ثقہ۔ ثقہ ہیں، امام نسائی فرماتے ہیں: لا بأس به ان میں کوئی حرج نہیں، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: قلت: وقال مسلمة بن قاسم في تاريخه: ثقة، وكذا قال أبو بكر بن أبي داود. ذكره ابن حبان في الثقات، وقال: وكان من خيار الناس. مسلم بن قاسم نے اپنی تاریخ میں ان کو ثقہ فرمایا ہے، اور اسی طرح ابو بکر بن ابو داود نے بھی فرمایا ہے، ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا کہ یہ بہترین لوگوں میں سے تھے۔ (الجرح والتعديل ج ۸ ص ۸۶۳) (كتاب الثقات لابن حبان ج ۳ ص ۲۷ رقم ۱۴۹۹۹) (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۵۶۰ رقم ۵۸۰۹)

تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں: ثقہ۔ (تقریب التہذیب ص ۴۹۰ رقم ۵۶۱۸)

کثیر بن عبید نے یہ حدیث محمد بن حرب الخولانی اور بقیہ بن الولید سے روایت کی ہے، محمد بن حرب الخولانی ثقہ راوی ہیں البتہ بقیہ بن ولید مدلس ہیں اور تدلیس تسویہ کرتے ہیں اور یہاں تو یہ ویسے ہی عن سے روایت کر رہے ہیں، لیکن محمد بن حرب الخولانی پر ایسی کوئی جرح نہیں ہے۔

حافظ مروزی، امام احمد سے روایت کرتے ہیں آپ محمد بن حرب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان میں کوئی حرج نہیں، اور امام احمد نے ان کو بقیہ پر ترجیح دی ہے، عثمان الدارمی کہتے ہیں: میں نے ابن معین سے بقیہ کے بارے میں معلوم کیا تو فرمایا: وہ ثقہ ہیں، میں نے کہا: آپ کے نزدیک یہ زیادہ پسندیدہ ہیں یا محمد بن حرب تو فرمایا: محمد بن حرب تو ثقہ ثقہ ہیں (یعنی تکرار کے ساتھ لفظ ذکر کیا اور بقیہ پر ان کو مقدم فرمایا) امام نسائی، امام عیسیٰ، محمد بن عوف، ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ ابو حاتم رازی نے ان کو صالح الحدیث قرار دیا ہے۔ (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی عن یحییٰ بن معین ص ۷۹-۸۰ رقم ۱۹۰-۱۹۱) (الجرح والتعديل ج ۷ ص ۱۲۹۹) (الثقات لابن حبان ج ۹ ص ۵۰ رقم ۱۵۱۲۶) (الثقات للعلی ج ۲ ص ۲۳۴ رقم ۱۵۸۵) (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۰۰ رقم ۶۰۱۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

محمد بن حرب الخولانی، الحمصي، الأبرش بالمعجمة، ثقة

(تقریب التہذیب ص ۵۰۳ رقم ۵۸۰۵)

بقیہ بن الولید کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں:

بقیۃ بن الولید ابو محمد الکلاعی المینمی الحافظ، عن یحیر، و محمد بن زیاد الالہانی  
وأمم، وعنه ابن جریج، وشعبة، و هما من شیوخہ۔ و کثیر بن عبید، و أحمد بن الفرغ  
الحجازی، وخلق، وثقه الجمهور فیما سمعہ من الثقات، وقال النسائی: إذا قال:  
حدثنا وأخبرنا فهو ثقة

”بقیہ بن الولید حافظ یہ یحیر، محمد بن زیاد الالہانی اور ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں، اور  
ان سے ابن جریج اور شعبہ روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں ان کے شیوخ میں سے ہیں، کثیر  
بن عبید، احمد بن الفرغ اور ایک جماعت نے ان سے روایت کیا ہے، جمهور نے ان کو اس  
حدیث میں ثقہ قرار دیا ہے جو انہوں نے ثقہ راویوں سے سنی ہے، اور امام نسائی فرماتے ہیں:  
جب یہ حدیث اور اخبارنا کہیں تو یہ ثقہ ہیں۔“ (الکاشف ج ۲ ص ۱۷۰ رقم ۶۱۹)  
البتہ ہمارا استدلال بقیہ نہیں بلکہ محمد بن حرب الخولانی ہیں جو ثقہ ثبت غیر مدلس راوی ہیں، بقیہ بن ولید  
مختلف فیہ ہونے کے ساتھ ساتھ تدلیس تسویہ بھی کرتے ہیں۔  
یہ دونوں ابوبکر بن ابی مریم سے روایت کرتے ہیں: ابوبکر بن ابی مریم مختلف راوی ہیں اور انکی کے  
سبب یہ سند ضعیف قرار پاتی ہے۔

یہ محمد بن زیاد الہانی سے روایت کرتے ہیں، یہ ثقہ ثبت راوی ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں: یہ ثقہ ہیں،  
امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: یہ ثقہ ہیں، امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں: ان میں کوئی حرج نہیں، امام  
ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، فرماتے ہیں یہ ثقہ ہیں، امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ثقہ مامون راوی  
ہیں، امام علی بن المدینی نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (تاریخ عباس الدوری عن یحییٰ بن معین ج ۴ ص ۲۸۸ رقم  
۵۱۲۴) (الجرح والتعديل ج ۷ ص رقم ۱۴۰۸) (مسند اسحاق بن راہویہ ج ۲ ص ۱۶۹ رقم ۶۷۰) (جامع الترمذی رقم ۳۷۰۹)  
(سؤالات ابی عبیدہ الأجرى للإمام أبی داود ص ۲۵۳ رقم ۱۲۹۵) (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۵۸ رقم ۶۱۱)

صرف امام ابن حبان نے تشدد برتتے ہوئے کہا کہ ان کی روایت اسی صورت میں معتبر ہے جب ان  
سے ثقات روایات کریں لیکن ائمہ کی تعدیل کے سامنے حافظ ابن حبان کی جرح کی کوئی حیثیت نہیں۔

(الثقات لابن حبان ج ۵ ص ۳۷۲ رقم ۱۵۲۵۹)

یہی حدیث امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند کے ساتھ معجم الصحابہ میں محمد بن حرب الابریکی کے



طریق سے روایت کی ہے، جبکہ طبرانی میں یہ واقعہ محمد بن حبیب الخولانی مجہول راوی کے طریق سے مروی ہے،

فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب میں یہ واقعہ معجم اوسط اور معجم الصحابہ کے حوالے سے مذکور ہے، موصوف ظہور احمد فیضی نے معجم الصحابہ کی روایت کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے طبرانی کے راوی محمد بن حبیب الخولانی کے طریق پر کلام کیا ہے، حالانکہ جب یہ روایت محمد بن حرب الابریثی سے بھی منقول ہے تو محمد بن حبیب الخولانی صرف متابعت کا فائدہ دے گا، ابو بکر بن ابی مریم مختلط راوی ہے، لیکن اس سے زیادہ سے زیادہ سند کا ضعیف ہونا ثابت ہوتا ہے نہ کہ من گھڑت ہونا۔

### محمد بن زیاد الالہانی پر نصب کی تہمت کا جواب

موصوف محمد بن زیاد الالہانی کے بارے میں لکھتے ہیں: ”یہ ناصبی (اہل بیت کا دشمن) تھا، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وقال الحاکم: اشتهر عنه النصب کحریر بن عثمان

”امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: حریر بن عثمان کی مانند اس کی ناصبیت مشہور ہے۔“

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے محمد بن زیاد الالہانی حمصی کی ناصبیت کے بارے میں امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے: میں اس کی کوئی برائی نہیں جانتا، ماسوا قول حاکم شیعہ کے۔ انہوں نے کہا: امام بخاری نے اپنی صحیح میں محمد بن اور حریر بن عثمان سے روایت لی ہے، اور وہ دونوں ان لوگوں سے ہیں، جن کی ناصبیت (اہل بیت سے عداوت) مشہور ہے۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں: میں محمد بن زیاد کی اس خرابی کو نہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۶ ص ۱۵۳) میں (فیضی) کہتا ہوں: اس معاملہ میں امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نسبت امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول زیادہ وزنی ہے۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۳۲)

میں کہتا ہوں: حاکم کی یہ جرح باطل ہے، اور یہ قول بھی باطل ہے کہ کیونکہ حاکم ان کے ناصبی ہونے کی شہرت کا دعویٰ کر رہے ہیں جبکہ امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کو انہیں پر مقصور کر رہے ہیں، اگر ان کی ناصبیت حریر بن عثمان کی طرح مشہور تھی تو کوئی اور اسے کیوں روایت نہیں کرتا امام حاکم سے مقدم ائمہ امام احمد، امام یحییٰ بن معین، امام علی بن مدینی، امام اسحاق بن راہویہ وغیرہ ان کی توثیق کرتے ہیں اور کوئی ان کو ناصبی نہیں کہتا، صرف چوتھی صدی میں آکر امام حاکم پر یہ عقدہ کیسے کھل گیا۔ فتنہ بر!

موصوف نے یہ بیان کیا ہے کہ یہاں امام حاکم کی بات زیادہ وزنی ہے وجہ کی ہے لکھتے ہیں:

”کیونکہ یہ محمد بن زیاد الہبانی حمص کا باشندہ تھا اور اہل حمص سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغض میں شامیوں سے بھی زیادہ سخت تھے۔ چنانچہ مشہور ماہر جغرافیات علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں: **إن أشد الناس على علي رضي الله عنه بصفين مع معاوية كان أهل حمص وأكثرهم تحريضا عليه وجدا في حربه** سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف لشکر معاویہ میں سب سے زیادہ سخت حمصی تھے۔ معاویہ نے انہیں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بہت زیادہ ابھارا تھا اور اپنی جنگ میں خوب استعمال کیا۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۳۲)

یہ عجیب قاعدہ ہے کہ جس کا تعلق حمص سے ہوگا اس پر ناصبیت کی جرح درست ہوگی، حالانکہ نہ جنگ اہل حمص ایسے تھے اور نہ ہی محمد بن زیاد کے بارے میں ناصبیت کا کوئی ثبوت، صرف بغض معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کسی کو ناصبی بنادینا خوف خدا سے عاری شخص کا ہی کام ہو سکتا ہے۔

### پھر خیانت

موصوف نے یہاں بھی خیانت سے کام لیا ہے، اور یاقوت حموی کی عبارت ادھوری نقل کی ہے۔ کمال عبارت یہ ہے:

**إن أشد الناس على علي رضي الله عنه بصفين مع معاوية كان أهل حمص وأكثرهم تحريضا عليه وجدا في حربه فلما انقضت تلك الحروب ومضى ذلك الزمان صاروا من غلاة الشيعة حتى إن في أهلها كثيرا ممن رأى مذهب النصيرية وأصلهم الإمامية الذين يسبون السلف فقد التزموا الضلال أولا وأخيرا فليس لهم زمان كانوا فيه على الصواب.** (معجم البلدان ج ۲ ص ۳۰۴)

”لوگوں میں سے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف سب سے سخت، جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اہل حمص تھے، اور لوگوں میں سب سے زیادہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف یہی ابھارے گئے اور آپ کے خلاف جنگ میں شدت والے بھی یہی لوگ تھے، جب یہ جنگیں ختم ہوئیں اور یہ وقت گزر گیا تو یہ لوگ غالی شیعہ ہو گئے، حتیٰ کہ ان کے بہت سے افراد نصیری مذہب کہ معتقد تھے، اور ان کی اصل امامیہ ہے جو اسلاف کو برا بھلا کہتے ہیں، انہوں نے

اول آخر گمراہی کو لازم پکڑ لیا، ان کے لیے کوئی وقت ایسا نہیں جس میں یہ صواب پر ہوں۔  
موصوف نے یہاں بھی خیانت کی اور اپنے مطلب کی ابتدائی عبارت ”شدت والے یہی لوگ تھے“  
بھی نقل کر دی لیکن اگلا کلام چھوڑ دیا۔

دوسری بات جو عبارت موصوف نے نقل کی اس کا معنی یہ بنتا ہے:

”لوگوں میں سے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف سب سے سخت، جنگ صفین  
میں اہل حمص تھے جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے، اور لوگوں میں سب سے  
زیادہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف یہی ابھارے گئے اور آپ کے خلاف جنگ میں  
شدت والے بھی یہی لوگ تھے۔“

لیکن موصوف کا اصول ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عداوت میں سب حلال ہے، لہذا  
اہل حمص کو ابھارنے، بھڑکانے کو بھی اس عبارت میں آپ کی طرف منسوب کر دیا۔

بہر حال محمد بن زیاد الہبانی کا وصال ۱۴۰ھ میں ہوا، اور جنگ صفین کو ہوئے سو سال سے زیادہ  
ہو چکے تھے، لہذا محمد بن زیاد تو اس دور کے ہیں بھی نہیں۔

اس کے بعد موصوف نے امام ذہبی کی عبارت نقل کی:

وكان أهل حمص ينتقصون علياً حتى نشأ فيهم إسماعيل بن عياش، فحدثهم  
بفضائل علي، فكفوا عن ذلك.

”اہل حمص سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص کرتے تھے، حتیٰ کہ ان میں اسماعیل بن عیاش  
پیدا ہوئے، انہوں نے ان کو فضائل علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آگاہ فرمایا تو وہ اس سے باز  
آگئے۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۳۳)

اولاً: تو اس عبارت میں یہ کہاں ہے کہ جمیع اہل حمص اسی طرح کیا کرتے تھے؟ اسی عبارت سے قبل  
امام ذہبی نے یہ عبارت نقل کی ہے: كان أهل مصر ينتقصون عثمان، حتى نشأ فيهم الليث، فحدثهم  
بفضائله فكفوا. اہل مصر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص کرتے تھے یہاں تک کہ ان میں لیث  
بن سعد پیدا ہوئے، انہوں نے اہل مصر کو حضرت عثمان کے فضائل بیان کیے تو وہ تنقیص سے باز آگئے۔

(سیر أعلام النبلاء ج ۸ ص ۱۴۸) (تاریخ الاسلام ج ۴ ص ۷۱۰)

لہذا موصوف کے اس قاعدے کے مطابق اہل مصر را فضی کہلائیں گے اور ان کی کوئی بھی حدیث فضائل اہل بیت میں معتبر نہیں ہوگی،

هل يقول أحد بذلك؟ نعم! لا يبعد عن الفيضي أن يقول به بسبب بغض سيدنا معاوية رضي الله تعالى عنه

مثلاً: محمد بن زیاد الہبانی سے اسماعیل بن عیاش روایت کرتے ہیں، تو اگر بالفرض تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ان میں ناصبیت تھی تو وہ اسماعیل بن عیاش کی مساعی جمیلہ سے باقی نہ رہی، لیکن یہاں تو ان کی ناصبیت پر اصلاً کوئی ثبوت نہیں۔

### سنیوں کو ناصبی قرار دینے کی تحریک

موصوف کا اصول جو ان کی کتاب سے ظاہر ہے وہ یہ ہے ”جو بھی فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرے گا ہم اس کو ناصبی ثابت کر کے دم لیں گے، چاہے اس کے لیے خیانت سے ہی کام لیا پڑے۔“

ملاحظہ فرمائیں محمد بن زیاد کو ناصبی ثابت کرنے کے لیے کس طرح دھوکہ دہی سے کام لیتے ہیں: بر اعلام النبلاء کے حوالے سے لکھتے ہیں: ”امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کی موت کے بارے میں لکھا ہے: توفي في نحو الاربعين سنة ۴۰ھ کے قریب مرا تھا۔“

اقول وبالله التوفيق! ذرنا تعصب کی عینک ہٹا کر دیکھیں، امام ذہبی تاریخ الاسلام میں محمد بن زیاد الہبانی کے بارے میں لکھتے ہیں: وبقى إلى حدود الأربعين ومائة سنة سو چالیس ہجری کی حد تک یہ جات تھے۔ (تاریخ الاسلام ج ۳ ص ۷۲۷ رقم ۲۵۱)

ان کا سن وفات ایک ۱۴۰ھ ہے، ان سے روایت کرنے والے، اسماعیل بن عیاش، بقیہ بن ولید وغیرہ وہ ہیں جن کی ولادت ہی سن ۱۰۰ھ کے بعد ہوئی، اگر محمد بن زیاد کی وفات سن ۴۰ھ میں ہوتی تو کہا ان حضرات نے عالم رویا میں بطریق منام ان سے روایت کر لیا، اور جن صحابہ کرام علیہم الرضوان سے روایت کر رہے ہیں، جیسے حضرت ابو امامہ باہلی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ ان کا سن وصال ہی ۸۰ھ ہجری کے بعد ہے۔

امام ذہبی، حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ عموماً مائتہ ومانتین ذکر نہیں کرتے صرف سن ذکر کر دیتے

ہیں، یعنی سال بتا دیتے، صدی کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ یہ بات واضح ہوتی ہے، اور ان کتب کا مطالعہ کرنے والے اس بات کو بخوبی جانتے ہیں، موصوف فیضی جس کتاب یعنی سیر اعلام النبلاء سے ان کا سن وفات نقل کر رہے ہیں وہاں ان سے روایت کرنے والوں میں اسماعیل بن عیاش کا نام بھی مذکور ہے، جن کا سن وفات خود موصوف فیضی نے سن ۱۸۱ھ لکھا ہے، لیکن یہاں عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لیے محمد بن زیاد کا سن وفات فقط ۴۰ھ لکھ دیا، تاکہ ان کو جنگ صفین سے قریب ترین دور کا بیان کیا جاسکے اور اپنا مروجہ اصول ان پر فٹ کیا جاسکے۔

### ایک اور خیانت

موصوف لکھتے ہیں: جنگ صفین ۳۷ھ میں ہوئی اور آپ ابھی ابھی پڑھ چکے ہیں کہ اس جنگ میں جو لوگ سب سے بڑھ کر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف تھے وہ اہل حمص تھے لہذا چالیس ہجری میں مرنے والا یہ شخص محمد بن زیاد الہبانی اس جنگ میں شریک ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، کم از کم اس تفصیل سے اس حد تک امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بات وزنی معلوم ہوتی ہے کہ اوائل دور میں شام کے شہر حمص میں رہ کر اس کا ناصبیت کے اثرات سے محفوظ رہنا بعید ہے۔ اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جس طرح امیر اہل سنت کے زیر سایہ رہ کر فیضان امیر معاویہ سے محروم رہنا بعید ہے اسی طرح شام کے شہر حمص میں رہ کر ناصبیت کے اثرات سے محفوظ رہنا بعید تھا۔ جنگ صفین میں جو لوگ حمایت معاویہ میں شریک جنگ ہوئے تھے انہیں نواصب کہا گیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی خوارج اور نواصب کے فرق میں امام رافعی سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وإنما هو وصف النواصب أتباع معاویة بصفین نواصب ان لوگوں کا وصف ہے جنہوں نے صفین میں معاویہ کی پیروی کی۔** (الاحادیث الموضوعات ص ۱۳۳)

بتوفیق اللہ أقول وبحولہ أصول! مولوی ظہور احمد فیضی نے دنیا بھر کے لوگوں کو اپنی طرح عالم غفلت میں سمجھا ہوا ہے، مولوی صاحب آپ کی خیانت اور جہالت کا پول تو ہم نے اوپر کھول دیا ہے، کہ محمد بن زیاد جس سے روایت کرنے والے والے سن ۱۰۰ ہجری کے بعد پیدا ہوئے ان کو آپ نے چالیس میں مار دیا، جبکہ امام ذہبی اس کے سن ۱۴۰ھ کے قریب انتقال کو لکھ رہے ہیں۔

اب یہاں موصوف کی جہالت یا خیانت ملاحظہ فرمائیں کس طرح وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان جو جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے جن حضرت سیدنا مولا مشکل کشا کرم اللہ

تعالیٰ وجہ کے بھائی حضرت سیدنا عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، ان تمام کو نامہ بھی بنادیا اور بلا کئے اس کے  
حافظ ابن حجر پر تھوپ دیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی فتح الباری کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں  
آپ کیا فرما رہے ہیں:

قال: هم فرقة من المبتدعة خرجوا على علي حيث اعتقدوا أنه يعرف قتلة عثمان  
ويقدر عليهم، ولا يقتص منهم لرضا بقتله ومواطأته إياهم، ويعتقدون أن من  
أتى كبيرة فقد كفر واستحق الخلود في النار، ويطعنون لذلك في الأئمة انتهى. وليس  
الوصف الأول في كلامه وصف الخوارج المبتدعة، وإنما هو وصف النواصب أتباع  
معاوية بصفين، وأما الخوارج فمن معتقدهم تكفير عثمان، وأنه قتل بحق، ولم  
يزالوا مع علي حتى وقع التحكيم بصفين فأنكروا التحكيم، وخرجوا على علي  
وكفروه

”امام رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا: خوارج ایک بدعتی فرقہ ہے، جنہوں نے حضرت  
علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خروج کیا، اور ان کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
قاتلین عثمان کو جانتے اور ان پر قدرت کے باوجود ان سے اس لیے انتقام نہیں لے رہے کہ  
آپ (معاذ اللہ) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کیے جانے پر راضی اور قاتلین کی  
موافقت کرنے والے تھے، اور وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو بھی کبیرہ گناہ کرے گا وہ کافر ہے،  
ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اسی وجہ سے وہ ائمہ پر طعن کرتے ہیں، اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی  
رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پہلا وصف (یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاتلین عثمان رضی  
اللہ تعالیٰ عنہ سے قصاص نہ لینے والا اور ان کا شہادت پر راضی ہونا) یہ خوارج کا نہیں بلکہ  
نواصب کا وصف ہے جنہوں نے صفین کی جنگ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی  
پیروی کی خوارج تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکفیر کرتے اور آپ کے قتل کو حق سمجھتے  
تھے، یہ ہمیشہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہے یہاں تک صفین میں حکیم کا معاملہ  
پیش آیا تو انہوں نے حکیم کا انکار کیا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خروج کیا اور ان کی  
تکفیر کی۔“ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۶۰۹-۶۱۰) (باب قراءة الفاجر والنافق وأصواہم وعلاؤہم لا تجاوز حاجرہم)

اس کا معنی بالکل واضح ہے کہ نواصب کے گروہ نے صفین میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں شرکت کی، اور موصوف فیضی نے پورے لشکر کو ہی ناصبی بنادیا جس میں صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی موجود تھے۔ موصوف ترجمہ کرتے ہیں: نواصب ان لوگوں کا وصف ہے جنہوں نے صفین میں معاویہ کی پیروی کی، حالانکہ یہاں لوگوں کا وصف نہیں بلکہ نواصب کا وصف بیان ہو رہا ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں راضی اور موافق مانتے تھے، یہ بات موصوف کی ذکر کردہ عبارت سے بھی واضح ہے اور ماقبل عبارت ذکر کرنے سے تو مفہوم میں کوئی شبہ نہیں، لیکن موصوف نے ماقبل عبارت حذف کر دی تاکہ کسی طرح لوگوں کو دھوکہ دے سکیں۔ اور ناصبیوں کی تعداد میں اضافہ کر سکیں، محترم قارئین آپ نے ان کی خیانت بھی ملاحظہ فرمائی اور ناصبیت کا الزام لگانے کی تحریک بھی ملاحظہ فرمائی، لہذا اب انہی کے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں ”اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے، جس طرح فیضی اور ان کے متبعین کے زیر سایہ تفسیق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثرات سے محفوظ رہنا بعید ہے، جس کے مظاہر ہم موصوف کے قلعین میں فیس بک پر دیکھتے رہتے ہیں، اسی طرح موصوف کے ہوتے ہوئے ہر اس شخص کا جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بیان کرے ناصبیت کے الزام سے بچنا بعید ہے، یونہی موصوف کے قلعین کا خیانت سے بچنا بعید تر ہے، کیونکہ بغیر خیانت کے یہ اپنا موقف تو ثابت کر ہی نہیں سکتے۔

ہم غلامان امام احمد رضا جن کی روز کی دعا ہی یہ ہے کہ دو جہاں میں خادم آل رسول اللہ کر، حضرت آل رسول مقتدا کے واسطے، ہم اہل السنہ جو اس امام احمد رضا کو ماننے والے ہیں جس نے ایک غریب سید زادے کے قدموں میں اپنا عمامہ رکھ دیا ان کو پاکی کو اپنے کندھوں پر اٹھایا، جس نے محبت اہل بیت کے جام ہم اہل سنت کو پلائے، ہمیں فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالکل قبول ہے، کیونکہ وہ ہمارے آقا ہمارے مولا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو ہم تک پہنچانے والے ہیں، یہ ان کا فیضان ہے، وہ اسلام کے خیر خواہ تھے، اسلام کی خدمت کرنے والے تھے، یہ ان کا فیضان ہے۔

ہاں! آپ کو عظمت صحابہ میں تنقیص کرنا نصیب ہوئی یہ آپ ہی کو نصیب ہو، آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کی شان میں تنقیص کے لیے خیانت پر خیانت کرتے جا رہے ہیں یہ آپ ہی کو نصیب ہو۔

### حدیث: اللہم اجعلہ ہادیامہدیا

نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے جو دعائیں فرمائیں ان میں سے مشہور و معروف دعا وہ ہے جو ایک حدیث حسن میں وارد ہے: اللہم اجعلہ ہادیامہدیا اے اللہ اس کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا۔

یہ حدیث امام احمد نے مسند میں، امام ترمذی نے جامع میں، ابن ابی عاصم نے الآحاد والمثالی میں، امام آجری نے الشریعہ میں، امام طبرانی نے معجم اوسط اور مسند الشامیین میں، امام ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں، امام بغوی نے معجم الصحابہ میں، ابن ابی مہی الدقاق نے اپنے فوائد میں، امام ابو بکر الخلال نے السنۃ میں، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں، ابن قانع نے معجم الصحابہ میں، امام ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں، امام ابوالقاسم نے الحجۃ فی بیان الحجۃ میں اپنی اسانید کے ساتھ حضرت سیدنا عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ (مسند الامام احمد ج ۱۳ ص ۵۳۹ رقم ۱۷۸۲۱) (جامع الترمذی ج ۵ ص ۵۰۱ رقم ۳۸۴۲) (المعجم الاوسط ج ۱ ص ۲۰۴ رقم ۶۵۵) (مسند الشامیین ج ۱ ص ۱۹۰ رقم ۳۳۴) (الشریعہ ج ۵ ص ۲۴۳۶ رقم ۱۹۱۵) (السنۃ ج ۲ ص ۴۵۱ رقم ۶۹۹) (الآحاد والمثالی ج ۲ ص ۳۵۸ رقم ۱۱۲۹) (فوائد ابن ابی مہی الدقاق ص ۲۱۱ رقم ۴۵۲) (معجم الصحابہ للبغوی ج ۴ ص ۴۹۰ رقم ۱۹۴۸) (الحجۃ فی بیان الحجۃ ج ۲ ص ۴۰۴ رقم ۳۷۹) (معجم الصحابہ لابن قانع ج ۹ ص ۲۱۱۳) ترجمہ عبدالرحمن بن ابی عمیرہ الأزدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۴۰۱ رقم ۱۲۶۷۲) ((تاریخ بغداد ج ۱ ص ۵۷۱ رقم ۱۳۲)) (تاریخ دمشق ج ۵۹ ص ۸۱)

### حکم الحدیث

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ امام نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں، حافظ جمال الدین المزنی نے تہذیب الکمال میں، امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں، ابن کثیر نے جامع المسانید والسنن میں، حافظ زین الدین العراقی نے طرح القریب میں، صلاح الدین خلیل بن ابیک صفدی نے الوافی بالوفیات میں، حافظ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء اور جامع الاحادیث میں، علامہ فاسی نے العقد الثمین میں، حافظ ابن حجر مکی نے الصواعق المحرقة میں، علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے الناہیہ میں، اور علامہ حیات سندھی نے احادیث فضائل معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحسین کو ذکر کیا اور برقرار رکھا ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ



۱۔ جمعین۔ (تہذیب الأسماء واللغات ج ۲ ص ۲۲۰ رقم ۵۹۱) (تہذیب الکمال ج ۱۷ ص ۳۲۱ رقم ۳۹۲۱) (سیر أعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۲۵) (جامع المسانید والسنن ج ۵ ص ۵۳۶ رقم ۶۹۸۶) (طرح القریب ج ۱ ص ۱۱۴) (الوافی بالوفیات ج ۱۸ ص ۱۲۴) (البلد الثمین فی تاریخ البلد الاسین ج ۶ ص ۹۲) (تاریخ الخلفاء ص ۱۴۶) (النہیۃ عن طعن امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۱۰۷) (رسالۃ فی احادیث فضل معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۲ ق)

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعلیقات العلل المستنہیۃ میں اور علامہ مفتی محمد ارشاد حسین راپوری نے فتاویٰ ارشادیہ میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

(التعلیقات علی العلل المستنہیۃ ص ۸ ق) ((فتاویٰ ارشادیہ ص ۲۰۱))

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولا یرتاب أن دعاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مستجاب، فمن کان حالہ  
هذا کیف یرتاب فی حقہ

”نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دعا کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں، تو جس کا یہ  
مقام ہو اس کے بارے میں کیسے شک کیا جاسکتا ہے۔“ (الکاشف عن حقائق السنن ج ۱۲ ص ۳۹۴۸)  
حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مرقاة میں علامہ طیبی کے حوالے سے اسی طرح لکھا ہے۔  
(مرقاة المفاتیح شرح مشکاة الصالح ج ۱۲ ص ۴۰۲۲)

اس حدیث کی تخریج بھی آپ نے ملاحظہ فرمائی اور اس حدیث کو کن ائمہ نے حسن کہا ہے یہ بھی ملاحظہ  
فرمایا، نیز شارحین کے قول کو بھی دیکھ لیا۔ جس سے اس حدیث کے حسن ہونے کے بارے میں کوئی شبہ  
باقی نہیں رہتا۔

حضرت سیدنا عبد الرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سیدنا عبد الرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمہور محدثین کے نزدیک صحابی رضی اللہ تعالیٰ  
عنہ ہیں، جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں: امام دحیم، سلیمان بن عبد الحمید البھرانی، امام احمد، امام یحییٰ بن  
مخلد، امام بخاری، امام ابن سعد، ابن ابی حاتم رازی، ابن السکن، امام ترمذی، امام ابن عساکر، عبد الغنی  
المقدسی، امام نووی، امام مزنی، امام ذہبی، علامہ قاسی، امام خزرجی، ابوالحسن بن سمیع، یعقوب الفسوی، ابن  
ابی شیبہ، ابن ابی عاصم، ابوالقاسم البغوی، ابن قانع، ابن حبان، ابن مندہ، ابو نعیم، خطیب بغدادی وغیرہ

نے آپ کو صحابہ کے طبقہ میں ذکر کیا ہے۔ (مقدمہ سندھی بن محمد ص ۱۰۷ رقم ۳۵۵) (سند الامام ائمہ ج ۱ ص ۵۳۹) (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۴۱۷) (الجرح والتعديل ج ۵ رقم ۱۲۹۶ و ج ۸ رقم ۲۴۸) (التاریخ الکبیر ج ۷ رقم ۱۱۰۰) (جامع الترمذی ج ۵ ص ۵۰۱ رقم ۳۸۴۲) (تاریخ دمشق ج ۳ ص ۲۲۹ رقم ۳۹۰۳) (تہذیب الکمال ج ۱۷ ص ۳۱۱ رقم ۳۹۲۱) (خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال ج ۲ ص ۱۷۹ رقم ۴۲۰۷) (الآحاد والثانی ج ۲ ص ۳۵۸) (الثقات لابن حبان ج ۲ ص ۳۵۲ رقم ۸۲۶) (المعرفة والتاریخ ج ۱ ص ۲۸۷) (معجم الصحابة لابن قانع ج ۹ ص ۳۴۴۳) (التاریخ الکبیر لابن ابی خلیفہ ج ۱ ص ۱۴۰ رقم ۴۴۱) (معجم الصحابة للبخاری ج ۴ ص ۴۸۹ رقم ۱۹۴۶) (تہذیب الأسماء واللغات ج ۲ ص ۲۱۹ رقم ۵۹۱) (اللائحة إلی معرفة المختلف فیہم من الصحابة ج ۲ ص ۲۴ رقم ۶۶۸)

ان تمام ائمہ کے نزدیک یہ صحابی ہیں، البتہ حافظ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں اور انہیں کی پیروی کرتے ہوئے امام ابن الاثیر اسد الغابہ میں ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ذکر کیا ہے۔

(الاستیعاب فی معرفة الاسحاب ج ۲ ص ۸۴۳ رقم ۱۴۴۵) (أسد الغابہ ج ۳ ص ۳۷۵ رقم ۲۲۶۲) اولاً: اگر بندہ منصف مزاج ہو، تعصب سے خالی ہو تو وہ بخوبی جان سکتا ہے، کہ ان اجلہ ائمہ کے مقابل تھا حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے وہ بھی بلا دلیل کیسے قبول ہوگی، جبکہ جمہور کے پاس دلیل بھی موجود ہے کہ خود ان کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سننے کی صراحت موجود ہے۔

ثانیاً: محدثین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ سے الاستیعاب میں کئی مقامات پر وہم واقع ہوا ہے، جس پر تنبیہ کے لیے حافظ محمد بن خلف المعروف ابن فتحون الاندلسی البتونی ۵۲۰ھ نے ذیل لکھا، انہیں میں سے ایک مقام یہی ہے جہاں حافظ ابن فتحون رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تنبیہ کی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی حافظ ابن عبد البر کے اس قول پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ الاصابہ میں مذکورہ حدیث اور دیگر احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وهذه الأحادیث وإن كان لا یخلو إسناد منها من مقال فمجموعها یثبت لعبد الرحمن الصعبة. فعجب من قول ابن عبد البر: حدیثه منقطع الإسناد مرسل لا تثبت أحادیثه. ولا تصح صحبته

”ان احادیث میں سے کوئی بھی اگرچہ کلام سے خالی نہیں، لیکن ان کا مجموعہ حضرت عبدالرحمن کے لیے صحبت کو ثابت کرتا ہے، تو ابن عبدالبر کے اس قول ”ان کی حدیث منقطع الاسناد مرسل ہے، ان کی احادیث ثابت نہیں اور نہ کی صحبت صحیح ثابت ہے“ پر تعجب ہے۔“  
مزید لکھتے ہیں:

وتعقبہ ابن فتحون، وقال: لا أدری ما هذا

”حافظ ابن فتحون نے اس قول پر تعقب کیا ہے اور کہا ہے: میں نہیں جانتا کہ ابن عبدالبر کا یہ قول کیا ہے؟“

خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب خود عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سماعت کی تصریح کی ہے تو فما الذی یصحح الصحبة زائدا علی هذا؟ اس سے بڑھ کر کون سی بات ان کے صحابی ہونے کو ثابت کرے گی؟ (الاصابة فی تمییز الصحابة ج ۴ ص ۲۸۷-۲۸۹ رقم ۵۱۹۳)  
لہذا ابن عبدالبر رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ قول لائق اعتبار ہی نہیں، بعد کے بعض محدثین نے صحابی ہونے میں اختلاف ذکر کیا ہے تو وہ حافظ ابن عبدالبر کے قول ہی کی وجہ سے لکھا ہے، لیکن اکثر نے اپنا موقف صحابی ہونا ہی بیان کیا ہے۔

آج تک کسی محدث نے اس حدیث کو موضوع نہیں کہا لیکن عصر حاضر کے متحدث جن کی خیانتوں کی تفصیل مسلسل پڑھتے آرہے ہیں، اس حدیث پر بے سرو پا اعتراض کر کے اس کو موضوع قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔

موصوف لکھتے ہیں:

”اس حدیث کا مرکزی راوی جس کے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے اس کے بارے میں ابن ابی حاتم لکھتے ہیں: وإنما هو ابن أبي عميرة ولم يسمعه من النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم هذا الحديث وہ ابن ابی عمیرہ ہے اس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نہیں سنی۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۷۷)

اقول وبالله التوفیق! اولاً: تو یہ بتائیں کہ یہ دعویٰ کرنے والے والا کون ہے؟ امیر اہل سنت اور علامہ ڈاکٹر جلالی صاحب اطال اللہ عمرہا نے یہ دعویٰ کیا ہے یا حافظ ابن عبدالبر کے علاوہ جمہور محدثین نے

امام ذہبی ان کے صحابی ہونے ہی کے قائل ہیں انظر تذہیب ج ۶ ص ۳۳ رقم ۱۰۹۵۱ الکاشف ج ۲

ص ۲۷۳ رقم ۳۲۸ اسی طرح اپنی تصنیف التجرید میں بھی یہی ارشاد فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ یہ صحابی ہیں۔  
موصوف ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریب التہذیب کے حوالے سے لکھتے ہیں: مختلف فی  
صہبتہ ان کی صحابیت میں اختلاف کیا گیا ہے۔

لیکن یہ نہیں بتاتے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رائج ان کا صحابی ہونا ہے جیسا  
کہ انہوں نے اصابہ میں ان کو صحابہ میں شمار کیا اور ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام پر تعجب کا اظہار کیا  
ہے۔

### نیابت جو نہ کرے توفیضی کیسے ہو؟

اس کے بعد انہوں نے حافظ ابن عبد البر ابن اثیر جزری اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ تعالیٰ کے حوالے  
سے لکھا ہے، نہ اس کا صحابی ہونا صحیح ہے اور نہ ہی یہ حدیث ثابت ہے۔

افسوس ہے ان پر جس تہذیب التہذیب کا یہ حوالہ دے رہے ہیں اس میں اوپر حافظ ابن حجر عسقلانی  
رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: روى عن النبي صلى الله تعالى وآله وسلم۔

اور جس قول کو موصوف لکھ رہے ہیں وہ حافظ ابن حجر نے اپنا نہیں بلکہ حافظ ابن عبد البر کا قول کہہ کر  
نقل کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وروى عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، وعنه جبير بن نفير، ويونس بن  
ميسرة بن حلييس، وربيع بن يزيد، وخالد بن معدان، والقاسم أبو عبد الرحمن، له  
عند الترمذي حديث واحد في ذكر معاوية. قلت: قال ابن عبد البر: لا تصح صحبته  
ولا يثبت إسناد حديثه

یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے جبیر بن نفیر، یونس بن  
میسرہ بن حلپیس، ربیعہ بن یزید، خالد بن معدان اور قاسم ابو عبد الرحمن سے روایت کیا ہے، امام ترمذی  
نے جامع میں ان کی حضرت معاویہ کے بارے میں ایک حدیث روایت کی ہے۔ میں کہتا ہوں: ابن عبد  
البر نے کہا ان کا صحابی ہونا صحیح نہیں اور نہ ان کی حدیث کی اسناد ثابت ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۵۲ رقم ۴۰۸۲)

ہم اصابہ کے حوالے سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف ذکر کر چکے ہیں۔

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں: ”حافظ مغلطائی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے دو ٹوک انداز میں لکھا ہے: حدیث مضطرب فیہ لایثبت صحبتہ اس کی حدیث میں اضطراب ہے، اس کی صحابیت ثابت نہیں۔“

(الانابة الى معرفة المختلف فيهم من الصحابة ج ۲ ص ۱۲)

### کیا مغالطہ آرائی کا نام تحقیق ہوتا ہے؟

حافظ مغلطائی نے کیا فقط اتنا لکھا تھا اور کیا یہ اپنا قول لکھا تھا؟ ہرگز نہیں حافظ مغلطائی نے یہ کلام ابن عبد البر کے حوالے سے نقل کیا اور پھر اس کے بعد لکھا ہے:

وذكره أبو نعيم في جملة الصحابة، وكذلك ابن مندة، وابن قانع، وابن حبان، وأبو القاسم في كتابه ((من نزل حص من الصحابة)) وعزاه إلى سليمان بن عبد الحميد البهراني، ودحيم، وقال البرقي في كتاب الصحابة: عبد الرحمن بن أبي عميرة، جاء عنه حديث، ذكر الوليد بن مسلم، عن سعيد بن عبد العزيز، عن يونس بن ميسرة عن عبد الرحمن بن أبي عميرة، أنه سمع النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، وذكر معاوية، وذكره الصغاني في جملة المختلف فيهم من الصحابة.

(الانابة الى من معرفة المختلف فيهم من الصحابة ج ۲ ص ۲۴ رقم ۶۶۷)

کیوں جناب والا حافظ مغلطائی تو جمہور کے حوالے سے ان کا صحابی ہونا لکھ رہے ہیں، اور آپ ان کی ادھوری عبارت نقل کر کے دھوکہ دے رہے ہیں۔

محترم قارئین! آپ پڑھ چکے کہ یہ حدیث کن اجلہ ائمہ نے اپنی کتب میں ذکر کی، کن ائمہ نے اس کی تحسین فرمائی، شارحین حدیث نے اس کے تحت لکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کی قبولیت میں کوئی شک نہیں، حضرت عبد الرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمہور ائمہ محدثین کے نزدیک صحابی ہیں، صرف ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے صحابی ہونے کا انکار کیا جس کو بعینہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں نقل کیا، اور ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا رد حافظ ابن فتحون اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔ لیکن براہو جب آنکھ پر تعصب کی پٹی بندھی ہو تو بندے کی مت ہی مارا جاتی ہے، اور تعصب بھی کس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی سے، موصوف کی کی بات ماننے کو تیار نہیں، اور صرف ابن عبد البر کے قول کو اتنے علما و محدثین بنا ڈالا حالانکہ جن کے حوالے سے

غل کر رہے ہیں وہ ان کے صحابی ہونے کے قائل ہیں، موصوف کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں: ”سوجب  
 اے علماء و محدثین نے عبدالرحمان ابن ابی عمیرہ کی صحابیت سے انکار کیا ہے اور امام ابن ابی حاتم نے دو  
 ہزار انداز میں کہا ہے کہ اس نے یہ حدیث سنی ہی نہیں تو پھر سند اس حدیث کے موضوع و باطل ہونے  
 میں کیا شک رہ جاتا ہے؟ کیا سنن ترمذی میں آجانے کی وجہ سے اس حدیث کا ماننا لازم ہو گیا اور اس کی سند  
 پر کام ممنوع ہو گیا؟ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۷۸)

محدثین پر کس نے اعتماد کیا؟

محدثین نے اس حدیث کے بارے میں کیا کہا ہے یہ تو ہم اوپر ذکر کر چکے اب موصوف کے ابتدائی  
 کلمات یاد فرمائیں: ”مخص کلام کے حسن کی طرف نہیں جانا چاہیے بلکہ محدثین کرام کی تحقیق پر اعتماد کرنا  
 کیونکہ لکل فن رجال (ہر فن کے لیے مخصوص لوگ ہوتے ہیں)۔“

ہم اولاً تو یہ سوال کرتے ہیں کہ محدثین تو اس کا حسن ہونا تسلیم کر رہے ہیں۔ آپ ان محدثین کی کیوں  
 نہیں مان رہے؟

دوسری بات علی بن سبیل التسلیم اگر حضرت عبدالرحمن بن ابی عمیرہ صحابی نہ بھی ہوں یا صحابی ہو کر انہوں  
 نے حدیث کو سنا نہ ہو تو اس حدیث کی عندالمحدثین حیثیت کیا قرار پاتی ہے؟ کیا مرسل صحابی یا مرسل تابعی  
 محدثین کے نزدیک موضوع ہوتی ہے؟

بغض و عداوت کی انتہاء

موصوف لکھتے ہیں: ”اس حدیث کے وضعی ہونے کے شواہد میں سے ایک اہم شاہد یہ بھی ہے کہ جس  
 عبدالرحمان بن ابی عمیرہ کو صحابی بنا کر پیش کیا گیا ہے وہ نہ صرف شامی تھا بلکہ حمصی تھا، اور ہم اہل حمص کے  
 حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عداوت میں شامیوں سے بھی زیادہ سخت تھے،  
 پہلے آپ اس بات کی پوری تفصیل ”محمد بن زیاد البہانی کے متعلق عدم تدبر“ کے عنوان کے تحت ایک مرتبہ  
 دوبارہ پڑھ کر پھر خود ہی سوچئے کہ آخر فضائل معاویہ کی احادیث فقط ایسے ہی لوگوں سے کیوں مروی ہیں؟  
 اگر آپ مختلف کڑیاں ملائیں اور پھر امام احمد بن حنبل کا وہ قول بھی شامل فرمائیں جس میں انہوں نے فرمایا  
 کہ ”سیدنا علی علیہ السلام کثیر الاعداء تھے، ان کے دشمنوں کو جب ان کے عیبوں میں ناکامی ہوئی تو انہوں  
 نے اس شخص کو چڑھانا شروع کر دیا جو ان کے ساتھ لڑتا رہا“ تو آپ پر اس حدیث کی حقانیت کے دعووں

کی قلعی کھل جائے گی، اور آپ ماننے پر مجبور ہو جائیں گے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کو اپنی سنن میں درج کر کے دھوکہ کھایا ہے۔ اگر وہ اپنے استاد امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول میں غور و خوض فرماتے تو اس دھوکہ سے محفوظ رہتے۔ (ص ۱۷۸-۱۷۹)

اقول وباللہ التوفیق! کون ان کو صحابی بنا کر پیش کر رہا ہے یہ تو ہر منصف مزاج پڑھ کر جان لے گا کہ ان کو صحابی کہنے والے اجلہ ائمہ محدثین ہیں، اور انکار کس نے کیا اور کیوں کیا یہ بھی بخوبی واضح ہو چکا ہے۔  
ثانیاً: حضرت سیدنا عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصلاً شامی نہیں، بلکہ قبیلہ مزن سے تعلق رکھتے تھے اور ایک قول کے مطابق قرشی ہیں، یہ ان صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے تھے جو حمص میں آکر رہے تھے اس لیے شامیوں میں شمار ہوتے تھے،

ثالثاً: اہل حمص کے حوالے سے آپ کی خیانت و جہالت کا پردہ ہم اسی مقام پر چاک کر چکے ہیں،  
رابعاً: یہ اصول کس محدث نے بیان کیا ہے کہ حمصی جس پر ناصبیت کی تہمت نہ ہو اس کی حدیث حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں قبول ہی نہیں؟  
خامساً: موصوف فیضی کے قول کا حاصل یہ ہوا کہ حضرت سیدنا عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضرت سیدنا مولائے مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمنوں میں سے تھے اور ناصبی تھے، محترم قارئین اس سے قبل موصوف کس کس کو ناصبی بنا چکے ہیں یہ تو آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، اب اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی موصوف نے اپنے قیاس فاسد سے ناصبی بنا دیا، یاد کریں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ اجل امام الحدیث علی بن مدینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا تھا: من قال: فلان ناصبی علمنا أنه رافضی جب کوئی کہتا ہے: فلاں ناصبی ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ یہ رافضی ہے۔

(شرح اعتقاد اہل السنۃ ج ۱ ص ۱۶۶ رقم ۲۰۶)

سادساً: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دھوکہ کھایا تو اسی حدیث میں دھوکہ کھایا، اور خود دھوکہ نہیں کھایا بلکہ ان کے پیچھے، امام بووی، امام مزی، امام ذہبی، امام عراقی، امام سیوطی، امام بیہقی، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت، علامہ ارشاد حسین رامپوری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ اجلہ ائمہ سب دھوکہ کھا گئے۔

سابعاً: ہم تفصیل کے ساتھ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی سند ہیبت بھی بیان کر چکے ہیں اور اس کا معنی کیا ہے وہ بھی بیان کر چکے ہیں۔ اس سے تو واضح ہوا کہ اگر امام اسحاق بن راہویہ



رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ثابت بھی ہے تو اس کا معنی امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی بنے گا کہ انہوں نے صحت کی نفی کی ہے نہ کہ حسن ہونے کی۔

بعض میں جو ہو کیا نہ کرے؟

موصوف بعض امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایسے بدست ہیں کہ سوچتے ہی نہیں کہ ان کے قلم سے کیا لکھا جا رہا ہے، اس حدیث کے موضوع قرار دینے کی ایک اور بودی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”سنن الترمذی اور مصابیح السنۃ اور مشکاة المصابیح کے شارحین میں سے بعض نے اس حدیث کی شرح کی بعض نے اس کو اپنی شرح کے متن سے ہی اڑا دیا ہے اور یوں انہوں نے عملاً اس پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے، اور بعض نے اس کو باقی تو رکھا ہے لیکن اس کے معا بعد ہی امام اسحاق بن راہویہ اور دوسرے محدثین کا قول نقل کر کے قولا اس حدیث پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے، چنانچہ امام سیوطی نے اس کو اپنی کتاب قوت المحدثی علی جامع الترمذی سے اڑا دیا ہے، امام بیضاوی نے اس کو مصابیح السنۃ کی شرح میں جگہ نہیں دی، امام مظہر الدین زیدانی متوفی ۷۷۲ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی شرح نہیں لیا۔۔۔ الخ۔“

موصوف کے کلام کا معنی یہ ہے کہ ان ائمہ نے خیانت کی کہ حدیث کو ہی اڑا دیا۔

ذرا قارئین کو بتائیں تو جامع ترمذی میں کتنی احادیث ہیں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قوت المحدثی میں کتنی احادیث کو لیا ہے؟

جامع الترمذی میں تقریباً چار ہزار احادیث ہیں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قوت المحدثی میں ۱۱۶۲ احادیث پر کلام ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیقات ہیں جو آپ نے جامع ترمذی پر لکھی ہیں اور تعلیق ہر حدیث پر نہیں لکھی جاتی بلکہ جہاں لکھنے والا ضرورت محسوس کرتا ہے مختصر تعلیق کرتا ہے۔

پھر دروغ گو را حافظہ نباشد کے مطابق موصوف خود بھول گئے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے بعد تین اصح احادیث میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے جسے ماقبل میں آپ خود نقل کر چکے ہیں۔

اور اس حدیث کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب جامع الاحادیث اور تاریخ الخلفاء میں لائے لکھا اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحسین کو ذکر کر کے برقرار رکھا ہے۔ اب بتائیں۔

یہی حال امام بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحفۃ الابرار شرح مصابیح السنۃ کا ہے، انہوں نے مصابیح السنۃ کی ۱۴۹۵۰ احادیث میں سے فقط ۱۶۰۰ احادیث کی شرح کی ہے۔ باقی بقول موصوف اڑا دیں۔

اگر اعتناء کی بات کریں تو کثیر ائمہ مثلاً علامہ طیبی، علامہ جرجانی، امام زین العرب، امام مظہری، حافظ ابن حجر ہیتمی، علامہ علی قاری، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو اپنی شروح میں ذکر کیا ہے۔

### شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف موصوف لکھتے ہیں:

”جبکہ شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی مختصری شرح کے بعد لکھا ہے: واعلم ان المحدثين قالوا: لم يصح في فضائل معاوية حديث كذا في اسفر السعادة او كذا قال السيوطي جان لیجئے کہ محدثین کرام نے فرمایا ہے: فضائل معاویہ میں کوئی صحیح نہیں ہے، اسی طرح [سفر السعادة] میں ہے اور ایسا ہی امام سیوطی نے کہا ہے۔ (لمعات الخ شرح مشکاة المصابیح ج ۹ ص ۷۷۵)

سبحان اللہ! موصوف کی کوشش کی ویسے داد دینی چاہیے کہ جس طرح ممکن ہو کہیں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کی تنقیص کی کوئی صورت نکال لیں، یہاں لمعات الخ کا تذکرہ کیا ہے، جبکہ شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشعة اللمعات میں اس حدیث کے محمل کو واضح طور پر بیان کیا ہے اسے موصوف نے ذکر ہی نہیں کیا، شیخ محقق فرماتے ہیں: ”یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ ہدایت کا معنی راہ دکھانا ہے جو علم کی فرع ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کرام دین کے احکام اور اوامر و نواہی کے عالم تھے، اگرچہ اس معاملہ میں ان کے درجات میں فرق ہے، حدیث میں ہے ”میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی تم پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے“ کا دار و مدار اسی پر ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا آپ ہر جگہ پر ہادی مہدی ہوں، ان کا یہ وصف یہ دیگر مقامات کے لیے ہوگا، اور یہاں حق آپ کے ہاتھ میں نہ رہا، اور آپ آزمائش و ابتلاء میں واقع ہو کر اس موقع پر ہدایت کی راہ پر نہ رہے، اس کے علاوہ صاحب علم بھی ہیں اور صاحب ہدایت بھی جیسا کہ مخفی نہیں، برخلاف جانبین (نواصب و روافض) کے متعصبین کے۔ (اشعة اللمعات ج ۵ ص ۷۵۳)

یہاں شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ساری بات واضح کر دی، کہ یہ دعا مقبول ہے اور اس کا محمل ان

مقامات کے علاوہ ہے جہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جہاں خطا واقع ہوئی وہاں وہ حق پر نہیں، باقی اس کے علاوہ وہ صاحب علم بھی ہیں اور صاحب ہدایت بھی۔

پھر موصوف بھول گئے شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو لایصح کا قول کیا ہے وہ کتب ضعفا اور موضوعات میں نہیں ہے وہ مشکاة المصابیح کی شرح میں کیا ہے اور موصوف اس بات کے قائل ہیں جب لایصح کتب موضوع و ضعفا کے علاوہ ذکر کیا جائے تو اس سے حسن تک کی نفی لازم نہیں آتی اور پھر شیخ محقق اس کو علامہ سیوطی رحمہما اللہ تعالیٰ کے حوالے سے نقل کر رہے ہیں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے حسن ہونے کے قائل ہیں۔

موصوف خود اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

موصوف کی بہت سی عبارات ہمارے پیش نظر ہیں جو ان کے باطل نظریات کی خود تردید کرتی ہیں، یہاں ہم موضوع سے متعلق ایک مقام کے بعض اقتباسات ذکر کرتے ہیں موصوف شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لکھتے ہیں: ہر چند کہ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین کے نزدیک یہ حدیث غلط ثابت نہیں ہے، اور درایت اس پر مندرجہ بالا اشکالات بھی وارد ہوتے ہیں، تاہم امام ترمذی کا اس کو حسن غریب قرار دینا بھی قابل لحاظ ہے، سو اگر تحسین ترمذی کا لحاظ رکھا جائے تو پھر اس میں جس ہدایت اور ہدایت کی دعا ہے اس سے وہ اعلیٰ ہدایت مراد نہیں جس کا تصور عظمت زبان نبوت کے پیش نظر فوری طور پر ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اس سے ایسی ہدایت مراد نہیں جو سابقین اولین اور مقبول ترین صحابہ کرام علیہم الرضوان کے میں آئی تھی، اور بغیر کسی مخصوص دعا کے آئی تھی۔

مزید لکھتے ہیں: حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان اور صاحب تحفۃ الاوزی وغیرہ کی اس سے کیا مراد ہے کہ وہ ہدایت پر نہیں تھے؟ اس سے ان کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت معاویہ بالکل ضلالت مطلقہ پر تھے، بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ اعلیٰ اور کامل ہدایت سے دور تھے، اور انہیں ایسی ہدایت حاصل نہیں تھی جس کے باعث ان کے تمام اقدامات کو درست قرار دیا جاسکے، اس تصور کی کچھ توضیح علامہ محمد ادریس کاندھلوی نے اسی حدیث اللہم اجعلہ ہادیامہدیا کے تحت یوں کی ہے: تمام صحابہ کرام نجوم ہدایت ہیں لیکن ان کے مراتب میں فرق ہے، اور اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت معاویہ تمام امور میں ہادی اور مہدی ہوں، اور خطا سے مامون اور معصوم ہوں، اور فتنوں اور

آزمائشوں میں پڑنے سے محفوظ ہوں، یہاں تک کہ ہر معاملہ میں حق اس کے ہاتھ میں ہو اور ان کا مخالف باطل پر ہو، ایسا ہرگز نہیں، اور مقصود اس دعا سے یہ ہے کہ انہیں اس مقام ہدایت سے وافر حصہ ملا۔ مزید لکھتے ہیں:

”ناصبی لوگ حضرت معاویہ کی فضیلت میں اتنا افراط سے کام لیتے ہیں کہ ایک طرف تو ان کی تمام لغزشوں اور خطاؤں کو خوبیاں بنا دیتے ہیں اور دوسری طرف ان کے فضائل و مناقب میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں اور رافضی لوگ ان کی تحقیر میں اس قدر تفریط سے کام لیتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ ان کی خوبیوں کا انکار کرتے ہیں، بلکہ معاذ اللہ ان کے اسلام کا بھی انکار کر دیتے ہیں، جبکہ اس میں مسئلہ میں راہ اعتدال وہ ہے جس پر اہل سنت ہیں۔“

(شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۹۶۶-۹۶۷)

اگرچہ ان عبارات میں بھی چند مؤاخذات ہیں لیکن ان عبارات میں موصوف اقرار کر چکے ہیں کہ امام ترمذی کی تحسین قابل لحاظ ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہاں صرف امام ترمذی تنہا نہیں بلکہ کثیر ائمہ نے امام ترمذی کی اس حدیث کی تحسین میں اتباع کی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

دوسری بات: یہ دعا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں قبول ہوئی اور اس کا معنی یہی ہے کہ جہاں آزمائش میں واقع ہوئے جیسے مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل آئے اس طرح کے معاملہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطا پر تھے، ائمہ کی تصریحات ہم ذکر کر چکے ہیں کہ یہ خطا، اجتہادی تھی۔

تیسری بات: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق راہ اعتدال وہی ہے جس پر اہل سنت ہیں، ہم نے امام اشعری، امام باقلانی، امام غزالی، حضور غوث پاک، قاضی عیاض مالکی، حافظ ابن ملقم، ملا علی قاری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے اہل سنت کا طریقہ کا موقف ذکر کر دیا ہے اور ان شاء اللہ عزوجل قارئین کتاب ”شرح حدیث سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ میں کثیر نصوص ملاحظہ فرمائیں گے۔ لیکن موصوف نے جس طرح سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیر کرنے کی کوشش بدکی ہے اس سے واضح ہو گیا کہ موصوف خود راہ اعتدال یعنی طریقہ اہل سنت پر نہیں ہیں۔

## نفی صاحب کی خرمستیاں

موصوف لکھتے ہیں:

”جن لوگوں کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے، ان سے سوال ہے کہ اگر یہ حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے تو لامحالہ حیات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں زبانِ اقدس سے صادر ہوئی ہوگی، اس وقت سے لے کر معاویہ کی موت تک تقریباً ۵۲ سال بنتے ہیں۔ کیا ان باون سالوں میں اس حدیث کی اطلاع خود اس شخص کو بھی ہوئی جس کی شان میں یہ صادر ہوئی؟ اگر وہ اس حدیث سے باخبر تھے تو اس پر دلیل چاہیے اور اگر انہیں خبر نہیں ہو سکتی تو پھر اس عدم اطلاع کی وجہ کیا ہے؟ نیز عموماً زبانِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کسی کی برائی یا بھلائی میں جو الفاظ صادر ہوتے تھے ان کے پیچھے کوئی واقعہ اور وجہ ہوتی تھی جس کو محدثین کی اصطلاح میں درودِ حدیث کہا جاتا ہے۔ کیا اس حدیث کی بھی کوئی شانِ درود ہے؟“ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۸۰)

کیا خوب اعتراضات ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابواب المناقب میں ہزاروں احادیث مختلف صحابہ کرام علیہم الرضوان بالخصوص خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حق میں وارد ہیں، ان تمام نما سے ہر وہ حدیث جس کے بارے میں معلوم نہ ہو سکے کہ اس کا سبب درود کیا ہے وہ موضوع، ہر وہ حدیث جس کی دلیل معلوم نہ ہو سکے کہ صاحبِ فضیلت کو یہ حدیث معلوم تھی یا نہیں تھی وہ حدیث رد کی جائے گی۔ کیا کوئی عاقل ایسی بات کہہ سکتا ہے؟

یہ بدحواسی ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض و عداوت کا نتیجہ ہے۔

صیامتہ ویسی۔۔۔

سوال یہ ہے کہ اگر معلوم ہو جائے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حدیث معلوم تھی تو اس سے حدیث پر سند کیا اثر واقع ہوگا؟ اور اگر نہیں معلوم تھی تو حدیث کی سند پر کیا فرق پڑے گا؟ جن اجلہ ائمہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے، ان کو یہ اصول معلوم تھے یا نہیں؟ اگر ان کے نزدیک بھی یہ اصول تھے اور ضروری تھا کہ جس کی فضیلت بیان ہو اس کو یہ حدیث معلوم ہو تو کیا ان ائمہ کا اس حدیث کو حسن کہنا اس پر

دلالت کرے گا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حدیث معلوم تھی؟

اور اگر ان کے نزدیک یہ اصول نہیں تھے تو پھر یہ اصول کس نے مقرر کیے ہیں؟ محدثین نے کہا ہیں؟ اگر آپ کہتے ہاں تو بتائیے یہ اصول کس کتاب میں مذکور ہیں؟ اگر محدثین نے نہیں کیے تو پھر آپ نے کہاں سے یہ اصول لیے؟ اگر آپ نے اپنی طرف سے یہ اصول وضع کیے ہیں تو اپنی حیثیت واضح کریں کہ ان ائمہ کبار کے مقابل آپ کی اوقات کیا ہے؟

بہر حال یہ سوالات بطور۔۔۔۔۔۔ کیے ہیں۔

قارئین! آپ ان کے الفاظ پر بھی غور فرماتے رہیں کہ کس قدر سو قیامہ انداز ہے ”اس وقت سے لے کر معاویہ کی موت تک“ کیا یہ اپنے باپ کے لیے اس طرح کا انداز اختیار کرتے ہیں۔

### حدیث پر درایتاً اعتراض

پھر موصوف نے اس پر کلام کیا کہ یہ حدیث درایتاً صحیح ہے یا نہیں، اور یہ بیان کیا کہ مستقبل کی جس بات کی خبر دی گئی ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ وہ مستقبل قریب کی بات ہے یا بعید کی؟ پھر اس کو پرکھنے کا دار و مدار فقط سند پر نہیں ہوگا بلکہ اس کے متن و معنی کو بھی جانچا جائے گا۔ پھر اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”مثلاً ایک حدیث ہے: الدنیا سبعة آلاف سنة أدامها ألفا. دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے، میں اسی آخری ہزار سال میں ہوں، (الجامع الصغیر حدیث ۴۲۷۸) جب تک ہجری ماہ و سال کے لحاظ سے ایک ہزار سال پورے نہیں ہوئے تھے اس وقت تک اس حدیث کی سند پر بات ہوتی رہی اور بعض محدثین نے اس کو سنداً موضوع و باطل قرار بھی دیا تھا، لیکن جب ساتواں ہزار سال ختم ہو گیا تو اس کی پرکھام کرنے کی ضرورت نہیں رہی، اس کا متن ہی اس کے باطل ہونے کو عیاں کر رہا ہے۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۸۱)

اقول وباللہ التوفیق حدیث پر درایتاً نقد کے اصول محدثین نے مقرر کر رکھے ہیں، فقط کسی کی خواہش نفس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو رد نہیں کیا جائے گا۔ موصوف نے آگے جن واقعات کے ذریعے اس حدیث کو رد کرنے کی کوشش کی ہے ان میں سے بیشتر وہ ہیں جن کے جواب علمائے اہل سنت عرصہ دراز سے دے چکے ہیں، یہاں تو انہوں نے خیانت کی انتہاء کی ہے جو عنقریب ہم قارئین کے سامنے ظاہر کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کے بغض میں ظہور فیضی نے حدیث میں تحریف کر ڈالی۔

موصوف کی فن حدیث میں حیثیت کیا ہے یہ تو پیچھے آپ ملاحظہ کر کے آچکے ہیں، اور ان شاء اللہ درجہ اعلیٰ آئے بھی اس کا جلوہ دکھائیں گے، یہاں جو مثال موصوف نے درایتاً رد کے لیے دی ہے موصوف اس میں غلطی کئے بیٹھے ہیں۔ اس حدیث کے حوالے سے امام الحدیث، امیر المؤمنین فی الحدیث اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ تفصیل پیش خدمت ہے۔

ملفوظات میں ہے: حدیث میں ہے: ((دنیا کی عمر سات دن ہے، میں اس کے پچھلے دن میں مبعوث ہوا۔))

دوسری حدیث میں ہے: ((میں امید کرتا ہوں کہ میری اُمت کو خدائے تعالیٰ نصف دن اور عنایت فرمائے۔))

ان حدیثوں سے اُمت کی عمر پندرہ سو برس ثابت ہوئی۔

وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ. (پ ۱۷، ج ۴)

”تیرے رب کے یہاں ایک دن تمہاری گنتی کے ہزار برس کے برابر ہے۔“

ان حدیثوں سے جو استفادہ (یعنی نتیجہ حاصل) ہوا وہ اس توقیت کے منافی (یعنی مخالف) نہیں جو اس علم سے میرے خیال میں آئی ہے کیوں کہ یہاں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے رب عزوجل سے استدعا (یعنی دعا) ہے۔ آئندہ انعام الہی (عزوجل) وہ جس قدر زیادہ عمر عطا فرمائے جیسے جسکو بدر میں حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کو تین ہزار فرشتے مدد کے لئے آنے کی امید دلائی۔

أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُحَدِّثَ كُمْ رَبُّكُمْ بِفَلَائَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ

(پ ۴، ج ۱، عزن: ۱۲۳)

”کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد فرمائے۔“

اس پر حق سبحانہ تعالیٰ نے فرشتوں کا اضافہ فرمایا کہ:

إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فُورِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ (پ ۴، ج ۱، عزن: ۱۲۵)

”کیوں نہیں اگر تم صبر کرو اور تقویت پر رہو اور کافرا بھی لکے ابھی تم پر آئیں تو تمہارا رب پانچ

ہزار نشان والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت ج ۷ ص ۷۵۳)

الحمد للہ عزوجل، حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ان کے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں وارد حدیث کی حقانیت ہم نے واضح کر دی ہے۔

### اہل باطل سے سرقہ

موصوف نے اہل باطل کی کتابوں سے سرقہ کر کے یہاں کچھ اعتراضات کیے ہیں کہ جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ امور سرزد ہوئے تو وہ ہادی مہدی کیسے ہو سکتے ہیں، اگرچہ ان میں سے اکثر وہ ہیں جن کے جوابات ائمہ اہلسنت دلائل قاہرہ کے ساتھ دے چکے ہیں مثلاً اختلاف یزید پلید، قتل حجر بن عدی وغیرہ، ہم ان کے اعتراضات اور اس پر جوابات سلسلہ وار ذکر کریں گے، تاکہ قارئین کے سامنے واضح ہو جائے کہ موصوف، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغض میں کہاں پہنچ چکے ہیں، جن معمولی باتوں سے موصوف فضائل سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں وارد احادیث کو موضوع کہنے پر پورا زور لگا چکے ہیں، اب مثال کے اثبات کے لیے مجہول اور مدلس راوی کی بات ہے بلا سند بات بھی معتبر، بلکہ کذاب راویوں سے منقول واقعات بھی مقبول و مرغوب ہیں۔

### سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت و عظمت

ایک دن حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس قریش کی معزز شخصیات جمع تھیں، اس موقع پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا: ماں باپ، چچا اور پھوپھی، خالہ اور خالو، دادا اور دادی کے اعتبار سے سب سے زیادہ معزز شخص کون ہے؟ حضرت سیدنا مالک بن عجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب اشارہ کر کے عرض کی: یہ سب سے افضل ہیں، ان کے والد حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور والدہ حضرت سیدتنا فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، ان کے نانا امی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور نانی حضرت سیدتنا خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، ان کے چچا حضرت سیدنا جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو بٹ میں پرواز کرتے ہیں، ان کی پھوپھی حضرت سیدتنا ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ماموں اور خالائیں آل رسول سے ہیں۔ تمام لوگ خاموش رہے، بنوہم کا ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا: ”آپ کے کہنے پر ابن عجلان نے یہ گفتگو کی ہے۔“ حضرت سیدنا مالک بن عجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کو جواب دیتے ہوئے



کہا: میں نے وہ بات کہی ہے جو حق ہے، جو دنیا میں اللہ عزوجل کی نافرمانی کر کے مخلوق کی رضا چاہے گا وہ دنیا میں اپنی آرزو سے محروم رہے گا اور آخرت میں اس پر بدبختی کی مہر لگا دی جائے گی۔ بنی ہاشم کی اصل تم میں سب سے زیادہ قابل فخر ہے اور ان میں سب سے زیادہ غیرت و حمیت پائی جاتی ہے۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب متوجہ ہوئے اور عرض کی: کیا میں نے صحیح کہا ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں، اللہ عزوجل کی قسم! یہ سچ ہے۔“

(برکات آل رسول ص ۱۱، ملخصاً)

جبکہ صاحب عقد الفرید کی بات کو تسلیم کیا جائے تو اس کے مطابق یہ فضیلت خود حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ”آباء و اجداد، چچا پھوپھی اور ماموں و خالو کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟“ سب نے عرض کی: امیر المؤمنین زیادہ جانتے ہیں۔ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دست مبارک تھاما اور ارشاد فرمایا: یہ ہیں، (کیونکہ) ان کے والد سیدنا علی بن ابی طالب، والدہ سیدہ فاطمہ، ان کے نانا اللہ عزوجل کے رسول، سیدہ خدیجہ ان کی نانی جان، سیدنا جعفر ان کے چچا ہیں، سیدہ ہالہ بنت ابی طالب ان کی پھوپھی جان اور میں کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ان کے ماموں اور خالائیں ہیں۔

(عقد الفرید تفصیل معاویہ للحسن ج ۵ ص ۲۲۳)

جب امام حسن، امیر معاویہ کے پاس آتے تو امیر معاویہ انہیں اپنی جگہ بٹھاتے خود سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے، کسی نے پوچھا: ”آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟“ فرمایا کہ امام حسن ہم شکل مصطفیٰ ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس مشابہت کا احترام کرتا ہوں۔ (مرآۃ المناجیح ج ۸ ص ۱۶۰)

ان تمام امور سے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعلقات اور محبت کس قدر تھی بالکل واضح ہے۔ آج کل کے بعض سہماء کم عقل لوگ، صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے آپس کے معاملات کی وجہ سے دلوں میں کدورت تھی یہ گندی سوچ چھوٹی ذہنیت کی وجہ سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

صاحب الاحادیث الموضوعات ظہور فیضی نے سنن ابوداؤد کی ایک مجمل اور ضعیف روایت نقل کی جس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے وصال باکمال سے خوشی ہوئی تھی، اس کے لیے موصوف نے بد مذہبوں سے مدد لینے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھا حالانکہ ائمہ اہلسنت کی طرف سے اس حدیث کی شرح موجود تھی جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

جس روایت کے ذریعے موصوف نے طعن کیا ہے وہ یہ ہے: ”حضرت مقدم بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمرو بن اسود اور اہل قنسرین میں سے بنو اسد کا ایک شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مقدم بن معدیکرب سے کہا: کیا آپ کو علم ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما انتقال کر گئے ہیں؟ اس پر حضرت مقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، کسی نے کہا: کیا آپ اس بات کو مصیبت سمجھتے ہیں؟ حضرت مقدم نے فرمایا: اور کیوں نہ میں اس کو مصیبت سمجھوں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے گود میں بٹھایا اور ارشاد فرمایا: یہ مجھ سے اور حسین علی سے ہیں، اس پر اسدی نے کہا: یہ ایک انگارہ تھا جسے اللہ عزوجل نے بجھا دیا اس پر حضرت مقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں آج کے دن اس وقت نہ ہٹوں گا جب تک تمہیں غصہ نہ دلا دوں اور تمہیں وہ نہ سنا دوں جو تم ناپسند کرتے ہوں۔۔۔ الخ۔

اولاً: یہ روایت سنداً ضعیف ہے اس میں راوی ہے بقیہ بن ولید، اگرچہ کثیر ائمہ نے ان کی تعدیل بھی کی ہے لیکن دیگر جروحات کے ساتھ ساتھ ان پر یہ جرح ہے کہ یہ تدلیس تسویہ کرتے ہیں، اور یہاں تو ویسے بھی یہ عن کے ساتھ روایت کر رہے، تدلیس تسویہ میں تو ضروری ہوتا ہے کہ وہ تمام ہی سند میں سماعت کی صراحت کرے، کیونکہ تدلیس تسویہ میں راوی دو ثقہ راویوں کے درمیان ضعیف کو ساقط کرتا ہے، اس لیے معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے کہاں راوی کو ساقط کیا ہے۔ لہذا مسند احمد کے بعض نسخوں میں تحدیث کی تصریح اصلاً مفید نہیں۔

تدلیس تسویہ

حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح التبصرة والخذ کرہ میں لکھتے ہیں:

وصورته أن يروي حديثاً عن شيخ ثقة، وذلك الثقة يرويه عن ضعيف عن ثقة، فيأتي المدلس الذي سمع الحديث من الثقة الأول، فيسقط الذي في السند، ويجعل

المحدث عن شيخه الفقه عن الفقه الثانی، بلفظ محتمل، فيستوى الإسناد، كله  
لغات، وهذا شر أقسام التدليس

”اس کی صورت یہ ہے کہ راوی کسی ثقہ شیخ سے روایت کرے، اور یہ ثقہ اس حدیث کو کسی ایسے  
ضعیف سے روایت کرے جو کسی ثقہ سے روایت کرتا ہے، اب مدلس جس نے اس کو پہلے ثقہ  
راوی سے سنا ہوتا ہے وہ (ضعیف) کو سند میں سے ساقط کر دیتا ہے، اور حدیث کو پہلے ثقہ  
راوی سے دوسرے ثقہ راوی سے محتمل لفظ کے ساتھ ملا دیتا ہے، اور سند کو برابر کر دیتا ہے جس  
سے تمام راوی ثقہ ہو جاتے ہیں۔ یہ تدلیس کی بدترین قسم ہے۔“

(شرح التہذیب ج ۱ ص ۲۴۲)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وهو شر أقسامه؛ لأن الفقه الأول قد لا يكون معروفًا بالتدليس، وبمجة الواقف  
على السند كذلك بعد التسوية، قدر واة عن ثقة آخر فيحكم له بالصحة، وفيه غرور  
شديد، ومن أشهر بفعل ذلك بقیة بن الولید

”یہ تدلیس کی بدترین قسم ہے اس لیے کہ پہلا ثقہ راوی کبھی تدلیس کے ساتھ معروف نہیں ہوتا،  
اور سند پر واقف ہونے والا تسویہ کے بعد سند اس طرح پاتا ہے کہ اس نے دوسرے ثقہ راوی  
سے روایت کیا ہوتا ہے تو وہ اس پر صحت کا حکم لگاتا ہے، اور اس میں شدید دھوکہ ہے، اس کام  
میں مشہور لوگوں میں سے بقیہ بن الولید ہیں۔“ (تذیب الراوی ج ۳ ص ۲۴۲)

حافظ ابن الحلقن رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قلت: قد صرح بقیة بالتدليس، فقال: ناشعة، لكن لا يدفعه ذلك فإنه معروف  
بتدليس التسوية

”میں کہتا ہوں، بقیہ نے یہاں تحدیث کی صراحت کی ہے اور کہا ہے حدیثا شعبہ، لیکن یہ بات  
اس کے لیے نافع نہیں ہے، کیونکہ یہ تدلیس تسویہ کے ساتھ معروف ہے۔“

(الہدایہ ج ۵ ص ۱۰۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقد آمن تدلیسہ، لتصریحہ فی هذا بالتحديث، لكن ينظر فی حدیث بحیر عن خالد

لأن بقية كان يسوي

”بقیہ نے یہاں تحدیث کی تصریح کر کے اپنی تدلیس سے مامون کر دیا ہے، لیکن یہ دیکھا

جائے گا کہ بحیر جو خالد سے روایت کر رہے ہیں اس میں تحدیث کی تصریح ہے، کیونکہ بقیہ

تدلیس تسویہ کرتے ہیں۔“ (اتحاف المہرۃ ج ۱۳ ص ۲۳۳ رقم ۱۶۶۳۵)

لہذا فیضی صاحب آپ کا سارا کیا دھرا مائم میں گیا۔

ثانیاً: خود اس کا متن بتا رہا ہے کہ یہاں راوی سے خطا واقع ہوئی ہے، حضرت امام حسن رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو نعوذ باللہ انگارہ اسدی نے کہا، اور حضرت مقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ حضرت امیر معاویہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ پر ہو گئے۔ اب اس پر فیضی کا یہ کہنا کہ چہرے کے تاثرات سے انہوں نے سمجھ لیا ہوگا، تو اس

کے لیے امام زروق رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو پڑھیں: إنما ينشأ الظن الخبيث عن القلب

الخبيث گندہ گمان گندے دل سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ (فیض القدیر ج ۳ ص ۱۹۶ تحت حدیث لا آثم والظن)

ثالثاً: اس روایت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ معلوم کرنا کہ کیا

آپ اس کو مصیبت سمجھتے ہیں ہرگز اس لیے نہیں تھا جس کا نقشہ فیضی بد باطن نے کھینچا ہے بلکہ مقصد واضح

ہے کہ جو لوگ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت کے قائل نہیں، انہیں ان کی عظمت صحابی رسول حضرت

مقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے معلوم ہو جائے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن رسلان رحمہ اللہ تعالیٰ شرح سنن ابی داود میں حضرت مقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے قول کے بعد لکھتے ہیں:

حين سمع ما قالوه في ابن بنت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم حين قيل

مراعاة لمعاوية بن أبي سفيان لما توهموه منه من التشفى بقتله، وحاشي معاوية

رضي الله تعالى عنه أن يكون في قلبه بغضاء للحسن أو لأبيه علي رضي الله تعالى

عنهما، فإن الصحابة مبرؤون من ذلك لشهادته لهم بأنهم كالنجوم التي يهتدى

بها ويستضاء بنورها، لا سيما وقد قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

لمعاوية: اللهم اجعله هادياً مهدياً وراه الترمذی

”یہ اس لیے فرمایا کہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ وہم کر رہے تھے کہ آپ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال سے خوش ہیں اسی کی رعایت کرتے ہوئے اسدی کی جو بات آپ نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں سنی تو یہ بات ارشاد فرمائی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بری ہیں کہ ان کے دل میں حضرت امام حسن یا آپ کے والد حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بغض ہو، کیونکہ صحابہ اس سے بری ہیں، خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان حضرات کے بارے میں گواہی دے ہے کہ یہ صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جن کی چروٹی کی جاتی اور ان سے نور حاصل کیا جاتا ہے، اور خاص طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تودعا بھی کی ہے: اے اللہ ان کو ہادی مہدی بنا۔“

(شرح ابن رسلان علی سنن ابی داؤد ج ۱۶ ص ۴۲۲-۴۲۳)

اصول فیضی پر یہ روایت موضوع باطل ہے۔

موصوف فیضی مسلسل یہ اصول بیان کرتے آئے ہیں کہ شامیوں کی بالخصوص حمصیوں کی فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مروی حدیث قبول نہیں، اس لیے کہ اہل حمص مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالف تھے، موصوف نے اس پر یاقوت حموی کی ادھوری عبارت پیش کی تھی، اس عبارت کے بعد یہ تھا کہ جب جنگوں کا یہ زمانہ گزر گیا تو حمصی لوگ نصیری شیعہ ہو گئے تھے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ اس روایت کے پہلے راوی عمرو بن عثمان بن سعید ہیں جو حمصی ہیں، اور ان کا سن وفات ۲۵۰ھ ہے، جنگ صفین کو گزرے دو سو سال ہو چکے تھے، اب اصول فیضی کے مطابق یہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمن و مخالف ہوئے، پھر ان کی روایت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کیسے قبول ہوگی؟

یہ اصول فیضی پر حکم ہے۔

معیار ایک ہی ہے۔

ہم پہلے بیان کر کے آچکے ہیں کہ فیضی صاحب کے نزدیک معیار صرف بغض معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، موصوف پیچھے سند سند کا شور مچاتے رہے، اب حیاۃ المیوان اور وفیات الاعیان سے ایک بے سند واقعہ

نقل کرتے ہیں، ”معاویہ نے سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر کہا ”استراح للہ“ میرے دل نے راحت حاصل کی ہے، ان دونوں کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس وقت شام میں تھے، انہوں نے معاویہ کے چہرے پر خوشی کے آثار دیکھے تو وجہ پوچھی، معاویہ نے کہا مات الحسن الحسن مر گیا۔“

لعنة الله على من كذب۔ یہاں اولاً یہ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ واقعہ بلا سند ہے، اگر ایسا واقعہ سند کے ساتھ ہوتا بھی تو اولاً سند کی تحقیق لازم ہوتی، سند صحیح بھی ہوتی تو بھی اصول اہل سنت کے مطابق قبول نہ ہوتی، واجب التاویل ہوتی۔ لیکن موصوف بلا تحقیق اس واقعے کو ایسے قبول کر رہے ہیں جیسے یہ واقعہ قطعی الثبوت قطعی الدلالت ہو۔

پھر غور کرنے والے پر واضح ہے، یہ عجیب بے وقوفانہ بات ہے کہ کسی کے انتقال پر اس کے عزیز کے سامنے خوشی کا اظہار کرنا، ایسا کام فیضی اینڈ کمپنی تو کر سکتی ہے، لیکن کسی عقل مند سے یہ منظور نہیں۔

### اس واقعے کا اصل ماخذ کیا ہے؟

ویسے فیضی صاحب بغض معاویہ میں ہیرا پھیری کرنے میں بہت سیانے ہیں، بہت بعید ہے کہ ان کو معلوم نہ ہو کہ اس واقعے کا اصلاً ماخذ کیا ہے۔ اس واقعے کا ماخذ مسعودی شیعہ کی کتاب مروج الذهب ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں اس واقعے کو سند کے ساتھ لکھا ہے۔ اور یہ سند مردود ہے۔

اولاً اس کی سند میں ضعیف اور کذاب راوی ہیں۔

راوی ہیں اس میں محمد بن حمید الرازی: اس کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: حافظ ضعیف وکان ابن معین حسن الرأي فیہ۔ یہ حافظ ضعیف ہے، ابن معین اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ (تقریب الجدید ص ۵۰۰ رقم ۵۸۳)

اس پر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ تطیق کرتے ہیں: وقال أبو زرعة، ثنا ابن الجوزی، ثنا السیوطی: کذاب أبو زرعة رازی، پھر ابن جوزی، پھر علامہ سیوطی نے کہا: یہ کذاب ہے۔

(تعلیقات علی تقریب الجدید ص ۵۹ رقم ۲۹۷)

دوسرے راوی علی بن معاویہ ہیں، ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ کذاب راوی

عمر بن عمر بن زریس، ابو جعفر الجمال نے ان کو کذاب کہا ہے۔

(البرج والتحدیل ج ۶ ص ۲۶۶ رقم ۱۱۲۳) (المعطاء والسر وکین لابن الجوزی ج ۲ ص ۱۹۸ رقم ۲۳۹۸)

عمر بن عیینہ فرماتے ہیں: کان یضع الحدیث حدیث گھڑا کرتے تھے۔

(الکف بحشیہ ص ۱۸۹ رقم ۵۲۱)

ماظ ابن جر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

علی بن عیاد بن مسلم القاضی الکابل بضم الموحدة و تخفیف اللام متروک من  
التاسعة، ولیس فی شیوخ أحد أضعف منه.

”علی بن عیاد بن مسلم القاضی الکابل، متروک راوی ہیں، طبقہ تاسعہ سے ہیں، امام احمد کے  
شیوخ میں ان سے زیادہ ضعیف کوئی نہیں۔“ (تقریب الجہد ص ۴۳۶ رقم ۱۷۹)

یہ روایت کر رہے ہیں اسحاق سے اور علما نے صراحت کی ہے کہ ان کا اُن سے سماع ہی ثابت نہیں۔  
(البرج والتحدیل ج ۶ ص ۲۶۶ رقم ۱۱۲۳)

مآنیاً: اس کے متصل ہی مسعودی نے طبری کے دوسرے نسخے کے حوالے سے لکھا ہے کہ سیدنا امیر  
معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوش ہونا اور تکبیر بلند کرنا یہ اس وقت تھا جب حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ کی طرف سے صلح کا پیغام آیا تھا۔ (مروج الذهب ج ۲ ص ۱۰۹)

الموس ہے فیضی صاحب آپ کی سوچ پر، کتنا زور لگایا تھا آپ نے ان احادیث کو رد کرنے کے لیے  
جو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں آئی ہیں، صرف راویوں کے مجہول ہونے تک کی وجہ  
سے بھی آپ نے حدیث کو موضوع کہہ دیا تھا، لیکن یہاں آپ کے سارے اصول بغض امیر معاویہ رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ میں الٹے ہو گئے، اسی طرح کے واقعات سے آپ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث  
اللہم اجعلہ ما دیا مہدیاً جسے کثیر ائمہ نے نہ صرف روایت کیا بلکہ متعدد محدثین نے اسے حسن قرار دیا رد  
کرنے چلے ہیں۔

اس واقعے کے برعکس ابن کثیر الہدایہ والنہایہ میں لکھا ہے:

ولما جاء الکعب بن عوف الحسن بن علی التقی کون ابن عباس عدا معاویة فعزاه لیه  
بأحسن تعزیه، ورد علیہ ابن عباس رد أحسن کما قد عدا

”جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وصال کی خبر آئی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس موجود تھے، آپ نے حضرت ابن عباس سے بہترین انداز میں تعزیت کی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بہترین انداز میں لوٹایا، جیسا کہ گزر چکا ہے۔“ (البداية والنهاية ج ۱۱ ص ۴۶)

### فیضی کی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بدترین گستاخی

اس بے اصل واقعے میں عربی میں جملہ تھا ”مات الحسن“ جس کا باادب ترجمہ بنتا ہے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا سے پردہ فرمایا، انتقال فرمایا، انتقال فرمایا گئے، وصال فرمایا۔ لیکن افسوس فیضی صاحب بغض سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایسے مدہوش ہیں کہ کتنا بھونڈا اور بدتمیزی والا ترجمہ کرتے ہیں ”حسن مرگیا“۔

نعوذ باللہ من بغض الصحابة الذی یؤدی الی توہین اہل البیت الکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم أجمعین۔ اللہم ارزقنا حہم وجنبنا عن بغضہم۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سارے واقعات موجود ہیں جس میں سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقیدت، محبت کے واضح دلائل موجود ہیں۔ ہم یہاں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث ذکر کرتے ہیں جو سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ مسند میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یمص لسانہ، أو قال: شفتہ یعنی الحسن بن علی صلوات اللہ علیہ، وإنہ لن یعذب لسان أو شفتان مصہما رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی (یعنی امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی) زبان یا ہونٹوں کو چوستے ہوئے دیکھا اور ہرگز اس زبان یا ہونٹوں کو عذاب نہیں دیا جائے گا

جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چوسا ہو“۔ (مسند احمد ج ۱۲ ص ۱۸۰ رقم ۱۶۷۹۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے عبد الرحمن بن ابی عوف

کے اور وہ بھی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱۸ رقم ۴۹۸ رقم ۱۵۰۴۳)



اللہ تعالیٰ ہمیں دور حاضر کے اس عظیم فتنے سے محفوظ رکھے جس میں اہلبیت کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پردے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان پر طعن کیے جا رہے ہیں۔ اور جھوٹے الزام لگانے سے بھی گریز نہیں کیا جا رہا۔

اپنے ہی گراتے ہیں دشمن پر بجلیاں

موصوف کے شیخ الجامعہ مفتی خان قادری صاحب نے ایک کتاب تصنیف کی ہے ”صحابہ کی وصیتیں“ اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیتیں بھی ذکر کی ہیں، ہم یہاں ان کی کتاب سے ہی وہ وصیتیں من و عن نقل کرتے ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشق رسول کس حال پر تھا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت رکھنے والی اشیاء کی کس قدر تعظیم کرتے تھے، پھر نواسہ رسول حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیسی محبت ہوگی۔ چنانچہ مفتی خان قادری لکھتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیتیں

یہ بال مبارک میرے منہ اور ناک میں رکھ دینا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا وقت آیا تو کہنے لگے ایک دفعہ میں صفا کے مقام پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بال کٹوانے کا ارادہ فرمایا میں نے قینچی لے کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بال بنائے اور مبارک بال حاصل کر لئے، جب میں فوت ہو جاؤں تو ان بالوں کو میرے منہ اور ناک پر رکھ دینا۔ (تاریخ ابن عساکر: ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان)

یہ ناخن مبارک میری آنکھوں پر رکھ دینا:

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ناخنوں کے تراشے پاس رکھے ہوئے تھے، اور ان کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ناخن اور بال کاٹنے میں نے انہیں جمع کر لیا جب میں فوت ہو جاؤں تو انہیں میرے منہ اور ناک پر رکھ دینا میں نے ایک شیشی میں آپ کے ناخن آج کے لئے محفوظ کیے تھے میری موت کے بعد انہیں میری آنکھوں پر رکھ دینا اللہ تعالیٰ سے امید ہے ان کی برکت سے مجھ پر رحم

فرمائے گا۔ (تاریخ الاسلام للذہبی: 2:393)

ناخن پیس کر انہیں میری آنکھوں کا سرمہ بنا دینا:

امام شمس الدین محمد بن محمد عثمان الذہبی نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی وصیت یوں بیان کی ہے: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کروایا کرتا تھا آپ نے اپنا قمیص مبارک اتار کر مجھے پہنا دیا، میں نے وہ قمیص اور آپ کے ناخن مبارک محفوظ کر لئے تھے، جب میں فوت ہو جاؤں، قمیص مبارک کو میرے جسم پر رکھ دینا ناخن مبارک کو پیس کر ان کو میری آنکھوں کا سرمہ بنا دینا، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائے گا۔ (سیر اعلام النبلاء: 3:160)

ناخن مبارک رکھ کر مجھے سپرد خدا کر دینا:

امام نووی نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ وصیت ان الفاظ میں بیان کی ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ناخن مبارک تھے انہوں نے یہ وصیت کی کہ ان کو پیس کر میری آنکھوں اور منہ پر رکھ دینا اور ایسا کر کے مجھے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے کے سپرد کر دینا۔ (تہذیب الاسماء والصفات: 2:103)

یہ قمیص رسول کفن کے نیچے جسم پر رکھ دینا:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حاجت کے لیے تشریف لے گئے، میں پانی کا کوزہ لے کر حاضر ہو گیا آپ نے اپنے جسم سے کپڑا مجھے پہنا دیا، میں نے اسے آج کے دن کے لیے محفوظ کر لیا تھا۔ (الاستیعاب: 3:399)

امام نووی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے: جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا وقت آیا تو انہوں نے وصیت کرتے ہوئے کہا مجھے اس قمیص میں کفن دینا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پہنائی تھی اور اسے میرے جسم سے ملا کر رکھنا۔ (تہذیب الاسماء: 3:103)

امام ابن عساکر نے یہ الفاظ ذکر کیے ہیں: اس قمیص کو میرے کفن کے نیچے متصل کر کے رکھنا۔

اگر بنی تو ان سے بنے گی:

بلکہ وہاں یہ بھی الفاظ ہیں اگر بنی تو ان میں سے کوئی شے وسیلہ بنے گی ورنہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے

والا ہے: اگر کوئی نفع مند چیز ہے تو یہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (الاستیعاب: 3:399)

میر انصف مال بیت المال کو دے دیا جائے:

محمد بن حکم سے روایت ہے کہ آپ نے وصال کے وقت یہ بھی وصیت کی تھی: میرے ذاتی اموال میں سے نصف بیت المال میں داخل کر دیا جائے گویا وہ ازراہ احتیاط اپنے مال کو صاف کرنا چاہتے تھے۔ (الہدایہ والنہایہ: 8:141)

چادر انور کا بیس ہزار درہم دے کر حاصل کرنا:

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت کعب بن زہیر بن کمال اسلمی کو کمال شفقت فرماتے ہوئے جو چادر عنایت کی تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ان کی اولاد سے 20 ہزار درہم دے کر حاصل کر لی تھی انہوں نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی یہ کہا تھا، مگر انہوں نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا تھا: ”میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔“

یہی وہ چادر تھی جس سے خلفاء بنو امیہ اور پھر خلفاء بنو عباس رضی اللہ عنہما حاصل کرتے اور عیدین کے موقع پر پہنتے۔ (السیرۃ الخلیفہ: 3:342) (صحابہ کی وصیتیں از مفتی خان قادری)

فیضی کے قاعدے کے مطابق الاحادیث الموضوعہ بھی مفتی محمد خان قادری صاحب ہی کی کتاب ہے لہذا یہ کیسا تضاد ہے ایک کتاب میں کیا موقف اختیار کیا ہوا ہے اور اب کیا لکھے جارہے ہیں۔ اور من گھڑت جھوٹے واقعات کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث حسن اللہم اجعلہ ہادیامہدینا کو رد کرنا چاہ رہے ہیں۔

انصار کے ساتھ برا سلوک کرنے کا الزام

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فیضی نے یہ الزام لگایا کہ انہوں نے انصار کے ساتھ برا سلوک کیا، اور اس کے لیے مجروح واقعات کو لے کر پوری داستان بنا ڈالی حالانکہ یہ واقعات نہ صرف سدا سے وقعت ہیں بلکہ خلاف واقع ہیں۔

اولاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والے تھے آپ کے

دور حکومت میں انصار بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے، حضرت مسلمہ بن مخلد الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصر افریقہ، طرابلس، برقعہ تمام مقامات کے گورنر تھے، روفیع بن ثابت الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ طرابلس کے امیر رہے۔

فیضی بد باطن جانتے ہوئے بھی ان تمام باتوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔

ثانیاً: موصوف نے جتنے بھی واقعات ذکر کیے سب سند مجروح ضعیف ہیں۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیں!

واقعہ حضرت سیدنا ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے کو امام حاکم نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے

اس کی پہلی سند میں راوی محمد بن انس رازی ہیں یہ مختلف فیہ راوی ہیں، بعض ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے لیکن ان پر کلام بھی کیا گیا ہے، امام ذہبی المغنی میں فرماتے ہیں:

محمد بن انس الرازی، عن الأعمش تفرداً بحديث. ولم يترك وهو ابن أخي جرير  
(المغنی فی الضعفاء ج ۲ ص ۲۶۹ رقم ۵۳۱۸)

میزان میں فرماتے ہیں:

محمد بن انس الرازی عن الأعمش تفرداً بحديث ولم يترك. وهو ابن أخي جرير قال

الدارقطني: ليس بالقوي محمد بن انس الرازی.

”اعمش سے روایت کرنے میں کئی احادیث میں مفرد ہیں، البتہ متروک نہیں، جریر کے بیٹے

ہیں، امام دارقطنی کہتے ہیں: قوی نہیں ہیں۔“ (میزان الاعتدال ج ۶ ص ۷۴-۷۵ رقم ۷۲۵۸)

دوسری علت اس کی سند میں یہ ہے کہ اس میں راوی ہیں حکم بن عتیبہ الکندی، یہ ثقہ راوی ہیں لیکن یہ

روایت کر رہے ہیں مقسم بن بجرہ سے اور مقسم سے انہوں نے صرف پانچ احادیث سنی ہیں، مذکورہ روایت

ان میں سے نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقال أحمد وغيره لم يسمع الحكم حديث مقسم كتاب الإخسة أحاديث. وعدھا

يحيى القطان حديث الوثر، والقنوت، وعزيمة الطلاق، وجزاء الصيد. والرجل يأتی

امرأته وهي حائض. رواه ابن أبي خيثمة في تاريخه عن علي بن المديني عن يحيى

”امام احمد وغیرہ فرماتے ہیں حکم نے قسم سے صرف پانچ احادیث سنی ہیں، اور یحییٰ القطان نے ان کو گنوا بھی دیا ہے وہ پانچ احادیث یہ ہیں، حدیث در، حدیث قنوت حدیث عزمتہ الطلاق حدیث جزا الصید اور یہ حدیث کہ آدمی اپنی گورت سے حالت حیض میں مباشرت کرے (اس پر وعید) کی حدیث، اس کو ابن ابی خثیمہ نے اپنی تاریخ میں علی بن مدینی اور انہوں نے یحییٰ القطان سے روایت کیا ہے۔“ (تہذیب اجتہاد ج ۲ ص ۱۰۰ رقم ۱۰۵۰)

تیسری علت یہ ہے کہ قسم بن بجرہ بھی مختلف فیہ راوی ہیں، ابو حاتم، احمد بن صالح، عیسیٰ، یعقوب بن یحییٰ، دارقطنی نے ان کی توثیق کی ہے، جبکہ ابن سعد نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے اسی طرح حافظ راجی نے بھی ان کے بارے میں لکھا کہ ان کی بعض روایات میں کلام ہے۔

(تہذیب اجتہاد ج ۲ ص ۱۰۰ - ۱۰۱ رقم ۱۰۵۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: صدوق و کان یوسل صدوق ہیں لیکن ارسال کرتے ہیں۔ (تہذیب اجتہاد ج ۲ ص ۷۴ رقم ۷۳۰)

یہ واقعہ امام طبرانی نے بھی نقل کیا ہے، ان کی سند میں مسعود بن سلیمان راوی ہے، یہ مجہول راوی ہے، حافظ ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں:

مسعود بن سلیمان روی عن حبیب بن ابی ثابت روی عنہ أبو الحسن الاسدی رنا عبد الرحمن قال: سألت أبي عنده فقال: مجهول۔

”مسعود بن سلیمان، حبیب بن ابی ثابت سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے ابو الحسن الاسدی روایت ہے، امام محمد بن حنفیہ بن ابو حاتم رازی کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے ان کے بارے میں معلوم کیا تو کہہ دیا مجہول ہے۔“ (البرج والاصول ج ۲ ص ۲۰۰ رقم ۲۰۰)

امام ذہبی اور حافظ عسقلانی لکھتے ہیں: مسعود بن سلیمان عن حبیب بن ابی ثابت مجہول وعنہ فردوس الأشعری مسعود بن سلیمان جو حبیب بن ابی ثابت سے روایت کرتے ہیں، مجہول راوی تھا، ان سے فردوس الأشعری لکھتے ہیں۔ (المغنی فی لفظہ ج ۲ ص ۱۰۰ رقم ۱۰۰) (لسان المیزان ج ۲ ص ۷۴ رقم ۷۴) (۷۴۰)

اسی میں دوسرے راوی حبیب بن ابی ثابت یہ تھے لیکن بہت زیادہ تدلیس کرنے والے تھے اور

یہاں یہ عن سے روایت کر رہے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حبیب بن ابی ثابت ثقہ فقیہ جلیل، وکان کثیر الإرسال والتدلیس  
”حبیب بن ابی ثابت ثقہ فقیہ جلیل ہیں لیکن بہت زیادہ ارسال اور تدلیس کرتے ہیں۔“

(تقریب الجہد ص ۱۸۹ رقم ۱۸۹)

تیسرے راوی محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں یہ ثقہ راوی ہیں لیکن اس میں  
اختلاف ہے کہ ان کا اپنے دادا حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سماع ثابت ہے یا نہیں۔  
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وذكر ابن حبان في الثقات التابعين، وقال: روى عن ابن عباس، وقال مصعب:  
كان ثقہ ثبتا مشهورا، وقال مسلم في التمييز: لا يعلم له سماع من جده ولا أنه  
لقیه.

”ابن حبان نے ان کو ثقات میں تابعین میں ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن  
عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، مصعب کہتے ہیں: یہ ثقہ ثبت مشہور تھے، امام مسلم  
تیمیز میں لکھتے ہیں: ان کا اپنے دادا سے سماع ثابت نہیں اور نہ ہی آپ کی ان سے ملاقات  
ہوئی۔“ (تہذیب الجہد ج ۷ ص ۳۳۵ رقم ۶۴۱) وانظر: (التیمیز للامام مسلم ص ۱۸۹ رقم ۹۶)  
طبرانی کی دوسری سند میں حبیب بن ابی ثابت کے بعد سند منقطع ہے کیونکہ ان کا سماع حضرت سیدنا  
ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔

حافظ علانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

حبیب بن ابی ثابت الکوفی روى عن جماعة من الصحابة منهم ابن عمرو بن ارقم  
وقد تقدم أنه مدلس، قال علي بن المديني: حبیب بن ابی ثابت لقی ابن عباس  
وسمع من عائشة، ولم يسمع من غيرهما من الصحابة رضي الله تعالى عنه  
”حبیب بن ابی ثابت الکوفی ایک جماعت صحابہ سے روایت کرتے ہیں، جن میں ابن عمر، زید  
بن ارقم ہیں اور گزر چکا کہ یہ مدلس ہیں، علی بن مدینی کہتے ہیں: حبیب بن ابی ثابت نے  
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملاقات کی ہے اور حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنها سے سماع کیا ہے، ان دونوں کے علاوہ کسی بھی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے نہیں سنا۔ (جامع التحصیل ص ۱۵۸-۱۵۹ رقم ۱۱۷)

امام حاکم کی دوسری سند میں مسعود بن سلیمان، حبیب بن ابی ثابت اور محمد بن علی بن عبد اللہ ہیں اور تینوں پر کلام ماقبل میں ہو چکا۔ لہذا سیدنا ابوالیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بدسلوکی کا واقعہ سنا بھی باطل ہے۔

### روایت حضرت سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے دو سندوں سے روایت کی ہے لیکن اس کا مدار عطاء بن سائب پر ہے اور یہ مختلط راوی ہیں ان سے ایک سند میں روایت کر رہے ہیں ابو معتمر سلیمان بن طرخان التیمی البصری اور اہل بصرہ کا ان سے سماع ان کے اختلاط کے بعد ہے، لہذا اس سند کا مجروح ہونا بالکل واضح ہے۔

حافظ صلاح الدین خلیل کیرکادی العلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وبالجملة: أهل البصرة فإن أحاديثهم عنه مما سمع بعد الاختلاط. لأنه قدم عليهم في أخرة عمره

”بالجملة اہل بصرہ کی عطاء بن سائب سے احادیث اختلاط کے بعد کی ہیں کیونکہ یہ اہل بصرہ کے پاس عمر کے آخری دور میں آئے تھے۔“ (کتاب المختلطین ص ۸۴ رقم ۳۳)

دوسری سند میں بھی راوی عطاء بن سائب مختلط ہیں، ان سے روایت کرنے والے محمد بن میمون ابو حمزہ السکری ہیں جو ثقہ راوی ہیں لیکن ان کا سماع عطاء بن سائب سے معلوم نہیں کب ہے، نیز یہ خود اخیر میں مختلط ہو گئے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقال النسائي: لا بأس بأبي حمزة إلا أنه كان قد ذهب بصره في آخر عمره. فمن كتب عنه قبل ذلك فحديثه جيد وذكره ابن القطان الفاسي فيمن اختلط.

”امام نسائی کہتے ہیں: ابو حمزہ میں کوئی حرج نہیں مگر اخیر عمر میں ان کی بصارت جاتی رہی تو جس نے ان سے اس سے پہلے روایت کی اس کی حدیث جید ہے، اور ابن قطان الفاسی نے ان کو

مختلطین میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب المعادب ج ۷ ص ۴۵۸ رقم ۶۶۰۲)

یہاں عبدان ان سے روایت کرتے ہیں اور عبدان کا ان سے روایت اخیر عمر میں ہے یا پہلے اس کی صراحت نہیں،

اس سند میں ایک اور راوی ہے: احمد بن علی بن الحسین ابو غالب الخياط اس کے بارے میں حافظ عراقی اور حافظ عسقلانی لکھتے ہیں:

أحمد بن علی بن الحسین أبو غالب الخياط، روی عن ابن النقوم، قال ابن ناصر: عامی لا یساوی فلسا، قلت: روی عن ابن النقوم، وابن المسلمة وغیرہما، روی عنہ أبو بکر بن کامل، ویحیی بن بوش،

”احمد بن علی بن الحسین ابو غالب الخياط، ابن النقوم سے روایت کرتے ہیں، ابن ناصر کہتے ہیں: یہ عامی ہیں ایک نکلے کے برابر بھی نہیں ہیں، میں (حافظ ابن حجر) کہتا ہوں یہ ابن نقوم اور ابن مسلمہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابو بکر بن کامل اور یحیی بن بوش روایت کرتے ہیں۔“ (فیل میزان الاعتدال ج ۷ ص ۳۷-۳۸ رقم ۱۱۴) (لسان المیزان ج ۱ ص ۵۵۱ رقم ۶۶۱)

لہذا سند یہ واقعہ بھی باطل ہے۔

### قصہ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت مصنف عبد الرزاق میں ہے اور اس کی سند میں عبد اللہ بن محمد بن عقیل ہیں۔ ابن سعد، ابن عیینہ، امام احمد، یحیی بن معین، علی بن المدینی، ابن ابی حاتم رازی، نسائی، ابن خزیمہ، عقیلی، خطیب، ابن حبان نے ان کو ضعیف کہا ہے، بعض دیگر ائمہ نے ان کی تعریف کی ہے لیکن عمومی تعریف ان کی عبادت کی ہے جبکہ بعض نے ان کو صدوق قرار دیا ہے۔

(تہذیب المعادب ج ۴ ص ۴۷۴ رقم ۳۶۸۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: صدوق فی حدیثہ لدن ویقال تغیر بأخرة صدوق ہیں، ان کی حدیث میں کمزوری ہے اور کہا گیا ہے کہ اخیر عمر میں تغیر آ گیا تھا۔

(تقریب المعادب ص ۳۵۶ رقم ۲۵۹۸)

امام ذہبی فرماتے ہیں: قال أبو حاتم وعدة: لدن الحديث وقال ابن خزيمة: لا أحتج به



ابو حاتم اور ایک تعداد نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث میں کمزور ہیں اور ابن خزیمہ فرماتے ہیں: میں ان سے استدلال نہیں کرتا۔ (الکاشف ج ۳ ص ۱۹۰ رقم ۲۹۶۲)

حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ

حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ یہ بھی سدا مجروح ہے۔

اس میں راوی فضیل بن مرزوق ہے، اگرچہ کے اس کی کئی ائمہ نے توثیق کی ہے، لیکن ان پر جرح بھی ہے اور ساتھ ان کے بارے میں شدید تشیع کی جرح ہے، نیز بالخصوص عطیہ العوفی سے ان کی روایت پر سخت جرح ہے۔ اور یہاں یہ عطیہ سے ہی روایت کر رہے ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں: صالح الحدیث إلا أنه كان شديد التشيع صالح الحديث ہیں مگر تشیع میں بہت شدید تھے، عجلی کہتے ہیں: جائز الحديث صدوق وكان فيه تشيع جائز الحديث ہیں صدوق ہیں مگر ان میں تشیع تھا۔ ابن حبان کہتے ہیں: كان يخطئ على الشقات ويروى عن عطية الموضوعات، ثقات سے روایت میں خطا کرتے تھے، اور عطیہ سے موضوعات کرتے تھے۔ (تہذیب الحدیث ج ۶ ص ۴۲۵-۴۲۶ رقم ۵۶۲۶)

دوسرے راوی عطیہ العوفی ہیں، یہ سخت مشکلم فیہ اور تفضیلی شیعہ تھے۔ اور ساتھ موصوف مدلس بھی تھے اور یہاں سماع کی کوئی تصریح نہیں قال سے روایت کر رہے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

عطية بن سعد العوفي الكوفي، تابعي معروف ضعيف الحفظ، مشهور بالتدليس القبيح

”عطیہ بن سعد العوفی کوفی تابعی ہیں معروف راوی ہیں، ضعیف الحفظ ہیں اور قبیح تدلیس کے

ساتھ مشہور ہیں۔“ (طبقات المدلسین ص ۵۰ رقم ۱۲۲)

لہذا فیضی صاحب آپ کی ساری داستان تو ہوا ہو گئی۔

سدا تو یہ سارے واقعات مجروح ہیں ساتھ واقع کے بھی خلاف ہیں جیسا کہ گزر چکا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں انصار گورنری پر تھے بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی کو گورنری سے ہٹا کر حضرت نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فہ کا گورنر لگایا تھا۔

ثالثاً: اس واقعے کو بعض نے اس طرف منسوب کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اس سلوک کی وجہ یہ تھی کہ انصار مدینہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت میں شریک تھے، اور یہ بات بھی خلاف واقع ہے کہ انصار کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین میں شمار کیا جائے، اس حوالے سے کوئی صحیح روایت آئی ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے برخلاف ایک روایت آئی جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محصور تھے) سے کہا کہ یہ انصار آپ کے دروازے کے پاس ہیں اگر آپ چاہیں تو دوسری مرتبہ انصار اللہ (اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار) بن جائیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے اس حوالے سے کوئی حاجت نہیں ہے۔ (الثقات لابن حبان تاریخ خلیفہ بن خیاط)

رابعاً: خود سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کی فضیلت میں حدیث روایت کرتے ہیں، امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، حافظ ابن ابی عاصم، امام طبرانی، امام نسائی اور دیگر ائمہ صحیح کے ساتھ یزید بن جاریہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ”یہ انصار کے ایک گروہ میں بیٹھے تھے، وہاں سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے، آپ نے ان لوگوں سے ان کی گفتگو کے بارے میں پوچھا: انہوں نے کہا کہ ہم انصار کی حدیث کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے، حضرت معاویہ نے کہا: کیا میں تمہیں ایک ایسی مزید حدیث نہ بتاؤں جو میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے، سب نے کہا: ضرور یا امیر المؤمنین، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: من أحب الأنصار أحب الله ومن أبغض الأنصار أبغض الله. میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو انصار سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے، اور جو انصار سے بغض رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مبغوض رکھتا ہے۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ج ۱۷ ص ۲۶۵ رقم ۳۳۰۲۳) (مسند ابی داؤد الطیالسی ج ۲ ص ۳۰۸ رقم ۱۰۴۹) (الآحاد والثانی

ج ۳ ص ۳۲۸ رقم ۱۷۰۸) (المعجم الأوسط ج ۶ ص ۱۹۱ رقم ۶۱۵۸) (مسند احمد) ((سنن النسائی الکبریٰ)

کس شان اور اہتمام سے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کی فضیلت بیان کر رہے ہیں، اور ان کی آپس میں محبت ملاحظہ فرمائیں، لیکن آج کا ایک مجروح مولوی مرجوح واقعات کو لے کر ان کا آپ سے میں بغض ثابت کرنے پر تلا ہے۔ اور پھر اس کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی حدیث اللہم اجعلہ ما دیا مہدیا کو رد کرنا چاہتا ہے۔

### تہمت شرب خمر

فیضی صاحب کا حالت مدہوشی میں لکھنا ان کی کتاب کے کئی مقامات سے ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ آپ پیچھے ملاحظہ فرمائی چکے ہوں گے۔ موصوف پھر بہکے اور بے سمجھے اپنے متبوعین کے پیچھے چلتے ہوئے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شراب پینے کی تہمت لگا دی۔ اور مسند احمد کی ایک منکر روایت سے استدلال کر گئے اور ایک بالکل ستھری روایت جو مصنف ابن ابی شیبہ میں تھی اس کو نظر انداز کر گئے۔ ہم یہاں ان شاء اللہ عزوجل اس روایت کی تحقیق کے ساتھ فیضی صاحب کی جہالت جدیدہ کا انکشاف بھی کریں گے۔

اولا مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ملاحظہ فرمائیں:

حدثنا زید بن الحباب، عن حسین بن واقد، قال: حدثنا عبد الله بن بريدة، قال: دخلت أنا وأبي على معاوية فأجلس أبي على السرير، وأتى بالطعام فطعمنا. وأتى بشراب فشرب، فقال معاوية: ما شئ، كنت أستلذه وأنا شاب فأخذة اليوم إلا اللبن، فإني أخذة كما كنت أخذة قبل اليوم، والحديث الحسن

”زید بن حباب، حسین بن واقد سے اور وہ عبد اللہ بن بریدہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: میں اور میرے والد (حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، حضرت معاویہ نے میرے والد کو اپنی چارپائی پر ساتھ بٹھایا، کھانا لایا گیا ہم نے کھانا کھایا، پھر اس کے بعد پینے کے لیے (دودھ) لایا گیا، حضرت معاویہ نے اسے پیا اور فرمایا، میں جوانی سے ہمیشہ جس چیز سے لذت حاصل کرتا رہا ہوں، اور اس سے آج بھی لذت حاصل کرتا ہوں وہ دودھ ہی ہے، میں اسے ایسے ہی استعمال کرتا ہوں جیسے پہلے استعمال کرتا تھا، اور اچھی گفتگو (سے لطف اندوز ہوتا ہوں)۔“

(المصنف لابن ابی شیبہ ج ۱۶ ص ۷۹ رقم ۳۱۲)

اس میں واضح ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جو پینے کی چیز لائی گئی وہ دودھ تھی۔ محدثین نے اس حدیث سے کیا سمجھا؟

حافظ نور الدین البیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”غایۃ المقصد فی زوائد المسند“ میں اس پر باب باندھا ہے ”باب مدح اللین“ اسی طرح اپنی دوسری کتاب ”مجمع الزوائد“ میں باب ”باب ما جاء فی اللین“ میں ہی اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ (غایۃ المقصد ج ۴ ص ۱۱۵ رقم ۱۰۴۵) (مجمع الزوائد ج ۱۱ ص ۹۹ رقم ۱۸۰۹۲) معاصر صہیب عبد الجبار فلسطینی نابلسی نے بھی ”الجامع الصحیح للسنن والمسائید“ میں اس روایت کو کتاب الاطعمۃ میں دودھ کی فضیلت پر مشتمل روایات کے تحت ذکر کیا ہے۔

(الجامع الصحیح للسنن والمسائید ج ۱۶ ص ۷۹ رقم ۳۱۲۰۱)

اور ساعاتی نے مسند احمد کی ترتیب الفتح الربانی میں ”باب ما جاء فی برکۃ اللین وشربه وحلبه“ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ (الفتح الربانی لترتیب الامام مسند احمد ج ۱۷ ص ۱۱۵) یہاں مسند احمد میں درمیان میں ایک منکر جملہ زائد ہے جس سے خائنین کو موقع ملا اور اپنے فاسد عقیدے کی ترویج کے لیے اپنی عادت بد کے مطابق انہوں نے اس جملے سے بغیر سمجھے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان ذیشان میں گستاخی کرنے کی کوشش کی، وہ جملہ یہ ہے: ثم ناولنی اہی ثم قال: ما شربته منذ حرمہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم.... پھر اسے میرے والد نے لیا اور پھر حضرت معاویہ نے کہا: جب سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حرام فرمایا ہے میں نے اسے نہیں پیا۔

اقول وبالله التوفیق! اولاً: اس جملے کے کو اگر تسلیم کریں تو جاننا ہوگا کہ اس کا قائل کون ہیں؟ یہ قائل حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وفي کلام معاویۃ شیء ترکتہ حضرت معاویہ کی گفتگو میں جملہ تھا جسے میں نے ترک کر دیا ہے۔

اور وہ متروک کلام یہ ہے: [ثم قال: ما شربته منذ حرمہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حرام فرمایا ہے میں نے اسے نہیں پیا] فیضی نے مسند احمد سے یہیں تک عبارت نقل کی ہے مسند احمد میں اس کے بعد بھی کلام ہے، جس سے اس جملے کا منکر ہونا بالکل واضح ہے، لیکن فیضی صاحب حسب عادت اگلی عبارت کو چھوڑ گئے تاکہ جواب ہی نہ دینا پڑے۔ آگے کا کلام مسند امام احمد میں یہ ہے:

قال معاوية: كنت أجمل شباب قریش وأجوده ثغراً وما شيء كنت أجده لذة

کہا کنت أجده وأنا شاب، غیر اللبث أو انسان حسن الحديث يحدثني

”پھر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں قریش کا جمیل ترین اور سخی ترین نوجوان تھا

اور جوانی میں جن چیزوں سے میں لطف اندوز ہوتا تھا اور اب بھی اس سے لطف اندوز ہوتا

ہوں وہ صرف دودھ ہے یا یہ ہے کہ اچھی گفتگو کرنے والا شخص مجھ سے اچھی گفتگو کرے۔“

مسند احمد کے منکر جملے کو تسلیم کرنے کی صورت میں یہ عجب بات ہوئی کہ پی بھی رہے ہیں اور کہہ رہے

ہیں کہ جب سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حرام فرمائی ہے میں نے پی ہی نہیں۔

صحیح یہ ہے کہ یہ جملہ ہے ہی زیادت منکرہ سے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کے راوی اگرچہ فی نفسہ ثقہ

ہیں لیکن ان پر خود امام احمد حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام موجود ہے امام ابو داؤد امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ سے

روایت کرتے ہیں: زید بن الحباب کان صدوقاً، وكان يضبط الألفاظ عن معاوية بن صالح

ولكن كثير الخطأ زید بن الحباب صدوق ہیں اور معاویہ بن صالح سے الفاظ کا ضبط رکھتے ہیں، لیکن کثیر

الخطا ہیں۔ (سؤالات ابی داؤد امام احمد ص ۳۱۹ رقم ۴۳۲) (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۲۰ رقم ۲۱۹۵)

حسین بن واقد کے بارے میں فرماتے ہیں: حسین بن واقد له أشياء من أكبر ان کی کئی منکر

روایات ہیں۔ (العلل ومعرفۃ الرجال رویۃ المروزی وغیرہ ص ۱۸۷ رقم ۴۴۴)

حافظ عقیلی کہتے ہیں: أنكر أحمد بن حنبل حديثه امام احمد نے اس کی حدیث کو منکر کہا ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۴۰ رقم ۱۴۱۶)

وقال الأثرم: قال أحمد: في أحاديثه زيادة ما أدرى أي شيء هي ونقض يده

”امام اثرم کہتے ہیں امام احمد بن حنبل نے فرمایا: اس کی احادیث میں ایسی زیادتی ہوتی ہے

جسے میں نہیں جانتا، اور اپنے ہاتھ جھاڑ لیے۔“

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۴۰ رقم ۱۴۱۶) (الضعفاء الكبير للعقيلي ج ۲ ص ۳۶ رقم ۳۰۳)

یہ جملہ حسین بن واقد کی زیادت منکرہ تھی کبھی یہ اس زیادت کو ذکر کرتے ہیں جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ

تعالیٰ نے روایت کیا اور خود ہی ان کے بارے میں فرمایا کہ منکر روایت لے کر آتے ہیں، اسی لیے امام بیہقی

نے ذکر نہیں کیا اور کبھی اس زیادت منکر کو لے کر نہیں آتے اور اس کے بغیر ہی یہ روایت مصنف ابن ابی

شیبہ میں موجود ہے۔

### امام بیہمی کے کلام کا معنی

لیکن موصوف فیضی لکھتے ہیں: ”یہ حافظ بیہمی رحمۃ اللہ علیہ کی دیانت داری ہے کہ انہوں نے خود ہی بتا دیا کہ انہوں نے وہ جملہ حذف کر دیا ہے جس سے معاویہ کی شراب نوشی ثابت ہوتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر انہوں نے ایسا کیوں کیا جبکہ ان کے نزدیک اس حدیث کی سند بھی صحیح ہے؟ کیا کوئی صحابی کہا جانے والا شخص اگر بادشاہ بن جائے اور پھر وہ کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو تو اس پر پردہ ڈالنا اور اس کی خاطر احادیث صحیحہ سے جملے حذف کرنا شرعی حکم کیا ہے؟“

اقول وباللہ التوفیق! یہ تو تقریباً واضح ہو چکا ہے کہ آپ پی کر ہی لکھتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بغض معاویہ کی شراب پی کر لکھتے ہیں اور خیانت کرتے ہیں یا واقعی حقیقی شراب پی کر لکھتے ہیں کہ آپ کو پتا ہی نہیں چلتا کہ کیا لکھ رہے ہیں۔

اولاً: ایسے موقع پر یہ کہنا ”احادیث صحیحہ سے جملے حذف کرنا“ واضح ایہام کرتا ہے کہ گویا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں سے جملہ حذف کیا ہو۔ حالانکہ واضح لکھا ہے کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام کا ایک جزء تھا جسے ذکر نہیں کیا۔

ثانیاً: ہم ابھی واضح کر آئے ہیں کہ پینے کی چیز سے مراد دودھ ہے، مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت اس حوالے سے واضح ہے، اور خود حافظ بیہمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس پر باب مدح اللبن کا باندھا ہے۔ پھر آپ یہ کہہ رہے ہیں ”جس سے معاویہ کی شراب نوشی ثابت ہوتی ہے“ لعنة اللہ علی شرکم۔ ذرا بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی پر بلا دلیل شراب نوشی کا الزام لگانے کی وجہ سے خود آپ پر کیا حکم شرعی لگے گا؟

ثالثاً: آپ نے کھل روایت کیوں ذکر نہیں کی، جس سے خود اس کلام کا منکر ہونا واضح ہے۔ حافظ بیہمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تو واضح کر دیا کہ یہ جملہ میں نے حذف کیا ہے اور اہل علم بخوبی جان سکیں گے کہ زیادت منکر ہے۔ لیکن آپ نے تو آگے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام ذکر نہیں کیا اور بتایا بھی نہیں۔ ذرا بتائیں آپ پر اس خیانت کا کیا حکم لگے گا؟

رابعاً: حافظ بیہمی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کلام سے بات تو واضح ہو چکی تھی کہ یہ جملہ حضرت امیر معاویہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، پھر آپ نے اس جملے کا قائل حضرت سیدنا بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیوں بنادیا؟  
 خامسا: آپ تو بڑے محقق بنتے ہیں، اس واقعے پر اہل علم کا بڑی تفصیلی کلام موجود ہے، اور جس حسین  
 سلیم اسد کی تحقیق پر آپ آگے کلام لکھ رہے ہیں اور ہم اس پر آپ کی جہالت جدیدہ کا پول کھول رہے ہیں،  
 اسی حسین سلیم نے اسی مقام پر اس زیادت منکر کا بیان کیا ہوا ہے، اگر ہمت تھی تو ذرا تحقیق کر کے اس کا  
 جواب دیجئے۔

موصوف اس کے بعد لکھتے ہیں: ”قارئین کرام کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ جملہ مجمع الزوائد کے  
 ندیم نسخے سے تو محذوف ہے، مگر دار الفکر اور دار الکتب العلمیہ بیروت کے محققین نے اس جملہ کو مسند احمد  
 سے لے کر پھر مجمع الزوائد میں شامل کر دیا ہے مگر قوسین کے اندر لیکن شیخ حسین سلیم اسد کی تحقیق سے جو مجمع  
 الزوائد شائع ہوئی ہے اس میں شیخ موصوف نے اس جملہ کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے، میں پوچھتا ہوں: امیر  
 ثام کے متعلق شیخ موصوف کتنے جملوں کو ناپسندیدہ قرار دیں گے؟ ہم اگر شیخ حسین سلیم اسد الدارانی کی  
 تحقیق سے شائع شدہ مسند ابی یعلیٰ اور مجمع الزوائد سے ایسے جملوں کی نشاندہی کرنا شروع کریں تو شیخ  
 موصوف سر پکڑ کر بیٹھ جائیں گے۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۲۷-۲۲۸)

گوگل ترجمہ

سبحان اللہ! کیا قابلیت ہے! حسین سلیم اسد الدارانی نے یہ بات اصطلاحی اعتبار سے کی تھی، اور  
 ہاتھ لکھ بھی دیا ہے:

غیر أن زیادات حدیثہ وصفها الإمام أحمد بقوله: فی أحادیثہ زیادة ما أدری أی  
 شیء هی ونقض یدہ، وذلك مثل الزیادة التي ترکها الهیثمی رحمه الله تعالى۔ وہی: ثم  
 قال: ما شربته منذ حرمه رسول الله صلی الله تعالى علیه وسلم)) وهذه زیادة  
 منکره خدا

”یعنی اس اس سند کے رجال تو ثقہ ہیں مگر اس حدیث میں وہ زیادت ہے جسے امام احمد نے  
 اپنے اس قول سے بیان کیا ہے: اس (حسین بن واقد کی) کی احادیث میں وہ زیادت ہے جو  
 میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے؟ اور اپنے ہاتھ جھاڑ لیے۔ اور اسی زیادت کی مثل وہ جملہ ہے جسے  
 لکھی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترک کر دیا اور وہ زیادت ہے: ”جب سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم نے اسے حرام فرمایا ہے میں نے اسے نہیں پیا۔“ اور یہ زیادتی سخت منکر ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۱ ص ۹۹ رقم ۸۰۹۲ باب ما جاء فی المن)

اور موصوف فیضی نے اس کا ترجمہ لغوی کر دیا کہ یہ ناپسندیدہ زیادتی ہے اور ہم ایسے ناپسندیدہ جملوں کی نشاندہی کریں گے تو موصوف دارانی سرپکڑ کر بیٹھ جائیں گے۔ صحیح کہہ رہے ہیں فیضی صاحب، واقعی دارانی صاحب سرپکڑ کر بیٹھ جائیں گے۔

ویسے موصوف کے بعض محبین نے بھی اس حوالے سے کمال کیا تھا۔ ان سے بعض احباب اہلسنت کا ”لایصح“ کے معنی پر مباحثہ ہوا، جس پر محب فیضی صاحب نے ”لایصح“ کا معنی گوگل سے سرچ کر کے بتایا ”خراب، گلا ہوا، سڑا ہوا، باطل“ سبحان اللہ! اسی طرح موصوف فیضی نے اس کتاب میں ایک مقام پر تدلیس کا معنی ”فریب کاری کرنے والا“ کیا ہے۔ دارانی صاحب تو سرپکڑنے کی بجائے سردیوار میں ماری لیں گے۔

حرمت شراب کی احادیث جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں۔

جامع ترمذی کی مشہور روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَأَجْلِدُوهُ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَأَقْتُلُوهُ

”یعنی جو شراب پیے اسے کوڑے لگاؤ اگر وہ چوتھی بار بھی پیے تو اس کو قتل کر دو۔“

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وإنما كان هذا في أول الأمر ثم نسخ بعد هذا

”یعنی یہ حکم ابتداء میں تھا پھر اس طرح کا حکم منسوخ ہو گیا۔“

(جامع الترمذی ج ۳ ص ۶۶ رقم ۱۱۴۴)

لیکن اگر اس حدیث کو تعزیر پر محمول کر لیا جائے تو یہ حدیث بھی معمول بہ ہو جاتی ہے۔

(تذکرۃ الہدین ص ۱۲۳)

یہ حدیث مبارک روایت کرنے والے صحابی حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔

ایک اور حدیث مبارک ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابن ماجہ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:



سمعت رسول الله - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - يقول: "كل مسكر حرام على كل مؤمن".

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ہر مؤمن پر ہر نشے والی چیز حرام ہے۔" (سنن ابن ماجہ ۴ ص ۶۸ رقم ۳۳۸۹)

یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی احادیث ہیں جن میں شراب کی حرمت کا بیان ہے۔

محترم قارئین! آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ فیضی صاحب، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی پر اس طرح کی جہمتیں لگا کر، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اللہم اجعلہ فادیا مہدیاً کو رد کرنا چاہ رہے ہیں۔

ایک واقعے کی غلط نسبت اور اس کا جواب:

فیضی صاحب کا اگر بس چلے تو نائن الیون کے واقعے کا ذمہ دار بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرار دے دیں، ان کا حال بغض سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایسا ہو چکا ہے کہ اس کے لیے چاہے مروان کی حمایت کرنا پڑے یا یزید کا دفاع یہ صاحب کر جائیں گے، جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی۔ یہاں ایک واقعے کے حوالے سے تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

ایک بار مروان نے ابن یامین نصیری یہودی سے سوال کیا کعب بن اشرف یہودی کا قتل کیسے ہوا؟ جواب میں اس نے کہا: دھوکہ سے۔ اس وقت حضرت سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں موجود تھے، انہوں نے مروان کو پکار کر کہا تیرے سامنے آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دھوکے کی نسبت کی جارہی ہے اور تو منع نہیں کر رہا، اللہ تعالیٰ کی قسم تو اور میں ایک چھت کے نیچے اکٹھے نہیں ہوں گے اور بن یامین سے کہا کہ یہ مجھے تنہائی ملا تو میں اس کو قتل کر دوں گا۔ یہ واقعہ مختلف کتب میں مروان کے حوالے سے منقول ہے۔

بعض راویوں نے اس واقعے کی نسبت حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کی ہے، اس پر امام تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا:

ولعل مروان أو معاوية. إن ثبت أن القصة كانت عنده. إنما سكت عن قتله

لتجوزہ أن يكون ابن يامين إنما نسب الغدر إلى ابن مسلمة وأصحابه ولو تحقق منه

أنه نسبته إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يتوقف في قتله

”مروان کے پاس یہ واقعہ ہوا یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس، اگر یہ ثابت

ہو کہ یہ قصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ہوا تھا تو آپ کے بن یامین یہودی

کے قتل سے رکنا اس وجہ سے ہوگا کہ بن یامین نے اس دھوکے کی نسبت حضرت محمد بن مسلمہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کی طرف کی تھی، اگر اس سے یہ متحقق ہو جاتا کہ اس نے

اس دھوکے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کبھی اس کے قتل میں توقف نہ کرتے۔“ (السیف السلول ص ۳۰۲)

یہی ائمہ اہلسنت کا طریقہ کار ہے کہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی بات کا امکان نہیں اس لیے اگر

بالفرض ایسا ہوا تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے۔ لیکن موصوف فیضی کسی صورت بھی یہ برداشت نہیں کر سکتے اس

لیے امام سبکی پر چڑھ دوڑے اور لکھا:

”امام سبکی کی اس تاویل کا تصنع اور تکلف پر مبنی ہونا بالکل واضح ہے، کیونکہ سیدنا محمد بن مسلمہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا تھا: اے معاویہ تیرے سامنے نبی کریم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دھوکہ کی نسبت کی جا رہی ہے پھر بھی تم برا نہیں منا رہے؟ اس پر

امیر شام نے اتنی وضاحت کرنا بھی گوارا نہ کی کہ اے محمد بن مسلمہ یہ آپ کی طرف دھوکہ کی

نسبت کر رہا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہیں۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۹۵)

اقول وباللہ التوفیق! کیا آپ وہاں پر موجود تھے جس سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے وضاحت کرنا گوارا نہیں کی؟ عدم ذکر عدم کو کب سے مستلزم ہو گیا۔؟

ثانیاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اس واقعے کے ہونے میں ہی کلام ہے کیونکہ

اس واقعے کے راوی حضرت عباہ بن رفاعہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا سماع سیدنا محمد بن مسلمہ یا حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت ہی نہیں۔ تو اس منقطع روایت سے جناب کس طرح ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی تنقیص کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں؟

ثالثاً: اگر ان کا سماع ثابت بھی ہو تو صحیح یہی ہے کہ یہ واقعہ مروان بن الحجاج ہی کا ہے۔ اس پر کئی شواہد موجود ہیں۔

اس واقعے کے بعد بن یامین اپنے گھر سے باہر ہی نہیں نکلتا تھا، پہلے کسی کو بھیجتا کہ دیکھو محمد بن مسلمہ ہیں یا نہیں؟ اگر وہ اپنے کسی کام سے گئے ہوتے تھے تو اپنے کام سے نکلتا اور اپنا کام کر کے فوراً گھر آجاتا، ایک بار حضرت سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ایک جنازے میں دیکھ لیا تو شاخوں کے ساتھ اتنا مارا کہ ان شاخوں کو اس کے چہرہ اور سر پر ہی توڑ ڈالا، اور کہا اگر میں اس وقت تلوار پاتا تو تجھے تلوار سے مارتا۔

اس میں تمام ہی افراد مدینہ منورہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود مدنی ہیں۔

اس واقعے کو روایت کرنے والے راوی عبایہ بن رفاعہ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ مدنی ہیں۔

مروان اس وقت مدینے کا حاکم تھا۔

بن یامین مدینے میں مسلمان بن کر رہتا تھا، اسی لیے جنازے میں شریک تھا اور وہیں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو مارا تھا۔

یہ تمام شواہد اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ یہ واقعہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار (جو ملک شام میں تھا) میں پیش نہیں آیا تھا بلکہ مروان کے سامنے مدینے میں ہوا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ تو بے مثل تھا (جس کی کچھ مثالیں ہم ابھی فیضی کے سیٹھ صاحب کے جوابے سے ذکر کر چکے ہیں۔) وہ کہاں اس بات کو برداشت کرتے، لیکن بے فیضی زبردستی اس واقعے کو بھی کی طرف منسوب کرنا چاہتا ہے حالانکہ اکابر ائمہ اہلسنت نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے اگر بالقرض اس طرح کے واقعات ثابت بھی ہوں تو ان کی تاویل کی جائے گی، جیسا کہ اس مقام پر امام مجتہد تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی، پھر یہاں تو واقعہ کی نسبت مروان کی طرف ہونے کے واضح شواہد موجود ہیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت میں انقطاع ظاہر ہے۔

سود کی تہمت کا جواب

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

عن أبي قلابة، قال: كنت بالشام في حلقة فيها مسلم بن يسار، فجاء أبو الأشعث

قال: قالوا أبو الأشعث أبو الأشعث. فجلس. فقلت له: حدث أخانا حديث عباد بن الصامت. قال: نعم، غزونا غزاة وعلى الناس معاوية فغنمنا غنائم كثيرة، فكان فيما غنمنا آنية من فضة، فأمر معاوية رجلا أن يبيعها في أعطيات الناس فتسارع الناس في ذلك، فبلغ عباد بن الصامت، فقام فقال: إني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - ((ينهى عن بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح إلا سواء بسواء عينا بعين فمن زاد أو ازداد فقد أربى.)) فرد الناس ما أخذوا فبلغ ذلك معاوية، فقام خطيبا، فقال: ألا ما بال رجال يتحدثون عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - أحاديث قد كنا نشهده ونصحه فلم نسمعها منه، فقام عباد بن الصامت فأعاد القصة، ثم قال: لنحدثن عما سمعنا من رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - وإن كرة معاوية - أو قال وإن رغم - ما أبالي أن لأصهبه في جندة ليلة سوداء.

”ابو قلابہ کہتے ہیں: میں شام میں لوگوں کے ایک حلقے میں بیٹھا ہوا تھا، جس میں مسلم بن یسار بھی تھے، اتنے میں ابو الاشعث آگئے، راوی کہتے ہیں لوگوں نے کہا: ابو الاشعث آگئے، جب وہ بیٹھ گئے تو میں نے ان سے کہا: ہمارے بھائیوں کو حضرت عباد بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سنائیں، انہوں نے کہا: اچھا! ہم ایک جہاد میں گئے، جس میں لشکر کے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سردار تھے، ہم کو بہت سامان غنیمت حاصل ہوا جس میں چاندی کا ایک برتن بھی تھا، حضرت معاویہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کی تنخواہ میں اس کو فروخت کر دیں، لوگوں نے اس کو لینے میں جلدی کی، حضرت عباد بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے اٹھ کر کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہیں ہوئے سنا ہے، آپ نے سونے کی بیع سونے کے عوض، چاندی کی بیع چاندی کے عوض، گندم کی گندم کے عوض، جو کی جو کے عوض، کھجور کی کھجور کے عوض اور نمک کی نمک کے عوض بیع سے منع فرمایا ہے، البتہ جو برابر برابر اور نقد بہ نقد ہو، سو جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا

وہ سود ہو گیا، پس جو لوگوں نے جو کچھ لیا تھا، وہ واپس کر دیا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی احادیث بیان کرتے ہیں، حالانکہ ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ کی مجلس میں رہے۔ اور ہم نے آپ سے ایسی احادیث نہیں سنیں، حضرت عبادہ نے کھڑے ہو کر پھر قصہ دہرایا اور کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو احادیث سنی ہیں ہم ضرور بیان کریں گے، خواہ حضرت معاویہ کو ناپسند ہو، یا کہا: خواہ ان کی ناک خاک آلود ہو، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں معاویہ کے لشکر کی تاریک راتوں میں اس کے ساتھ نہ رہوں۔“

(صحیح مسلم ترجمہ از علامہ سید غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ تعالیٰ)

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

”غالباً حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ چاندی کے برتن کی بیع زیادہ چاندی کے عوض جائز ہے، اور وہ زیادتی اس برتن کی بناوٹ کے عوض ہوگی۔ علامہ ابن رشد نے لکھا ہے کہ جمہور کا اس پر اجماع ہے کہ خالص سونا، سونے کے سکے ہوں یا سونے کی مصنوعات ہوں ان میں بعض کی بعض کے ساتھ زیادتی سے بیع جائز نہیں ہے، البتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سونے کی مصنوعات کی سونے کے ساتھ بیع میں زیادتی جائز قرار دیتے ہیں، اور زیادتی کو بناوٹ کے عوض کی طرف راجع کرتے ہیں۔“ (شرح صحیح مسلم جلد ۴ ص ۴۰۲)

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ویمتثل أن معاویة لم يبلغه هذه السنة إنما يرى إنكاره لها.

”اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو، اسی وجہ سے آپ نے اس کا انکار فرمایا۔“ (اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۶۸)

امام زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح کے دوسے میں حرج نہ سمجھنے کی وجہ یا تو اس لیے تھی کہ انہوں نے ممانعت کو سانچے میں ڈھلے ہوئے سونے پر محمول کیا جس پر تعامل جاری تھا، یا وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح ربا بالفضل کو ناجائز نہیں سمجھتے

تھے۔ (زرقانی علی الموطا ج ۲ ص ۳۸۳ رقم ۱۳۶۴ باب بیع الذهب بالفضة تبرأ عینا)

امام حافظ ابوالولید الباجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث پر بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے ان کی عبارت اور ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

ما ذهب إليه معاوية من بيع سقاية الذهب بأكثر من وزنها يحتمل أن يرى في ذلك ما رآه ابن عباس من تجويز التفاضل في الذهب نقداً ويحتمل أن يكون لا يرى ذلك ولكنه جوز التفاضل بين المصوغ منه وغيره للمعنى الصياغة

”حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سونے کے برتن کو اس کے وزن سے زیادہ سونے کے بدلے بیچنے کے جواز کی طرف گئے ہیں یہ اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح جب سونا نقداً بیچا جائے تو زیادہ سونے کے بدلے بیچنے میں ناجائز نہ سمجھتے ہوں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ناجائز ہی سمجھتے ہوں لیکن جب مصووغ کو غیر مصووغ کے بدلے بیچا جائے تو اس میں تفاضل کو جائز سمجھتے ہوں کیونکہ ایک میں بنوائی کی زیادتی پائی جا رہی ہے۔“

مزید فرماتے ہیں:

وقول أبي الدرداء سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن مثل هذا أنكر عليه فعله من تجويزه التفاضل في الذهب واحتاج إلى الاحتجاج بنهي النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن مثل ذلك؛ لأن معاوية من أهل الفقه والاجتهاد فليس لأبي الدرداء صرفه عن رأيه الذي روى إلا بدليل وحجة بينة وقد روى ابن أبي مليكة قيل لابن عباس هل لك في أمير المؤمنين معاوية ما أوترأ أبو احدة قال أصاب إنه فقيه

”اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے منع کرتے ہوئے سنا ہے۔ یہ اس لیے تھا کہ وہ اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سونے کی بیع میں زیادتی کے جواز کے قول کا انکار کریں، اور اس بات کے لیے آپ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ممانعت فرمانے سے استدلال کی ضرورت ہوئی

کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ اہل فقہ واجتہاد میں سے تھے، وہ فقط حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتی رائے کی وجہ سے اپنی رائے سے رجوع کرنے والے نہیں تھے، وہ دلیل اور روشن حجت کے ذریعے ہی رجوع کرنے والے تھے، ابن ابی ملیکہ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کی گئی آپ امیر المؤمنین حضرت معاویہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں وہ ایک رکعت وتر ادا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: وہ درستی پر ہیں کیونکہ وہ فقیہ ہیں۔“

مزید فرماتے ہیں:

وقول معاوية ما أرى بمثل هذا بأسا يحتمل أن يرى القياس مقدما على أخبار الأحاد على ما روى عن مالك، وذلك لما يجوز على الراوى من السهو والغلط والصواب تقديم خبر الواحد العدل. لأن السهو والغلط يجوز فيه على الناظر المجتهد أكثر مما يجوز على الناقل المحافظ الفقيه، وقد بينت ذلك في أحكام الفصول ويحتمل أن يرى تقديم أخبار الأحاد إلا أنه حمل النهي على المضروب بالمضروب دون المصوغ بالمضروب ورأى أن الصياغة معنى زائد ويجوز أن يكون عوضا للفضل على حسب ما يقول أبو حنيفة فيمن باع مائة دينار في قرطاس بمائتي دينار أن ذلك جائز ويجعل القرطاس عوضا للمائة الأخرى.

”اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ”میں اس طرح کے سودے میں حرج نہیں سمجھتا“ میں احتمال ہے کہ آپ قیاس کو خبر واحد پر مقدم سمجھتے ہوں، جیسا کہ امام مالک سے بھی مروی ہے، اور یہ اس وجہ سے کہ راوی پر سہو اور غلطی کا طاری ہونا ممکن ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ عادل راوی کی خبر مقدم ہے اس لیے سہو اور غلطی کا امکان ناظر مجتہد پر اس ناقل سے زیادہ ہے جو حافظ فقیہ ہے۔ اس بات کو میں نے احکام الفصول میں میں بیان کیا ہے، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ وہ خبر واحد کی تقدیم ہی کے قائل ہوں، مگر اس ممانعت کو وہ اس صورت پر محمول کرتے ہوں جس میں ڈھلے ہوئے سونے کو ڈھلے ہوئے سونے کے بدلے بیچا جائے اس صورت میں ممانعت نہ سمجھتے ہوں جب سونا ڈھلا ہوا ہو اور اس کو کسی سانچے میں ڈھلے ہوئے

سونے کے بدلے بیچا جائے اور ان کی رائے یہ ہو کہ جو بناوٹ ہے وہ ایک زائد امر ہے جو دوسری طرف سے ملنے والی زیادتی کے مقابل ہو جائے گا، جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جس نے سودینار ایک کاغذ کے ساتھ دو سودینار کے بدلے بیچے تو یہ جائز ہے اور جو دوسری طرف سے سودینار زائد ہیں وہ اس کاغذ کے عوض ہو جائیں گے۔

مزید فرماتے ہیں:

وقول أبي الدرداء من يعذرني من معاوية أنا أخبره عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ويخبرني عن رأيه أنكار منه على معاوية التعلق برأى يخالف النص ولم يحمل ذلك من معاوية على التأويل وإنما حمله منه على رد الحديث بالرأى إما لأنه لم يرد بقوله عن مثل هذا إلا المصوغ بالمضروب وفيه نقل النهي فيمتنع التأويل والتخصيص وإما لأنه حمل قول معاوية ما أرى بمثل هذا بأساً على تجويز التفاضل بين الذهبين في الجملة دون تفصيل وأما التأويل فلا خلاف في جوازه وفيما قاله أبو الدرداء تصريح بأن أخبار الأحاد مقدمة على القياس والرأى وقوله لا أسأكنك بأرض أنت فيها مبالغ في الإنكار على معاوية وإظهار لهجرة والبعد عنه حين لم يأخذ بما نقل إليه من نهى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ويظهر الرجوع عما خالفه.

”اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان میرے لیے معاویہ کی طرف سے کیا عذر ہوگا کہ میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بات کی خبر دے رہا ہوں اور وہ مجھے اپنی رائے بتا رہے ہیں۔ یہ ان کا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایسی رائے سے دلیل پکڑنے کی وجہ سے انکار ہے جو نص کے خلاف ہے، اور آپ نے حضرت معاویہ کی اس بات کو تاویل پر محمول نہیں کیا، بلکہ اس کو رائے کے ذریعے حدیث کو رد کرنے پر محمول کیا، یا تو اس لیے کہ حضرت معاویہ نے اپنے قول ”اس کی مثل میں حرج نہیں سمجھتا“ سے سانچے میں ڈھلا ہوا سونا لیا تھا، اور اس بارے میں نہیں منقول ہے تو تاویل اور تخصیص ممنوع ہوگئی، یا پھر آپ نے حضرت معاویہ کے قول ”میں اس کی مثل میں حرج نہیں سمجھتا“ کو مطلقاً بغیر کسی تفصیل کے



سونے کو سونے کے بدلے زیادتی کے ساتھ بیچنے پر محمول کیا، بہر حال تاویل کے جواز میں تو کوئی اختلاف نہیں، اور جو کچھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ اس بات میں صریح ہے کہ اخبارِ آحاد قیاس اور رائے پر مقدم ہیں، اور آپ کا یہ فرمان کہ میں اس زمین میں نہیں رہوں گا جس میں آپ ہوں گے، یہ حضرت معاویہ پر انکار اور ان کو چھوڑنے اور ان سے دوری اختیار کرنے میں مبالغہ کرنا ہے، اس لیے کہ آپ نے اس کو اختیار نہ کیا جس کی ممانعت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی، اور جو مخالفت آپ نے کی اس سے رجوع بھی آپ کا ظاہر نہ ہوا۔

مزید فرماتے ہیں:

وقوله ثم قدم أبو الدرداء على عمر بن الخطاب فذكر ذلك له على معنى رفع ما ينكر إلى الإمام إذا لم يستطع على تغيير المنكر عنده فكتب عمر بن الخطاب إلى معاوية أن لا يبيع ذلك إلا وزنا بوزن على حسب ما يجب على الإمام من أمر حكامه بالحكم بالحق والتبصير لهم بصواب الأحكام (إلى أن قال) ولم ينكر عمر رضي الله عنه على معاوية ما راجع به أبو الدرداء لما احتبل من التأويل على ما قدمناه والله أعلم وأحكم.

”اور پھر حضرت ابوالدرداء، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آئے اور یہ تمام معاملہ ذکر کیا، یہ اس طور پر ہے کہ امام تک وہ خرابی پہنچائی جائے جو اس کے نزدیک برائی ہے اور اس کو بدلنے پر قدرت نہیں رکھتا، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف لکھ کر بھیجا کہ سونا برابر برابر ہی بیچا جائے، جیسا کہ امام پر واجب ہے کہ اپنے حکام کو حق بات کا حکم دے اور درست احکام کی طرف ان کی رہنمائی کرے اور حضرت عمر نے حضرت معاویہ پر اس بات کا انکار نہیں کیا جس کے ذریعے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کے ساتھ مراجعت کی تھی کیونکہ اس میں تاویل کا احتمال تھا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔“ (المستطیع ج ۴ ص ۴۶۲)

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وكان معاوية يذهب إلى أن النهي والتحریم إنما ورد من رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في الدينار المضروب والدرهم المضروب لا في التبر من الذهب والفضة بالمضروب ولا في المصوغ بالمضروب. وقيل: إن ذلك إنما كان منه في المصوغ خاصة والله أعلم " حتى وقع له مع عبادة ما يأتي ذكره في هذا الباب وقد سأل عن ذلك أباسعيد بعد حين فأخبره عن النهي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بتحریم التفاضل في الفضة بالفضة والذهب بالذهب تبرهما وعينهما وتبر كل واحد منهما بعينه.

وإنما كان سؤاله أباسعيد استنباطاً لأنه كان يعتقد أن النهي إنما ورد في العين ولم يكن والله أعلم علم بالنهي حتى أعلمه غيره وخفاء مثل هذا على مثله غير نكیر لأنه من علم الخاصة وذلك موجود لغير واحد من الصحابة.

”حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ ممانعت اور حرمت، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے محض اس صورت کے ساتھ ہے جب ڈھلے ہوئے دینار اور ڈھلے ہوئے درہم ہوں تاکہ بنا ڈھالے سونے اور چاندی کو ڈھالے ہوئے سونے چاندی کے بدلے بیچا جائے یا مخصوص سانچے میں ڈھالے ہوئے کو صرف ڈھالے گئے سونے چاندی کے بدلے بیچا جائے، اور کہا گیا ہے کہ آپ کی طرف سے اجازت اس صورت میں تھی جب کہ سونا کسی سانچے میں ڈھال لیا گیا ہو، پھر آپ کا اس حوالے سے حضرت سیدنا عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی معاملہ پیش آیا تھا جس کا ذکر اس باب میں آئے گا اور آپ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے آپ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کی خبر دی سونے کے بدلے سونے میں زیادتی چاندی کے بدلے چاندی میں زیادتی چاہے پترے کی صورت میں ہو ان دونوں کا عین ہو یا ان دونوں میں ہر ایک پترے کی صورت میں ہو حرام ہے۔ آپ کا حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کرنا اطمینان حاصل کرنے کے لیے تھا اس لیے کہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ ممانعت محض اس صورت پر وارد ہے جب کہ سونے کا عین ہو، (یعنی ڈھلا ہوا نہ ہو) واللہ اعلم آپ ممانعت کے

ہارے میں نہیں جانتے یہاں تک کہ دوسروں نے آپ کو بتایا اور اس طرح کی بات کا علم نہ ہونا کوئی عجب بات نہیں کہ یہ خاص لوگوں کا علم ہے اور اس طرح کی بات کا نہ جاننا کئی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ ہوا ہے۔ (التمہید لمالی الموطا من المعانی والأسماء ج ۱ ص ۷۳)

ان ائمہ اہل سنت کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ اگرچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول یہاں مقبول نہیں، لیکن یہ ان کا اجتہاد تھا اور اس میں یہ تنہا نہیں تھے بلکہ ابتداء حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی یہی قول کرتے تھے لیکن انہوں نے بعد میں رجوع کر لیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گورنر باقی رکھنے اور اس بیع سے منع کرنے کا واضح معنی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس قول سے رجوع کر لیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کرنا اپنے اجتہاد کی بنیاد پر تھا اور حدیث سننے کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو مصبوغ اور غیر مصبوغ کے بدلے بیچنے پر محمول کیا۔

حافظ ابو عبد الملك مروان بن علي البوني الاسدي القرطبي القطان البرقي المالكي المتوفي ۴۴۰ھ لکھتے ہیں:

وقوله ما أرى بهذا بأساً بعد أن قال له أبو الدرداء: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ينهى عن مثل هذا: إنما ظن به الوهم في التأويل وفي قول أبي الدرداء ما يدل على ذلك لأنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ينهى عن مثل هذا ولم يقل عن هذا

”حضرت امیر معاویہ حضرت نے سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ سنا: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی مثل سے منع کرتے ہوئے سنا ہے“ اس کے بعد یہ کہنا کہ میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا یہ تاویل کے وہم کی وجہ سے تھا خود حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں اس تاویل کی گنجائش موجود ہے کیونکہ انہوں نے یوں کہا تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی ”مثل“ سے منع کرتے ہوئے سنا ہے یہ نہیں کہا ”اس سے“ منع کرتے ہوئے سنا ہے۔ (تفسیر الموطا للشیخ ج ۲ ص ۷۶۳)

ان تمام ائمہ اہل سنت کی تصریحات سے واضح ہو گیا:

(۱) یا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حدیث پہنچی ہی نہیں تھی۔

(۲) یا پھر اس بات کا احتمال ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کا معنی یہ سمجھتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو سونے کو کمی زیادتی کے ساتھ بیچنے سے منع فرمایا ہے اس سے مراد وہ سونا ہے جو ابھی ڈھالا نہ گیا ہے اگر وہ ڈھال لیا گیا یا کسی دیزائن میں بنا لیا گیا تو اس سے منع نہیں فرمایا۔

(۳) اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جو بنوائی ہے وہ دوسری طرف سے ملنے والی زیادتی کے مقابل آجائے گی۔

(۴) اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح صرف ربا النسبیۃ کو حرام سمجھتے ہوں ربا الفضل کو حرام نہ سمجھتے ہوں۔

(۵) اس طرح کی بات کا مخفی رہ جانا کوئی انوکھی بات نہیں، ایسا کئی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ ہوا۔  
(۶) حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جب یہ بات پہنچی تو آپ نے حضرت امیر معاویہ کو یہ معاملہ کرنے سے منع فرمایا لیکن عہدے پر برقرار رکھا جس کا واضح مطلب ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سمجھتے تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بات تاویل کی وجہ سے کہہ رہے ہیں ورنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی آپ کو گورنری پر باقی نہ رکھتے۔

(۷) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب منع فرمادیا اور آپ کو عہدے پر بھی باقی رکھا اس سے واضح ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔

(۸) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل فقہ و اجتہاد میں سے تھے۔

یہ تو ائمہ اہلسنت کے کلام کا خلاصہ تھا، اب ذرا فیضی کے الفاظ ان حضرات کے لیے ملاحظہ فرمائیں موصوف لکھتے ہیں: ”بعض زانغین یا دافعنین نے دفاع کرتے ہوئے کئی ٹامک ٹوئیاں کھائی ہیں، کسی نے کہا: وہ اس صورت میں سود نہیں سمجھتے تھے، گویا یہ کہہ کر ایسے لوگ انہیں منصب اجتہاد پر دکھانا چاہتے ہیں، کسی نے کہا وہ حدیث کو نہیں جانتے تھے۔۔۔ الخ۔“

موصوف کچھ تو خدا کا خوف کریں! کیا امام ابو الولید الباجی، امام زرقانی، امام ابن عبد البر، امام بونی اور علامہ غلام رسول سعیدی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ سب زانغین یعنی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں؟

لگے رہیں اپنے کام پر اور امت کے جس عالم نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دفاع کیا ہو اس کو زائغ، وکیل معاویہ، وغیرہ کہتے رہیں۔

ہم بھی پھر آپ جیسوں کے لیے یہی کہیں گے، من یکن یطعن فی معاویہ فهو کلب من کلاب  
الہاویۃ

کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حدیث کا علم نہ ہونا کس بات کی دلیل ہے۔؟

ایسا کئی بار واقع ہوا کہ ایک حدیث اجلہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے علم میں نہیں تھی، جبکہ کم عمر اور بعد میں ایمان قبول کرنے والے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے علم میں تھی، یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ اکابر صحابہ کے علم میں کوئی نقص واقع ہوا یا شان میں کمی آئی، ہر بات کے جاننے کا علم کوئی نہیں کرتا تھا۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں پھر فیضی بے فیض کا کلام ذکر کریں گے۔

مثال اول: قبیصہ بن ذؤیب راویت کرتے ہیں:

”جاءت المجدة إلى أبي بكر الصديق تسأله ميراثها، فقال: مالك في كتاب الله تعالى شيء، وما علمت لك في سنة نبي الله -صلى الله تعالى عليه وآله وسلم- شيئاً فارجعي حتى أسأل الناس. فسأل الناس فقال المغيرة بن شعبه: حضرت رسول الله -صلى الله تعالى عليه وآله وسلم- أعطاهما السدس. فقال أبو بكر: هل معك غيرك؟ فقام محمد بن مسلمة فقال مثل ما قال المغيرة بن شعبه، فأنفذها لها أبو بكر

”ایک دادی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنے لیے میراث میں سے حصے کے لیے سوال کرنے کے لیے آئی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں تیرے لیے نہ کتاب اللہ میں کوئی چیز پاتا ہوں نہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں کوئی چیز پاتا ہوں، تو لوٹ جا میں لوگوں سے اس حوالے سے سوال کروں گا، پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے معلوم کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جدہ کو سدس دیا تھا۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے (جو اس بات کی گواہی دے)؟ تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کھڑے ہوئے اور انہوں نے وہی بات بیان کی جو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کی تھی، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لیے سدس کا حکم ارشاد فرمایا۔

(سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۹۰، رقم ۲۸۸۶ باب فی البدۃ)

امام ابو الولید الباجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقول أبي بكر للمغيرة لما أخبره بقضاء رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في ذلك هل معك غيرك على معنى التثبت وطلب تقوية غلبة الظن لا على معنى رد حديثه، لأن المغيرة من فضلاء الصحابة وفقهاءهم فلا يرد حديث مثله، ولو لم يوجد معه غيره لأمضاه أبو بكر، ولكنه طلب رواية غيره في ذلك ليعلم الاتفاق عليها، لأن ذلك أبعد من السهو والغلط، وربما وجد ما يعدل به عن ظاهرة بالتأويل.

”جب حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کے بارے میں حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا تو اس پر آپ کا حضرت سیدنا مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ کہنا: کیا تمہارے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہے؟ یہ اس وجہ سے تھا تا کہ تثبت حاصل ہو اور غلبہ ظن کو تقویت ملے، اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ ان کی حدیث کو رد کر رہے تھے، کیونکہ حضرت مغیرہ تو فاضل و فقہاء صحابہ میں سے تھے، ان کی مثل کی حدیث رد نہیں کی جاتی، اگر ان کے علاوہ کوئی اور نہ ملتا تو بھی سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فیصلہ جاری کر دیتے، آپ نے کسی اور کی روایت کو اس لیے طلب کیا تا کہ اس پر اتفاق کا علم حاصل ہو کیونکہ یہ بات سہو اور غلطی سے دور کرنے والی ہے، اور بعض اوقات وہ بات بھی کی جاتی ہے جس کے سبب تاویل کرتے ہوئے ظاہر سے عدول کیا جاتا ہے۔“ (السننی ج ۶ ص ۲۳۸)

مثال ثانی: عبید اللہ بن عمیر رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

أن أبا موسى الأشعري استأذن علي عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه، فلم يؤذن له، وكأنه كان مشغولا. فرجع أبو موسى. ففرغ عمر، فقال: ألم أسمع صوت عبد الله بن قيس، ائذنوا له. قيل: قد رجع فدعاه. فقال: كنا نؤمر بذلك. فقال: تأتيني على

ذلك بالبينة، فانطلق إلى مجلس الأنصار، فسألهم، فقالوا: لا يشهد على هذا إلا أصغرنا أبو سعيد الخدري، فذهب بأبي سعيد الخدري، فقال عمر: أخفى هذا على من أمر رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم؛ ألهاني الصفق بالأسواق، يعني الخروج إلى تجارة

”حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے داخل ہونے کی اجازت چاہی تو ان کو اجازت نہیں دی گئی کیونکہ آپ مشغول تھے، حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوٹ گئے، جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارغ ہوئے تو فرمایا: میں نے عبد اللہ بن قیس (ابو موسی اشعری) کی آواز نہیں سنی تھی، انہیں بلاؤ، بتایا گیا وہ تو چلے گئے ہیں، آپ نے ان کو بلوایا، حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ہمیں اسی بات کا حکم دیا گیا ہے (جب کسی کے یہاں داخلے کی اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جاؤ) اس پر حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس حدیث پر گواہ لے کر آؤ، حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کی مجلس میں آئے اور ان سے حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا: اس پر تو ہمارے سب سے کم عمر یعنی حضرت ابو سعید الخدري گواہی دیں گے، آپ، حضرت ابو سعید خدري رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لے کر گئے (انہوں نے گواہی دی) تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معاملہ پوشیدہ رہ گیا؟ مجھے بازار میں کام کاج نے مشغول رکھا۔ یعنی تجارت کی مصروفیت نے۔“ (صحیح البخاری ج ۳ ص ۵۵ رقم ۲۰۶۲)

علامہ مفتی شریف الحق امجدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کتاب الاعتصام اور مسلم میں یہ بھی ہے، ورنہ تمہارے ساتھ یہ کرونگا تمہیں سزا دوں گا، اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود یہ نہیں تھا کہ خبر واحد مقبول نہیں، بلکہ چونکہ خود حضرت عمر بارگاہ رسالت کے حاضر باش تھے اور اسے نہ سنا تھا تو حیرت ہوئی اور مزید توثیق کے لیے یہ فرمایا موطا میں ہے: لا اتمک میں تمہیں جھوٹا نہیں جانتا، اس سے یہ ضرور ثابت ہوا کہ خبر واحد مفید ظن ہے مفید یقین نہیں، مگر اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجلہ صحابہ کرام اور خصوصی معتمدین میں سے تھے خود حضرت

عمر نے انہیں عامل بنایا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا، پھر حضرت عمر نے ان کی بات پر اعتماد کیوں نہیں کیا۔ بلکہ اس کی تائید نہ لانے کی صورت میں مزاحی بھی دھمکی دی۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت حضرت عمر کی خدمت میں کچھ نو مسلم دوسرے بلاد کے رہے ہوں انہیں متنبہ کرنا مقصود رہا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت اتنی آسان نہیں، کہ جو چاہے کہہ دے اور مان لی جائے، تاکہ ان میں جو دل کے بیمار ہوں انہیں جرأت نہ ہو۔ کتاب الاستئذان میں ہے کہ یہ کہنے والے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، انہوں نے جو فرمایا کہ اس کی گواہی ہم میں جو سب سے چھوٹا ہے وہ دے گا یہ اظہار حیرت کے لیے کہ یہ حدیث بہت مشہور و معروف ہے، تقریباً ہر شخص کو معلوم ہے یہاں تک کہ ہمارے چھوٹے بچوں کو بھی اور حضرت عمر سے نہیں جانتے حالانکہ حضرت عمر کے علم کا عالم یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر عمر کا علم ایک پڑے میں ہو اور پوری زمین کے زندہ افراد کا علم دوسرے پڑے میں تو حضرت عمر کا علم بڑھ جائے گا۔

(نزهة القاری ج ۳ ص ۲۳۸)

فتح الباری میں ہے:

وفیه أن الصحابی الكبير القدر الشديد اللزوم لرسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قد يخفى عليه بعض أمره ويسمعه من هو دونه

”اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ جلیل القدر صحابی جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ صحبت ملی، ان پر بھی نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعض معاملات مخفی رہ جاتے ہیں اور جو ان سے مرتبے میں کم ہوتے ہیں وہ اس کو سن چکے ہوتے ہیں۔“ (فتح الباری ج ۴ ص ۳۴۵ باب الخروج فی التجارة)

مثال ثالث: امام ترمذی وغیرہ محدثین روایت کرتے ہیں:

عن ابن مسعود. أنه سئل عن رجل تزوج امرأة ولم يفرض لها صداقاً ولم يدخل بها حتى مات. فقال ابن مسعود: لها مثل صداق نساءها. لا وكس. ولا شطط. وعليها العدة. ولها الميراث. فقام معقل بن سنان الأشجعي. فقال: قضی رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في بروع بنت واشق امرأة منا مثل الذي قضيت.



ففرح بها ابن مسعود.

”حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے کسی عورت سے نکاح کیا، نہ اس کا مہر مقرر کیا اور نہ ہی اس سے صحبت کی یہاں تک کے انتقال کر گیا، تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس عورت کے لیے اس کے خاندان کی عورتوں کی مثل مہر ہوگا نہ کم نہ زیادہ، اور اس پر عدت بھی ہوگی اور اس کے لیے میراث بھی ہوگی، حضرت معقل بن سنان الاشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بروع بنت واشق جو ہمارے قبیلے کی خاتون ہیں ان کے بارے میں اسی کی مثل فیصلہ فرمایا تھا، اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت خوش ہوئے۔“

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقال بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم منهم: علي بن أبي طالب، وزيد بن ثابت، وابن عباس، وابن عمر، إذا تزوج الرجل المرأة، ولم يدخل بها ولم يفرض لها صداقا حتى مات، قالوا: لها الميراث، ولا صداق لها، وعليها العدة، وهو قول الشافعي، قال: لو ثبت حديث بروع بنت واشق لكانت الحجة فيما روى عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وروى عن الشافعي، أنه رجع بمصر بعد عن هذا القول، وقال بحديث بروع بنت واشق.

”نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے بعض اہل علم جن میں حضرت سیدنا علی بن ابی طالب، حضرت سیدنا زید بن ثابت، حضرت سیدنا ابن عباس اور حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں ان کا فرمانا ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس سے صحبت نہ کی ہو اور اس عورت کے لیے کوئی مہر مقرر نہ کیا گیا ہو یہاں تک وہ شخص مر گیا تو اس عورت کو میراث میں سے حصہ ملے گا لیکن اس کے لیے مہر نہیں ہے، اور اس پر عدت ہوگی، یہی امام شافعی کا قول ہے، آپ فرماتے ہیں: اگر بروع بنت واشق کی حدیث ثابت ہو تو یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہونے کے سبب حجت ہوگی، اور

امام شافعی کے بارے میں مروی ہے کہ جب آپ مصر پہنچے تو اپنے اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور حضرت بروع بنت واشق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کے مطابق قول کیا۔

(جامع الترمذی ج ۳ ص ۲۹۳-۲۹۴ رقم ۱۱۴۵ باب ما جاء في الرجل يتزوج المرأة لموت... إلخ)

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ لعات<sup>للتقیح</sup> اس میں لکھتے ہیں:

ومذهب علي وجماعة من الصحابة - رضي الله تعالى عنهم - في هذه المسألة أنه لا مهر لها لعدم الدخول، وللشافعي فيه قولان، أحدهما كقول علي - رضي الله تعالى عنه -، والآخر كقول ابن مسعود - رضي الله تعالى عنه -، ومذهبنا مذهب ابن مسعود.

”حضرت علی اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت کا اس مسئلے میں یہ مذہب ہے کہ ایسی عورت کے لیے مہر نہیں، کیونکہ اس سے دخول نہیں ہوا، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس بارے میں دو قول ہیں، ایک قول حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی طرح اور دوسرا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی طرح، اور ہمارا مذہب وہی ہے جو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے۔“

مثال رابع: امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

اختلف أبو هريرة وابن عباس في المتوفي عنها زوجها إذا وضعت حملها قال أبو هريرة: تزوج. وقال ابن عباس: أبعد الأجلين. فبعثوا إلى أم سلمة فقالت: توفي زوج سبعة فولدت بعد وفاة زوجها بخمسة عشر نصف شهر. قالت: فخطبها رجلان، فخطت بنفسها إلى أحدهما. فلما خشوا أن تفتت بنفسها، قالوا: إنك لا تحلين. قالت: فأنطلقت إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، فقال: قد حللت فأنكحي من شئت.

”حضرت سیدنا ابو ہریرہ اور حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس عورت کی عدت کے بارے میں اختلاف ہوا جس کے خاوند کا انتقال ہو گیا ہو (وہ حاملہ ہو) اور اس کو وضع حمل ہو جائے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے: اب وہ نکاح کر سکتی ہے، اور حضرت ابن

عہدِ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے: وہ دونوں عدتوں میں سے زیادہ طویل عدت گزارے گی، لوگوں نے (کسی کو) حضرت سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیجا تو انہوں نے فرمایا: سبیحہ کے شوہر انتقال کر گئے، اس کے انتقال کے پندرہ دن بعد ہی ان کے یہاں ولادت ہوئی، پھر دو افراد نے ان کا پیغامِ نکاح دیا، وہ ان دونوں میں سے ایک سے نکاح کرنے کی طرف مائل ہوئی، جب خاندان والوں نے اس بات کا خوف کیا کہ یہ تنہا اپنی رائے سے ایسا کر لیں گی تو انہوں نے کہا: تم ابھی حلال نہیں ہوئی (یعنی عدت میں ہو اس میں نکاح کرنا جائز نہیں) وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو حلال ہو چکی، جس سے چاہے نکاح کر۔

(سنن النسائي ج ۲ ص ۵۰۲ رقم ۳۵۰۹)

یہ حدیث مبارک حضرت سیدنا مسور بن مخرمہ، حضرت سیدنا حارث بن عمیلہ ابوالسائبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علم میں تھی۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۵۰۱-۵۰۲ رقم ۳۵۰۷-۳۵۰۸)

ان تمام روایات سے واضح ہوا کہ بسا اوقات کوئی حدیث اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان پر مخفی رہ جاتی ہے، اور ان سے کم درجے والے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کا علم رکھتے تھے۔

ایسی بکثرت مثالیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”المدخل إلى السنن“ میں ایک باب مکمل اس حوالے سے لکھا ہے: ”باب الدلیل علی أنه قد کان یعزب علی المتقدم الصحبة الواسع العلم الشیء بعلمه غیرہ“ اس بات پر دلیل کا باب کہ کبھی قدیم صحابہ جو وسیع علم والے ہوتے ہیں ان پر بھی کوئی بات مخفی رہ جاتی ہے جو ان کے علاوہ دوسرے جانتے ہیں۔ پھر اس میں کثیر احادیث ذکر کی ہیں جو اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان پر مخفی رہ گئیں۔ (المدخل إلى السنن ج ۱ ص ۱۷۹-۱۹۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إن الوقائع الخاصة قد تخفى على الأكابر ويعلمها من دونهم

”بیشک مخصوص باتیں کبھی اکابر پر مخفی رہ جاتی ہیں اور جو ان سے درجے میں کم ہوتے ہیں وہ

جانتے ہیں۔“ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۵۱)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک حدیث مبارک جس کا حضرت عمرو بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم نہیں تھا اس پر لکھتے ہیں:

قال ابن عبد البر: هذا مع منزلته من العلم والفضل دليل على أن الجاهل ببعض المعلومات لا يدخل نقیصة على العالم إن كان عالماً بالسنن، إذ الإحاطة بجميع المعلومات لا سبيل إليها

”ابن عبد البر فرماتے ہیں: ان کا اپنی جلالت علمی اور فضیلت کے بعد اس بات کو نہ جانتا اس بات کی دلیل ہے کہ بعض باتوں کا نہ جانتا عالم میں کسی طرح کا نقص داخل نہیں کرتا، جب کہ وہ سنن کا عالم ہو، اس لیے تمام معلومات کا احاطہ کرنے کی کوئی سبیل نہیں۔“

(تنویر الحواکک ج ۱ ص ۱۲۹ رقم ۸۹ باب الوضوء من مس الفرج)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

أن العالم الكبير قد يخفى عليه بعض ما يدركه من هو دونه لأن العلم مواهب والله يؤتي فضله من يشاء

”بیشک کبھی عالم کبیر پر بھی بعض وہ باتیں مخفی رہتی ہیں جو ان سے کم رتبے والے حاصل کرتے ہیں، اس لیے کہ علم اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا فضل جس کو چاہے دیتا ہے۔“

(فتح الباری ج ۱ ص ۱۷۹ رقم ۶۱)

حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

غير نكير أن يخفى على صاحب والصاحبين والثلاثة السنة المأثورة عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ألا ترى أن عمر في سعة عليه وكثرة لزومه لرسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قد خفي عليه من توريث المرأة من دية زوجها وحديث دية الجنين فغيرهما أخرى أن تخفى عليه السنة في خواص الأحكام

”اور یہ کوئی غیر معروف بات نہیں کہ کسی ایک یا دو یا تین پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مأثورہ مخفی رہ جائے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آپ کے کثرت علم اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ رہنے کے باوجود مخفی رہ

کیا کہ عورت اپنے شوہر کی دیت سے وارث بنائی جائے گی، اور پیٹ کے بچے کی دیت کی حدیث بھی مخفی رہ گئی تو ان کے علاوہ پر اور سنتیں جو خاص احکام میں سے ہیں بدرجہ اولیٰ مخفی رہ سکتی ہیں۔“ (التمہید ج ۱ ص ۱۶۰)

اس تمام تر تحقیق سے واضح ہو گیا کہ اگر کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی حدیث مخفی رہ جائے تو اس کا معنی یہ نہیں کہ ان کے علم میں کسی طرح کا نقص ہو، بسا اوقات خلفائے راشدین سمیت اجلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بعض احادیث مخفی رہ گئیں، اور ان سے کم مرتبہ حضرات اس حدیث کو جانتے تھے، کیا یہ ان اجلہ صحابہ کرام علیہم الرضوان پر طعن کا سبب بن جائے گا؟ ہرگز نہیں! اس لیے کہ تمام باتوں کا احاطہ کرنے کا دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا۔

اجلہ ائمہ کے اقوال آپ سماعت فرما چکے اب متعصب ظہور فیضی کا تعصب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملاحظہ فرمائیں، موصوف نے اولاً سود والی حدیث ذکر کرنے کے بعد ہیڈنگ لگائی: ”جہالت حاکم“ حاکم سے مراد اس کی سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، پھر کچھ باتیں لکھنے کے بعد (جن کا جواب ہماری بیان کردہ تفصیلات میں گزر چکا ہے) لکھتے ہیں: ”اس سے معلوم ہوا کہ اس باطل خرید و فروخت کے وقت لوگوں نے ہادیا مہدیا و اہدبہ کی ہدایت پر نہیں بلکہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیش کردہ حدیث پر عمل کیا اس سے واضح ہوا کہ معاویہ کی رعایا کے کچھ لوگ ان سے زیادہ ہدایت پر تھے اور سیدنا عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رعایا میں سے ایک تھے“ پھر اس کے بعد ہیڈنگ لگاتے ہیں: ”کیا وہ جلیل القدر علماء میں سے تھے؟“ اور لکھتے ہیں: صحیح مسلم کی اس حدیث سے ”اللھم علمہ الكتاب“ اے اللہ معاویہ کو قرآن سکھا دے کا بطلان بھی واضح ہو گیا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وہ جلیل القدر علماء میں سے نہیں تھے بلکہ دوسرے حضرات ان سے بڑے عالم تھے۔“

مولوی صاحب! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فقیہ مجتہد ہونا خود حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ہے، اجلہ ائمہ نے آپ کے اہل فقہ و مجتہد ہونے کو بیان کیا ہے، جس کی کئی نصوص گزر چکی۔

ثانیاً: فیضی کے اس قاعدے کے مطابق ”اگر کسی کو کسی حدیث کا علم نہ ہو تو جلیل القدر عالم نہیں رہتا بلکہ دوسرے اس سے بڑھ کر عالم ہو جاتے ہیں“ نتیجہ یہ نکلے گا: سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا

عثمان غنی، سیدنا علی المرتضیٰ سمیت اجلہ صحابہ کرام علیہم الرضوان جلیل القدر عالم نہیں رہیں گے، اور حضرت مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، حضرت ابوہریرہ اشعری، حضرت سیدنا ابوسعید خدری اور انصار کے اکثر افراد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، حضرت بروع بنت واسق رضی اللہ تعالیٰ عنہا، مولائے کائنات اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے، حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت ابوالسناہل حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت ابوالسناہل حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، بڑے عالم قرار پائیں گے۔ کیونکہ ان اکابر کو متعلقہ امور کی احادیث معلوم نہیں تھیں، جبکہ ان سے درجے میں کم صحابہ کو معلوم تھیں۔ نہ جانے فیضی صاحب بغض معاویہ میں کس کس کو جاہل بناتے جائیں گے اور کس کس کو جلیل القدر علما کے درجے سے نکالتے جائیں گے؟

بہتر یہی ہے کہ جس کے کلام سے اجلہ صحابہ بلکہ کسی بھی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تنقیص لازم آئے ہو

اسی کو جاہل کہہ دیں۔

مثلاً: انہیں کے قاعدے ”اگر کسی ایک صحابی کی بات پر عمل کیا جائے اور دوسرے کی بات پر عمل نہ کیا جائے تو دوسرے لوگ اور روایت کرنے والا اس دوسرے صحابی سے زیادہ ہدایت پر ہوتے ہیں“ کے مطابق نتیجہ یہ نکلے گا، کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت اجلہ صحابہ سے بڑھ کر وہ لوگ ہوں گے جن کے علم میں حدیث تھی اور ان کی بات دوسروں نے مانی مثلاً سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا مذہب غیر مدخولہ جس کا مہر مقرر نہیں ہوا تھا اور اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا اس کو مہر نہیں ملے گا، جبکہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف یہ ہے کہ اسے مہر ملے گا۔ یہی فیصلہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اسی کو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوے پر عمل کرتے ہوئے عوام نے قبول کیا، اور احناف نے بھی اسے قبول کیا امام شافعی کا قول جدید بھی یہی ہے، فیضی کے قاعدے کے مطابق نتیجہ نکلا عبد اللہ بن مسعود بلکہ بروع بنت واسق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہدایت میں بڑھ گئے، یونہی احناف نے مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت کو نہیں بلکہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت کو لیا۔

فیضی صاحب جو سادات کا مال کھانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کرتے ہیں یہ

نتیجہ قبول کریں گے؟ اگر نہیں تو کیوں؟

## ہادیل الاحادی

صحابہ کرام علیہم الرضوان نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جب کوئی بات سنتے تو دل و جان سے اس پر عمل کیا کرتے تھے، حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی جو احادیث نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھیں نہ صرف اس پر خود عمل کرتے بلکہ دوسروں کو اس ترغیب برسر منبر بھی دیا کرتے بلکہ خلوت میں بھی رہنمائی کرتے تھے۔ اس کی کئی مثالیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔

البتہ جب کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کسی دوسرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے حدیث پہنچتی تو وہ عموماً اسے قبول ہی کیا کرتے تھے لیکن بسا اوقات اس پر گواہ طلب کرتے جیسے اوپر سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل گزرا، اور بعض اوقات دوسری دلیل کی وجہ سے ان پر اس بات کا ظن غالب ہوتا ہے کہ بیان کرنے والے نے بات کا محمل صحیح طرح سے سمجھا نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الانصاف فی أسباب الاختلاف“ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مابین مختلف مسائل شرعیہ میں واقع ہونے والے اختلافات کی وجوہ ذکر کی ہیں، دوسری وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: صحابہ میں سے دو کے مابین کسی مسئلے میں مناظرہ ہو، پھر کسی ایک کی طرف سے حدیث آئے جس کی وجہ سے ظن غالب ہو جاتا ہے تو وہ مجتہد صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے موقف سے رجوع کر لیتے ہیں۔ اس کی مثال دیتے ہیں:

مثالہ مارواہ الأئمة من أن أباهريرة رضي الله تعالى عنه كان من مذهبه من مذهبه أنه من أصبح جنباً فلا صوم له حتى أخبرته بعض أزواج النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بخلاف مذهبه فرجع

”اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے ائمہ نے راویت کیا: حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اولاد مذہب یہ تھا کہ جو حالت جنابت میں صبح کرے گا وہ روزہ نہیں رکھ سکتا، پھر آپ کو بعض ازواج مطہرات نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کی خبر دی تو انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا ہے۔“

تیسری وجہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کرتے ہیں ان کو اس طرح وہ حدیث نہ پہنچی جس سے ظن غالب حاصل ہوتا تو وہ اپنے اجتہاد کو نہیں چھوڑتے بلکہ اس حدیث کا حدیث ہونا تسلیم

نہیں کرتے۔ اس کی مثال دیتے ہیں:

مثالہ ما رواہ أصحاب الأصول من أن فاطمة بنت قيس شهدت عند عمر بن الخطاب بأنها كانت مطلقة الثلاث فلم يجعل لها رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم نفقة ولا سكنى فرد عمر شهادتها وقال لا نترك كتاب الله بقول امرأة لا ندري أصدقت أم كذبت لها النفقة والسكنى

”فاطمہ بنت قیس نے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے حدیث بیان کی کہ ان کو تین طلاق ہو چکی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہ ان کے لیے نفقہ مقرر کیا اور نہ سکنی، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی اس گواہی کو رد کر دیا اور فرمایا: ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے، ہم نے جانتے کہ اس نے سچ کہا ہے یا خطا کی ہے، ایسی عورت کے لیے نفقہ بھی ہے اور سکنی بھی۔“

دوسری مثال دیتے ہیں: صحیحین کی حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ جنبی جو پانی نہ پائے اس کو تیمم کفایت نہیں کرے گا، آپ کے پاس حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ ہم دونوں ایک سفر میں تھے اس دوران وہ جنبی ہو گئے تھے، تو انہوں نے مٹی میں لوٹ لگائی تھی، پھر اس کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ذکر کیا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: تمہیں یہ بات کافی تھی کہ تم اس طرح کرتے، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے اور اس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کو قبول نہیں کیا، اور ان کی بات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس رائے کے برابر نہ ہو سکی جو آپ نے قائم کی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ یہ حدیث دوسرے طبقہ میں طرق کثیرہ سے اتنی مشہور ہوئی کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں طعن کا عیب تھا وہ کمزور تر ہو گیا اور بعد والوں نے اس حدیث کو اختیار کیا۔

(الانصاف فی بیان أسباب الاختلاف ص ۲۵-۲۶)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرات عالیہ صحابہ کرام سے لے کر پچھلے ائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تک کوئی مجتہد ایسا نہیں جس نے بعض احادیث صحیحہ کو مؤول یا مرجوح یا



کسی نہ کسی وجہ سے متروک العمل نہ ٹھہرایا ہو۔

امیر المؤمنین عمر فارق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربارہ تیمم جب پر عمل نہ کیا۔ اور فرمایا۔ اتق اللہ یا عمار کافی صحیح مسلم۔ (اے عمار! اللہ سے ڈر، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے) یونہی حدیث فاطمہ بن قیس دربارہ عدم النفقة والسكنی للمبتوتہ پر اور فرمایا: لا تترك كتاب ربنا ولا سنة نبينا بقول امرأة لاندري لعلها حفظت ام نسيت رواة مسلم ايضاً ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک ایسی عورت کے قول سے نہیں چھوڑیں گے جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ اس نے یاد رکھا، یا بھول گئی، اس کو بھی مسلم نے روایت کیا۔

یوں ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث مذکور تیمم پر، اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اولم تر عمر لم يقنع بقول عمار کافی الصحیحین کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر قناعت نہیں کی، جیسا کہ صحیحین میں ہے۔

یونہی حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حدیث مذکور فاطمہ پر، اور فرمایا: ما لفاطمة الا تتقي الله، رواة البخاری۔ فاطمہ کو کیا ہے، کیا وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتی۔ اس کو بخاری نے روایت کیا یونہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: الوضوء مما مست النار۔ اس چیز کی وجہ سے وضو لازم ہے کہ جس کو آگ نے چھوا پر، اور فرمایا: أنتوضأ من الدهن أنتوضأ من الحميم رواة الترمذی۔ کیا ہم تیل کی وجہ سے وضو کریں گے، کیا ہم گرم پانی کی وجہ سے وضو کریں گے۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

یونہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: إنه لا نستلم هذين الركنتين ہم ان دو رکنوں کو بوسہ نہیں دیتے۔ پر اور فرمایا: ليس شيء من البيت مهجور كما في البخاری بیت اللہ شریف میں سے کچھ بھی چھوڑنے کے لائق نہیں۔ جیسا کہ بخاری میں ہے۔

یوں ہی جمہیر ائمہ صحابہ و تابعین ومن بعد ہم نے حدیث الوضوء من لحوم الإبل۔ (اونٹوں کا گوشت کھانے کی وجہ سے وضو ہے۔) پر: وهو صحيح معروف من حديث البراء وجابر بن سمره وغيرهما رضي الله تعالى عنهم۔ اور یہ حدیث حضرت براء اور جابر بن سمرہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہم سے صحیح و معروف مروی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۲۶-۲۸)

ان تمام تر تصریحات سے واضح ہو گیا کہ بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان تک جب کوئی حدیث کسی واسطے سے پہنچتی تو بسا اوقات کسی دوسری دلیل کی وجہ سے اس کو مؤول ٹھہراتے تھے۔ اس کا معنی یہ نہیں ہوتا تھا کہ نعوذ باللہ وہ حدیث کا انکار کر رہے ہیں۔

لیکن چونکہ معاملہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا اس لیے فیضی صاحب نے صفحات کا لے کر دیئے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث پر ذاتی رائے کو ترجیح دی ہے۔ فیضی صاحب میں اگر جرأت ہے تو ان تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان پر فتویٰ لگائیں کہ ان سب نے اپنی ذاتی رائے کو حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ترجیح دی ہے۔

### حدیث کا انکار یا راوی پر وہم کا شبہ

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت سیدنا محمود بن ربیع الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع عام میں جس میں حضرت سیدنا ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے ایک طویل حدیث بیان کی جس کے آخر میں یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ يَعْنِي جَسَ نَ اللَّهِ تَعَالَى كِي رَضَا كَ لِي لَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَمَا، اللَّهُ تَعَالَى اس پر جہنم حرام فرمادیتا ہے۔“ حضرت سیدنا ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: واللہ ما أظن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال ما قلت قط الله كى قسم مى مىر انہى خىال كى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم نے كہى یہ بات ارشاد فرمائی ہو۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے تحت لکھتے ہیں:

(فإن قلت) ما سبب الإنكار من أبي أيوب عليه (قلت) إما أنه يستلزم أن لا يدخل عصاة الأمة النار وقال تعالى ومن يعص الله ورسوله فإن له نار جهنم وإما أنه حكم باطن الأمر وقال نحن نحكم بالظاهر وإما أنه كان بين أظهرهم ومن أكابرهم ولو وقع مثل هذه القصة لاشتهر ولنقلت إليه وإما غير ذلك والله أعلم

”اگر تم کہو کہ حضرت ابویوب کی طرف سے انکار کا سبب کیا تھا؟ میں جوابا کہتا ہوں: اس لیے

کہ اس حدیث سے یہ لازم آرہا تھا کہ امت گنہگار جہنم میں داخل نہ ہوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتا ہے: جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، یا انکار کی وجہ یہ تھی کہ اس حدیث میں امر باطن پر حکم لگایا گیا ہے اور ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں، یا انکار کی وجہ یہ تھی کہ آپ بھی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مابین تھے اور ان کے اکابر میں سے تھے اگر ایسا معاملہ ہوا ہوتا تو مشہور ہوتا اور آپ تک بھی پہنچتا، یا اس کے علاوہ کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ (عمدة القاری ج ۷ ص ۲۴۹)

امام قسطلانی اور قاضی ابویحییٰ زکریا الانصاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ آیت میں مراد فقط داخلہ ہے اور حدیث میں ممانعت خلود یعنی ہمیشگی کی ہے۔ امام احمد، امام ابوداؤد امام بیہقی اور دیگر محدثین روایت کرتے ہیں:

عبد اللہ بن الصناہجی قال زعم أبو محمد أن الوتر واجب، فقال عبادة بن الصامت: كذب أبو محمد، أشهد أني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول: خمس صلوات افترضهن الله تعالى، من أحسن وضوءهن وصلاحهن لوقتهن وأتم ركوعهن وخشوعهن كان له على الله عهد أن يغفر له، ومن لم يفعل فليس له على الله عهد إن شاء غفر له وإن شاء عذبه

”عبد اللہ بن صناہجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ابو محمد (مسعود الانصاری البدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں: وتر واجب ہے، اس پر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ابو محمد نے غلطی کی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: پانچ نمازیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے فرض فرمایا ہے، جو ان کے لیے کامل وضو کرے اور وقت پر ان کو پڑھے اور اس میں رکوع اور خشوع کو مکمل کرے، تو اس اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اس کی مغفرت فرمادے، اور جو اس طرح نہ کرے، اس کا اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی عہد نہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو بخش دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔ (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۵۲ رقم ۴۲۸ باب الحافظۃ علی الصلوات، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۳ رقم

الحدیث ۲۲۲۶)

ان احادیث سے واضح ہے کہ بعض اوقات صحابہ نے کسی دوسرے صحابی سے حدیث سنی اور انکار کیا تو

مقصود بیان کرنے والے کو غلطی پر قرار دینا ہوتا تھا، نعوذ باللہ حدیث کو جھٹلانا بلکہ بیان کرنے والے کی جرح تکذیب مقصود نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کو غلط فہمی میں سمجھتے تھے اور وجہ یہ ہوتی تھی کہ دیگر احادیث سے ان کے نزدیک حکم کچھ اور ثابت تھا جبکہ یہ حدیث ان کے مطابق اس کے معارض ہوتی تھی۔

لیکن چونکہ معاملہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا اس لیے فیضی صاحب لکھتے ہیں ”اگرچہ ان کے حلم کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے مگر یہاں ان کا حلم جواب دے گیا اور انہوں نے باہاتل السابقون الاولون میں سے ایک نقیب انصاری صحابی کی تکذیب کر ڈالی اور حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بھی پرواہ نہ کی۔ ایک حدیث میں تو یہاں آیا ہے کہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث پیش کی تو معاویہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات عبادہ کو نہیں کہی۔۔۔ الخ۔“

اب کیا فیضی صاحب اپنے اس اصول کے مطابق یہی فتویٰ حضرت سیدنا ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ خود حضرت سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی لگائیں گے کہ انہوں نے بھی انصاری صحابی کی تکذیب کر ڈالی اور حدیث کی پرواہ نہیں کی؟ اگر نہیں تو کیوں؟

احناف اور دیگر ائمہ کی اصول فقہ کی کئی کتب میں خبر واحد قیاس میں کون مقدم ہے اس پر بحث کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی گئی ہے:

وبیان هذا في حديث معقل بن سنان أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم  
قضى لبروع بنت واشق الاشجعية بمهر مثلها حين مات عنها زوجها ولم يسم لها  
صداقاً فإن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قبل روايته وسر به لما وافق قضاءه  
قضاء رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، وعلى رضي الله تعالى عنه رده  
فقال: ماذا نضع بقول أعرابي هو ال على عقبه حسبها الميراث لا مهر لها.

”(قیاس کو خبر پر مقدم کرنے والوں کی دلیل کا) بیان معقل بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بروع بنت واشق اشجعیہ کے لیے مہر مثل کا فیصلہ فرمایا جب ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کا مہر بھی مقرر نہیں کیا گیا تھا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث قبول کی تھی اور اپنے فیصلے کے

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کے موافق ہونے کی وجہ سے بہت مسرور ہوئے تھے، اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو قبول نہیں کیا تھا، اور فرمایا: ہم اس اعرابی کے قول کا کیا کریں جو اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرنے والا ہے، اس عورت کو صرف میراث ملے گی، اس کے لیے کوئی مہر نہیں ہے۔ (اصول السنہ ج ۱ ص ۲۳۲)

فیضی صاحب اگر حلوے مانڈے اور بادام پستے بند ہونے کا خوف نہ ہو تو ذرا لگائیے فتویٰ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرم اللہ تعالیٰ وجہہ فداہ روحی پر کہ ان تمام ناقلین کے مطابق آپ نے ذاتی رائے کی وجہ سے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی تکذیب کر ڈالی اور حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بھی پرواہ نہ کی۔

صحیح فرمایا بزرگوں نے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لیے پردے کی حیثیت رکھتے ہیں جو ان پر طعن کرتا ہے وہ دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان پر طعن کرنے پر بھی جری ہو جاتا ہے۔

موصوف کا معیار ایک ہی ہے اس لیے بلا تحقیق آنکھیں بند کر کے لکھتے ہیں: ایک اور مقام پر ہے کہ معاویہ نے سیدنا عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا: اس حدیث کو بیان سے خاموشی اختیار کر، اس پر سیدنا عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں! ہم بیان کریں گے اگرچہ معاویہ کی رسوائی ہو۔

(تاریخ دمشق ج ۲۶ ص ۱۹۹)

حالانکہ اس کی سند میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے:

عن رجل من أهل البصرة عن الحسن قال كان عباد بن الصامت

فیضی صاحب ذرا رجل بصری کے باہرے میں اپنے شیخ سے گزارش کریں کہ عالم رویا میں بطریق تمام اس کی تعیین کروادیں، نیز ذرا کتب رجال اٹھا کر دیکھیں کیا حضرت سیدنا حسن بصری کا حضرت سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سماع ثابت ہے؟

یہ ہے ان کا معیار تحقیق اور اس طرح کی مغالطہ آرائیوں اور دھوکہ دہی کے ذریعے یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث حسن ((اللهم اجعلہ ما دیا مہدیا)) کو رد کرنا چاہتے ہیں۔

### حدیث کا انکار کرنے کا الزام اور اس کا جواب:

تاجدارِ گولڑہ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تصنیف ”تصفیہ مابین سنی و شیعہ“ میں لکھتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت صحیح بخاری میں ہے آپ (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے، ہم سے فرمایا: کیا تم نماز (تہجد) نہیں پڑھتے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! ہماری روحمیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب ہمیں اٹھانا چاہتا ہے ہم اٹھ جاتے ہیں، جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واپس ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ جواب نہ دیا، اور پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے سنا جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واپس ہو رہے تھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر فرما رہے تھے وکان الانسان اکثر شیء جدلاً اور انسان سب چیزوں سے بڑھ کر جھگڑنے والا ہے۔

اس حدیث شریف میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مناسب جواب نہ دینا ظاہر ہے۔ (کچھ باتیں مزید ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:) اس طرح کے واقعات میں صحابہ کرام علیہم الرضوان سے جو لغزشیں ہوئی ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بخش دی ہیں۔

(تصفیہ مابین سنی و شیعہ صفحہ ۲۳)

صحیح مسلم کی حدیث میں سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے: الکاذب الآثم الغادر الخائن۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۷۷ رقم ۱۷۵۷)

جبکہ بخاری شریف میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مولائے کائنات مولیٰ مشکل کشارضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ظالم کے لفظ استعمال کیے، نیز اسی میں ہے استبا یعنی دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۷۳۰۵)

اب فیضی کے اصول کے مطابق تو اس میں تاویل ہو نہیں سکتی، لہذا اس روایت کو اسی طرح رکھا جائے

گا اور ان کے نزدیک چونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مشاجرات کو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، تو عوام کے سامنے اس کو بیان بھی کیا جائے گا۔ لیکن ہمارے ائمہ اہلسنت کا موقف یہ نہیں بلکہ کیا ہے ملاحظہ فرمائیں کس قدر پیاری گفتگو فرمائی گئی ہے

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقال القاضي عياض: قال المازري: هذا اللفظ الذي وقع لا يليق ظاهرة بالعباس، وحاش لعل أن يكون فيه بعض هذه الأوصاف فضلا عن كلها، ولسنا نقطع بالعصبة إلا للنبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وللمن شهد له بها، لكننا مأمورون بحسن الظن بالصحابة رضي الله تعالى عنهم أجمعين، ونفي كل رذيلة عنهم، وإذا انسدت طرق تأويلها نسبنا الكذب إلى رواتها، قال: وقد حمل هذا المعنى بعض الناس على أن أزال هذا اللفظ من نسخته تورعا عن إثبات مثل هذا، ولعله حمل الوهم على رواته، قال المازري: وإذا كان هذا اللفظ لا بد من إثباته ولم نصف الوهم إلى رواته فأجود ما حمل عليه أنه صدر من العباس على جهة الإدلال على ابن أخيه لأنه بمنزلة ابنه، وقال ما لا يعتقده وما يعلم براءة ذمة ابن أخيه منه، ولعله قصد بذلك ردعه عما يعتقد أنه مخفي فيه، وأن هذه الأوصاف يتصف بها لو كان يفعل ما يفعله عن قصد، وأن عليا كان لا يراها إلا موجبة لذلك في اعتقاده، وهذا كما يقول المالكي: شارب النبيذ ناقص الدين، والحنفي يعتقد أنه ليس بناقص، فكل واحد محق في اعتقاده، ولا بد من هذا التأويل لأن هذه القضية جرت في مجلس فيه عمر رضي الله تعالى عنه وهو الخليفة وعثمان وسعد وزبير وعبد الرحمن رضي الله تعالى عنهم ولم ينكر أحد منهم هذا الكلام مع تشددهم في إنكار المنكر، وما ذلك إلا لأنهم فهموا بقريظة الحال أنه تكلم بما لا يعتقد ظاهرة

مبالغة في الزجر

”قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں امام مازری نے فرمایا: یہ الفاظ جو واقع ہوئے ہیں اپنے ظاہر

کے اعتبار سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لائق نہیں تھے کہ آپ یہ استعمال فرماتے ہیں، اور بعید تر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ان میں سے کوئی ایک وصف ہو چہ جائیکہ یہ تمام کے تمام اوصاف ہوں، ہم عصمت کا قطعی عقیدہ صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اور جن کے لیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے گواہی دی (مثلاً دیگر انبیائے کرام اور فرشتے) کے لیے رکھتے ہیں، لیکن ہمیں تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے حسن ظن کا حکم دیا گیا، اور ان سے ہر برائی کی نفی کرنے کا حکم دیا گیا، اور جب اس حوالے سے باب تاویل نہ رہے، تو ہم راویوں کی طرف کذب کی نسبت کریں گے، امام مازری کہتے ہیں: بعض لوگوں کو اسی بات نے اس پر ابھارا کہ اس طرح کے الفاظ کے اثبات سے بچتے ہوئے انہوں نے اپنے نسخے سے ان الفاظ کو مٹا دیا، شاید انہوں نے ان الفاظ کو راویوں کے وہم پر محمول کیا ہے، امام مازری کہتے ہیں: جب یہ لفظ ثابت ہی ہیں اور ہم وہم کی نسبت رواۃ کی طرف بھی نہیں کر سکتے، تو اس کا سب سے بہتر محمل یہ ہے کہ شاید یہ الفاظ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنے بھتیجے کے لیے بطور شفقت صادر ہوئے کیونکہ مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے بیٹے کے بمنزلہ تھے، تو آپ نے وہ بات کہی جس کا آپ اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور وہ بات کہی جس سے اپنے بھتیجے کے بری ہونے کو جانتے تھے۔ اور شاید اس کے ذریعے آپ اس بات کا کو دور کرنا چاہتے تھے جو آپ کے بارے میں خیال کرتے تھے کہ آپ خطا پر ہیں، اور جو کچھ مولائے کائنات کر رہے ہیں اگر وہ قصداً ایسا کریں تو وہ ان اوصاف کے ساتھ متصف قرار پائیں گے، جبکہ مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان امور کو ان القابات کا موجب نہیں سمجھتے تھے، اور یہ ایسے ہی ہے جیسے مالکی اس بات کا اعتقاد رکھے کہ نبیذ کا پینا دین کو ناقص کرنے والا ہے، جبکہ حنفی اس کے ناقص ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا، تو ان میں سے ہر ایک اپنے اعتقاد میں حق پر ہے، اور یہ تاویل ضروری ہے کیونکہ یہ قضیہ اس مجلس میں ہوا جس میں خلیفۃ المؤمنین حضرت عمر، نیز حضرت عثمان، حضرت سعد، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے، اور ان میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا حالانکہ یہ حضرات بری بات کا شدت سے انکار کرنے والے تھے،



بات یہی ہے کہ قرینہ حال سے یہی سمجھا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ کلام کیا ہے جس کے ظاہر کا آپ اعتقاد نہیں رکھتے تھے، اور زجر میں مبالغہ کرنے کے لیے فرمایا تھا۔

(شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۲، ص ۳۱۷ کتاب الجہاد والسیر باب علم اللہ)

امام تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ينبغي لك أيها المسترشد أن تسلك سبيل الأدب مع الأئمة الماضين، وأن لا تنظر إلى كلام بعضهم في بعض إلا إذا أتى ببرهان واضح، ثم إن قدرت على التأويل وتحسين الظن فدونك وإلا فاضرب صفحا عما جرى بينهم فإنك لم تخلق لهذا. فاشتغل بما يعينك ودع مالا يعينك، ولا يزال طالب العلم عندي نبیلا حتى يخوض فيما جرى بين السلف الماضين ويقضي لبعضهم على بعض، فإياك ثم إياك أن تصغي إلى ما اتفق بين أبي حنيفة وسفيان الثوري أو بين مالك وابن أبي ذئب أو بين أحمد بن صالح والنسائي أو بين أحمد بن حنبل والمحدث المعاصي وهلم جرا إلى زمان الشيخ عز الدين بن عبد السلام والشيخ تقي الدين بن الصلاح، فإنك إن اشتغلت بذلك خشيت عليك الهلاك، فالقوم أئمة أعلام ولأقوالهم محامل ربما لم نفهم بعضها فليس لنا إلا الترضي عنهم والسكوت عما جرى بينهم كما يفعل فيما جرى بين الصحابة رضي الله عنهم

”اے ہدایت کے طالب تجھے یہی لائق ہے کہ تو گزرے ہوئے ائمہ کے ساتھ ادب کی راہ پر چلے، اور ان کے ایک دوسرے کے کلام میں نظر نہ کرے، مگر یہ کہ ان میں سے کوئی واضح دلیل لے کر آئے، پھر بھی اگر تو اس پر قادر ہے کہ اس کی تاویل کر سکے یا حسن ظن اختیار کر سکے تو تو تجھ پر یہی لازم ہے، اور اگر اس پر قادر نہیں تو جو ان کے درمیان ہوا اس سے صرف نظر کر، کیونکہ تو اس کام کے لیے نہیں پیدا کیا گیا، بامقصد کاموں میں مشغول ہو، لا یعنی کام چھوڑ دے، میرے نزدیک طالب علم دانا ہی رہتا ہے یہاں تک کہ وہ گزرے ہوئے بزرگوں کے معاملات میں خوض کرنے لگتا ہے، اور ان کے درمیان فیصلہ کرنے لگتا ہے، تو تو بیچ لازمی بیچ کہ اس معاملے کی طرف مائل ہو جو امام ابو حنیفہ اور سفيان ثوري کے درمیان ہوا، یا امام مالک اور

ابن ابی ذئب کے مابین ہوا یا احمد بن صالح اور نسائی کے مابین ہوا یا امام احمد بن حنبل اور حضرت حارث محاسبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مابین ہوا یہاں تک جو شیخ عز الدین بن عبد السلام اور شیخ تقی الدین ابن الصلاح کے مابین معاملہ ہوا (ان میں نہ پڑو) کیونکہ اگر تو ان معاملات میں مشغول ہو جائے گا تو میں تجھ پر ہلاکت کا خوف رکھتا ہوں، کیونکہ یہ بڑے بڑے ائمہ ہیں، ان کے اقوال کے محال ہیں، ہم ان میں سے کچھ کو بعض اوقات سمجھ نہیں سکتے، تو ہم پر ان سے راضی رہنا لازم ہے، اور جو ان کے آپس کے معاملات ہیں اس میں خاموش رہنا ہی ضروری ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مابین ہونے والے معاملات میں کیا جاتا ہے۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۷۸)

حاصل یہ کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لغزش ہوئی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے معاف فرمادیں۔

بقول سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ”اس حدیث شریف میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مناسب جواب نہ دینا ظاہر ہے“ لیکن بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے یہ لغزش معاف فرمادی۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو الفاظ استعمال فرمائے وہ ظاہراً بہت سخت تھے، لیکن اصول اہل سنت کے مطابق اولاً تو اس طرح کی بات جو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں مردی ہو اس کو راوی کے وہم پر محمول کیا جائے گا، اور یہ ممکن نہ ہو تو اس کی بہترین تاویل کی جائے گی، اگر تاویل ممکن نہ ہو تو ایسی روایت کو رد کر دیا جائے گا، صحابہ کرام علیہم الرضوان کا معاملہ تو بلند و بالا ہے، اکابر ائمہ کے مابین جو ناپسندیدہ باتیں واقع ہوئیں اول تو ان میں پڑا ہی نہ جائے گا، اگر کوئی بات دلیل سے ثابت ہے تو بھی حسن ظن پر قادر اس میں حسن ظن کا پہلو نکالے گا، ورنہ اس کی طرف نظر ہی نہیں کرے گا وجہ یہ ہے کہ یہ بڑے بڑے ائمہ ہیں ان کے اقوال کے محال ہوتے ہیں جن کو بسا اوقات ہم سمجھ نہیں سکتے۔

یہ تو ائمہ اہلسنت کے حسین اصول و ضوابط ہیں، لیکن فیضی صاحب کا اصول ہے کہ دن رات کی تنگ و دو سے ان صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ایسے واقعات کو تلاش کیے جائیں بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور پھر ان پر طعن کیا جائے۔

موصوف لکھتے ہیں ”تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ جو حدیث بعض طلقاء کے مفاد کے منافی ہوتی تو وہ اس حدیث سے منہ پھیر لیتے تھے اور اگر کوئی شخص وہ حدیث بیان کرنے لگ جاتا تو وہ غضبناک ہو جاتے تھے۔ چنانچہ جنگ صفین میں جب انہی کے ساتھی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغاوت کی وہ حدیث پیش کی جو خود ان کے گروہ پر صادق آرہی تھی تو معاویہ غضب ناک ہو کر کہنے لگے ألا تنہی عننا مہنونک اھذا یا عمرو؟“ اے عمرو! تم اپنے اس پاگل سے ہماری جان کیوں نہیں چھڑاتے؟۔۔ الخ۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۳۱۲)

فیضی سے تو انصاف کی کوئی امید نہیں، ذرا قارئین بتائیں کیا اگر اس قاعدے کو بعینہ تسلیم کر لیا جائے تو کیا یہی بات مولائے کائنات مولا مشکل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کے لیے بھی اختیار کی جاسکتی ہے؟ مثال اوپر تاجدارِ گولڑہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے بھی گزری اور اس سے قبل بھی روایت گزر چکی ہے۔ مولوی فیضی کے حلوے مانڈے بند ہو جائیں گے اگر وہ یہ بات کہہ دے۔

ثانیاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ کلام اس وقت کا ہے جب ان کے سامنے حضرت سیدنا عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی حدیث پیش کی گئی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہم نے شہید کیا وہ یہ کہتے تھے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان (حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے گروہ نے شہید کیا کیونکہ یہی لوگ حضرت سیدنا عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدان جنگ میں لے کر آئے اور اسی وجہ سے یہ شہید ہوئے، اس کا جواب لا جواب مولائے کائنات مولا مشکل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا لیکن یہ واضح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ اس حدیث کی تاویل کرتے تھے اس لیے خود کو اور اپنے ساتھیوں کو اس کا مصداق نہیں سمجھتے تھے اس لیے آپ نے یہ سخت لفظ استعمال کیے۔ اوپر جو اصول بیان ہوا اور جو الفاظ حضرت عباس نے مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے استعمال کیے اس کے تحت آپ ائمہ اہل سنت کے فرمودات ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ جب دوسروں کے لیے یہ تاویل کی جائے گی تو سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بھی یہ تاویل کی جائے گی۔

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں ”ایک اور مقام پر ہے جب حضرت عبداللہ بن عمرو نے اپنے والد کو حدیث نبوی یا دلائی اور حضرت عمرو بن العاص نے معاویہ کو کہا سنو یہ عبداللہ کیا کہہ رہا ہے؟ تو معاویہ نے

کہا: لا یزال یأتینا بہنۃ بعد ہنۃ أنحن قتلناہ“ وہ ایک کے بعد دوسری شرارت و فساد کی بات ایسا رہتا ہے، کیا ہم نے اس کو قتل کیا ہے؟ (الاحادیث الموضوعات ص ۳۱۳)

اولاً تو یہ روایت ہی ضعیف ہے۔

اس کی علت اولیٰ: اس میں امام اعظم ہیں جو مدلس ہیں اور عن کے ساتھ روایت کر رہے ہیں۔ دوسری علت: عبدالرحمن بن زیاد ہیں جو مختلف فیہ راوی ہیں، اگرچہ بعض ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے لیکن امام بخاری نے ان کے بارے میں لکھا ہے: فیہ نظر۔ اور فیضی صاحب کی اپنی تحقیق جو اسی کتاب میں مذکور ہے کے مطابق امام بخاری جب کسی راوی کے بارے میں فیہ نظر کہیں تو اس کی حدیث موضوع ہوتی ہے۔

ثانیاً: اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ ایک لفظ کے کئی معانی ہوتے ہیں اور سیاق و سباق اور مقتضائے کلام کے مطابق معنی کا تعین کیا جاتا ہے۔ جنگ صفین کے موقع پر جب حضرت سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد حضرت سیدنا عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ حدیث میں ہے کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا، یہ حدیث حضرت سیدنا عمرو نے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کی تو چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ موقف رکھتے تھے کہ حضرت سیدنا عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہادت کا سبب حضرت سیدنا مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گروہ بنا ہے جو ان کو میدان جنگ میں لایا جیسا کہ اوپر گزرا اس بنیاد پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا: ولا تزال تأتینا بہنۃ بعد ہنۃ تم ایک کے بعد ایک نادانی کی بات کہتے رہتے ہو، حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: وقد ذکر الحمیدی أن معنایہ البلاء فهو نسبة إلى البلاء وقلة المعرفة قال معاویۃ لعبد اللہ بن عمرو ولا تزال تأتینا بہنۃ حمیدی نے ذکر کیا ہے کہ ہنۃ کا معنی نادان اور کمزور رائے والا ہونا ہے بلقاء، نادانی اور قلت معرفت کی طرف منسوب ہے، حضرت معاویہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کہا: تم ہمارے پاس نادانی کی بات کرتے ہی رہتے ہو۔ (غریب الحدیث ج ۲ ص ۵۰۳)

لیکن موصوف کا بس نہیں چلتا کہ دنیا کی ہر خرابی اور برائی، نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کے حق میں ثابت کر سکیں۔ مکمل روایت سے بات واضح ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث کے حوالے سے گفتگو نہیں کر رہے بلکہ یہ بات سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں، لیکن برا ہو تعصب کا کہ فیضی نے پہلے توہمت کا معنی شر و فساد لسان العرب سے ذکر کیا حالانکہ اس کا معنی نادانی اور کمزور رائے بھی ہے، پھر اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ذاتی مفاد کے لیے حدیث کو رد کرنے کا الزام لگا دیا، اس طرح کی پوچھ حرکتوں سے موصوف، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث حسن اللہم اجعلہ ہادیامہدیا کو رد کرنا چاہتے ہیں۔

### ب سے پہلے سنت کو بدلنے والا

احادیث طیبہ کی روشنی میں اور ائمہ اہلسنت کی تصریحات کے مطابق سنت کو بدلنے کی ابتداء کرنے والا یزید ہے، البتہ ظہور فیضی کے لیے بغض معاویہ میں یہ بات ظاہر ہوئی کہ سنت میں تبدیلی کی ابتداء سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی، اس کے لیے موصوف نے حدیث میں جانتے بوجھتے خیانت سے کام لیا، تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

ابوالعالیہ سے مروی ہے، کہتے ہیں:

لما كان يزيد بن أبي سفيان أميرا بالشام غزا المسلمون فسلموا وغنموا، وكان في غنيمتهم جارية نفيسة، فصارت لرجل من المسلمين، فأرسل إليه يزيد فالتزعا منها، وأبو ذر يومئذ بالشام، فاستعان الرجل بأبي ذر على يزيد، فانطلق معه، فقال ليزيد: رد عليه جاريته، فتلكا - ثلاث مرار - قال أبو ذر: أما والله لئن فعلت، لقد سمعت رسول الله - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - يقول: ((إن أول من يبدل سنتي لرجل من بني أمية)) ثم ولي عنه فلاحقه يزيد، فقال: أذكرك بالله، أنا هو، قال: اللهم لا. ورد على الرجل جاريته

”جب یزید بن ابی سفیان شام کے امیر تھے، مسلمانوں نے ایک غزوہ کیا جس میں ان کو مال غنیمت حاصل ہوا، اس مال غنیمت میں ایک خوبصورت باندی تھی جو مسلمانوں میں سے کسی شخص کے حصے میں آئی، یزید بن ابی سفیان نے اس کو اپنے پاس بلوا کر وہ باندی اس سے لے لی، ان دنوں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام میں تھے، راوی کہتے ہیں، اس شخص نے

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مدد چاہی، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شخص کے ساتھ گئے اور یزید بن ابی سفیان سے کہا: اس کی باندی اس کو لوٹا دو، انہوں نے تین بار اس پر عذر پیش کیا، اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر ایسے ہے تو اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ((سب سے پہلا شخص جو میری سنت کو تبدیل کرے گا وہ بنو امیہ کا ایک شخص ہوگا)) راوی کہتے ہیں: یہ کہہ کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے لوٹے تو یزید بن ابی سفیان آپ کے پیچھے آئے اور کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا وہ میں ہوں؟ ارشاد فرمایا: واللہ نہیں، پھر انہوں نے اس باندی کو اس شخص کو لوٹا دیا۔ (اتحاف الخیرۃ لمہرۃ ج ۸ ص ۸۵ رقم ۷۵۳۰) (تاریخ دمشق ج ۶ ص ۲۵۰)

یہ الفاظ اتحاف الخیرۃ لمہرۃ میں امام ابو صیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن ابی شیبہ اور ابو یعلیٰ کے حوالے ذکر کیے ہیں۔ تاریخ دمشق میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ اور اس سے قبل اسی مقام پر ابو العالیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہی سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں الفاظ ہیں: یقال لہ یزید سنت میں تبدیلی لانے والے اس شخص کو یزید کہا جائے گا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ دین میں اولاً تبدیلی لانے والا یزید تھا۔

یہ حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ اسی طرح حضرت مکحول شامی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: لا یزال أمر امتی قائماً بالقسط حتی

یکون أول من یثلمہ رجل من بنی أمیہ، یقال لہ: یزید

”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا معاملہ ہمیشہ انصاف کے ساتھ قائم رہے گا یہاں تک کہ پہلا شخص جو اس میں رخنہ ڈالے گا وہ بنو امیہ کا ایک شخص ہوگا جس کو یزید کہا جائے گا۔“

امام بو صیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

رواہ أحمد بن منیع، والحارث بن أبی أسامة، وأبو یعلیٰ بسند منقطع.

”اس حدیث کو احمد بن منیع، حارث بن اسامہ اور ابو یعلیٰ نے سند منقطع کے ساتھ روایت کیا ہے۔“ (اتحاف الخیرۃ المہرۃ ج ۸ ص ۸۵ رقم ۷۵۳۳)

### فیضی کی حدیث میں تحریف

موصوف فیضی نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث تاریخ دمشق ج ۶ ص ۲۵۰، اور اتحاف الخیرۃ المہرۃ ج ۶ ص ۴۰۸ کے حوالے سے نقل کی۔ پھر ابو العالیہ کا حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع ثابت کیا اور لکھا: ”اس سے معلوم ہوا کہ واقعی ”یقال لہ: یزید“ کے الفاظ بعد کی ایجاد ہیں۔ اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث میں کسی اموی شخص کو نامزد کیا ہوتا تو سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس حد تک صاف اور واضح بات کرنے کے عادی تھے کہ تور یہ، تعریض اور کنایہ وغیرہ کے روادار بھی نہیں تھے، وہ ضرور یزید بن ابی سفیان کو فرمادیتے کہ ہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی یزید کا نام تو لیا تھا لیکن معلوم نہیں کہ وہ تم ہو یا کوئی اور۔ خیال رہے کہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ۳۱ یا ۳۲ھ میں ہوا تھا اور وقت یزید بن معاویہ کی عمر چھ سات سال کی تھی اور وہ اس وقت کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں جب اسے اقتدار ملا اور اس کے پر پرزے نکلے یعنی اس کی اصلیت ظاہر ہوئی تو یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بعض لوگوں نے ”یقال لہ: یزید“ کے الفاظ کا اضافہ کر دیا ورنہ اصلاً یہ الفاظ سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت نہیں ہیں۔“

(الاحادیث الموضوعات ص ۲۷۶)

ہم نے کہا تھا کہ موصوف بغض معاویہ میں کچھ بھی کر سکتے ہیں، جن دو کتابوں کا موصوف نے حوالہ دیا ان میں تاریخ دمشق میں اسی مقام پر اس سے پہلے والی روایت میں سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں الفاظ ہیں ”یقال لہ: یزید“ یہی واقعہ ہے، جس میں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صراحت کی ہے۔ لیکن چونکہ معاملہ یزید کو بچانے کا تھا تا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے طعن کا نشانہ بنا سکیں۔ اس لیے موصوف کہتے ہیں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ الفاظ ثابت ہی نہیں۔

پھر اتحاف الخیرۃ میں امام بوصیری نے بھی اس سے قبل حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی ہے جس میں اس کی تصریح موجود ہے۔ لیکن موصوف اس کو بھی نظر انداز کر گئے۔

## ائمہ اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریحات

علامہ عبدالرؤف المناوی اور علامہ عزیزی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(أول من يبدل سنتي) أي طريقي وسيرتي القويمة الاعتقادية والعملية (رجل من بني أمية) بضم الهمزة زاد الروياني وابن عساكر في روايتهما (يقال له يزيد) قال البيهقي هو يزيد بن معاوية (ع عن أبي ذر) الغفاري  
 ”(میری سنت کو سب سے پہلے بدلنے والا) یعنی سنت سے مراد میرا سیدھا راستہ اور درست سیرت اعتقادی اور عملی کو بدلنے والا (بنو امیہ کا ایک شخص ہوگا) امام رویانی اور حافظ ابن عساکر نے یہ الفاظ زائد ذکر کیے ہیں: اس کو یزید کہا جائے گا، امام بیہقی فرماتے ہیں اس سے مراد یزید بن معاویہ ہے۔“

(السراج المبرور شرح الجامع الصغير ج ۲ ص ۹۰) (التيسير شرح الجامع الصغير ج ۱ ص ۳۹۹)

## جمع طرق کا فائدہ

علمائے اصول بیان کرتے ہیں ایک حدیث کے ذریعے دوسری حدیث کی تفسیر ہوتی ہے شرح زرقانی علی الموطا میں ہے: إن الأحاديث يفسر بعضها بعضا یعنی احادیث ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔  
 (شرح الزرقانی ج ۱ ص ۲۸۱ تحت رقم ۱۹۲)

حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والروايات يفسر بعضها بعضا والحديث إذا جمعت طرقه تبين المراد منه  
 ”روایات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں اور حدیث کے جب طرق جمع کیے جاتے ہیں تو اس حدیث کی مراد واضح ہو جاتی ہے۔“ (طرح القريب ج ۴ ص ۱۰۶)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

وقد علم أن الأحاديث يفسر بعضها بعضا ولا سيما إذا كانت في قضية واحدة  
 ”اور یہ بات معلوم ہے کہ احادیث ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں خاص طور پر جب ایک ہی بات سے متعلق ہوں۔“ (عمدة القاري تحت رقم الحديث ۸۴۲۱)

اس قاعدے کے مطابق علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ شرح ملاحظہ فرمائیں، فیض القدير میں ارشاد



فرماتے ہیں:

قال البيهقي في كلامه على الحديث: هو يزيد بن معاوية لخبر أبي يعلى والبيهقي وأبي نعيم وابن منيع: لا يزال أمر امتي قائماً بالقسط حتى يكون أول من يثلمه رجل من بني أمية يقال له يزيد

”امام بیہقی نے اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا: وہ یزید بن معاویہ ہے (علامہ مناوی فرماتے ہیں) ابو یعلیٰ، بیہقی، ابو نعیم اور ابن منیع کی حدیث کی سبب کہ میری امت کا معاملہ انصاف کے ساتھ قائم رہے گا حتیٰ کہ پہلا شخص جو اس میں رخنہ ڈالے گا وہ بنو امیہ کا ایک شخص ہوگا جسے یزید کہا جائے گا۔“ (فیض القدیر ج ۳ ص ۱۱۳ رقم ۲۸۴۱)

اسی طرح حافظ ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا: وفي بعض الأخبار مفسر ازاد. يقال له: يزيد بعض احاديث میں مفسراً آیا ہے اس میں یہ زیادتی موجود ہے اس کو یزید کہا جائے گا۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۵ ص ۱۲ رقم ۷۰۲۳ ترجمہ رفیع بن مہران بصری)

### فیضی صاحب کا نیا قاعدہ

امیر صنعانی جیسا متعصب شخص مان گیا کہ جب نص میں یزید کی تصریح آگئی تو اب قیاس کی کیا گنجائش، لیکن قربان جائیں فیضی صاحب کی کدوکاش پر موصوف لکھتے ہیں: اس حدیث کی تشریح کے آخر میں علامہ صنعانی نے یہ بھی لکھا ہے: ”وورد النص بانہ ابنہ لا مجال للنظر“ نص کی موجودگی اس سے ان کا بیٹا مراد ہے (التنوير شرح الجامع الصغير ج ۲ ص ۳۴۴) لیکن بادی النظر میں ”یقال له يزيد“ کا تفسیری جملہ مدرج معلوم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو کچھ محدثین نے نقل ہی نہیں کیا۔ چنانچہ امام ابن عدی جیسے ماہر محدث کے کلام سے بھی یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں اور نہ ہی سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہیں، بلکہ یہ کسی اور شخص نے اپنی طرف سے وضاحتاً شامل کر دیے ہیں وہ لکھتے ہیں: وفي بعض الأخبار مفسر ازاد. يقال له: يزيد بعض روايات میں وضاحتی اضافہ ہے کہ اس کو یزید کہا جائے گا۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۷۴)

کون سی نظر ہے جس کے ذریعے اس کے مدرج ہونے کا تاثر ملتا ہے۔ سیدھا معنی ہے کہ بعض احادیث میں رجل من بني أمية کی صراحت آئی ہے اور اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ اس کو یزید کہا جائے

گا۔ جب سند کے ساتھ ثابت ہے کہ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود یہ الفاظ روایت کیے اور یونہی سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بھی اس کی صراحت موجود ہے تو پھر اور ان کہاں سے ثابت ہو گیا۔ حافظ ابن عدی نے مذکورہ قاعدے کے پیش نظر ہی فرمایا کہ بعض روایات میں رجل من بنی امیہ کی تفسیر یزید کے نام کے ساتھ موجود ہے۔

اس کے بعد موصوف نے ابن عساکر کی وہی حدیث ذکر کی جس سے پہلے والی روایت جو اسی صفحہ پر موجود ہے اور اس میں یقال لہ یزید کے الفاظ موجود ہیں۔ لیکن موصوف نے اس جملے سے بالکل کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیں۔

### ساری محنت کس کے لیے

موصوف کی یہ ساری خیانتیں بنام تحقیق اس لیے ہیں تاکہ یزید کو بچایا جاسکے اور حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ الزام عائد کیا جاسکے کہ آپ نے سنت میں تبدیلی کی۔ یہاں تین باتیں موصوف نے ذکر کیں کہ عیدین سے پہلے اذان کا شروع کروانا، تکبیرات کا کم کر دینا، اور عید کے خطبے کو نماز سے مقدم کروانا۔ اس پر موصوف نے جتنی عبارات نقل کی ہیں اس میں سے چند جملے اٹھا لیے، مکمل عبارات نقل نہیں کیں تاکہ عوام آگاہ نہ ہو جائیں۔

### عیدین میں اذان کی ابتداء کس نے کی

اقول وبالله التوفیق! اولاً: تو اسی میں شدید اختلاف ہے کہ عیدین میں اذان کی ابتدا کرنے والا کون تھا۔ کسی سند صحیح سے یہ بات ثابت نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی ابتداء فرمائی ہو۔ بعض نے ذکر کیا ہے تو اس کی سند منقطع ہے، ابن ابی شیبہ کی سند میں بھی انقطاع ہے۔ کما سیاقی اس کی ابتداء کرنے والوں میں مروان، زیاد، حجاج کا نام بھی ذکر کیا گیا ہے، اور بعض نے سیدنا امیر معاویہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نام ذکر کیا ہے۔

امام زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

واختلف في أول من أحدث الأذان فيها. فروى ابن أبي شيبة بسند صحيح. عن سعيد بن المسيب أنه معاوية. وللشافعي عن الثقة. عن الزهري مثله. وزاد: فأحدثه الحجاج حين أمر على المدينة. ولا بن المنذر عن حصين بن عبد الرحمن: أول من

أحدثه زياد بالبصرة. وقال الداودي: مروان. وكل هذا لا يداني أنه معاوية. وقال ابن حبيب: أول من أحدثه هشام. وروى ابن المنذر. عن أبي قلابه: أول من أحدثه عبد الله بن الزبير. وفي البخاري: أن ابن عباس أخبره أنه لم يكن يؤذن لها. بالبناء للمجهول. لكن في ابن أبي شيبة أن ابن عباس قال لابن الزبير: لا تؤذن لها ولا تقم. فلما ساء ما بينهما أذن وأقام، أي: ابن الزبير

”اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ عیدین میں اذان کس نے سب سے پہلے شروع کروائی۔ ابن ابی شیبہ صحیح کے ساتھ سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور امام شافعی ثقہ راوی سے امام زہری سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں، اور اس یہ زائد کرتے ہیں کہ حجاج نے اس وقت اس کو ایجاد کیا جب وہ مدینہ پر گورنر بنایا گیا۔ ابن منذر حصین بن عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں، بصرہ میں زیاد نے سب سے پہلے اسے ایجاد کیا۔ داودی کا کہنا ہے مروان نے یہ بدعت نکالی۔ یہ تمام اس کے منافی نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ایجاد کیا۔ ابن حبیب کہتے ہیں: سب سے پہلے ہشام نے ایجاد کیا ابن منذر حضرت ابو قلابہ سے روایت کرتے ہیں سب سے پہلے یہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے شروع کی اور بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کو خبر دی کہ عید کی نماز کے لیے اذان نہیں دی جاتی، لیکن مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا نہ اس کے لیے اذان کہو نہ اقامت کہو، پھر جب انہوں ان دونوں کے درمیان ناچاتی ہوئی تو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لیے اذان و اقامت کہی“۔ (شرح الزرقانی علی المواہب

ج ۱ ص ۵۳۲، تحت رقم الحدیث ۴۲۷، باب العمل فی غسل العیدین والنداء فیہ ما والا قامة)

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۰۴ رقم ۵۷۱۲ کی جس سند سے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف احداث اذان کی نسبت کی گئی ہے اس کے راوی قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جو ثقہ ثبت راوی ہیں لیکن مشہور مدلس ہیں اور یہاں یہ عن سے روایت کر رہے ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۴۳ رقم ۹۲)

لہذا موصوف فیضی کا الزام ہی سرے سے باطل ہو گیا۔

## تکبیرات میں کمی کس نے کی؟

تکبیر میں کمی کی نسبت حضرت سیدنا عثمان غنی حضرت سیدنا امیر معاویہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اور بعض دیگر اسلاف کی طرف کی گئی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

عن مطرف، قال: قلنا یعنی لعمران بن حصین یا أبا نجد هو بالنون والحجيم مصغر من أول من ترك التكبير؛ قال: عثمان بن عفان حين كبر وضعف صوته، وهذا يحتمل إرادة ترك الجهر، وروى الطبرانی عن أبي هريرة: أن أول من ترك التكبير معاوية، وروى أبو عبيد أن أول من تركه زياد، وهذا لا ينافي الذي قبله، لأن زيادا تركه بترك معاوية، وكان معاوية تركه بترك عثمان، وقد حمل ذلك جماعة من أهل العلم على الإخفاء، ويرشحه حديث أبي سعيد الآتي في باب يكبر وهو ينهض من السجدة، لكن حكى الطحاوي أن قوما كانوا يتركون التكبير في الخفض دون الرفع، قال: وكذلك كانت بنو أمية تفعل، وروى ابن المنذر نحوه عن ابن عمر، وعن بعض السلف: أنه كان لا يكبر سوى تكبيرة الإحرام.

”مطرف کہتے ہیں ہم نے عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا: سب سے پہلے تکبیر کس نے کم کی؟ فرمایا: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، جب آپ کی عمر بڑی ہوگئی اور آواز کمزور ہوگئی، اور اس میں احتمال ہے جہر کو ترک کرنا مراد ہو، امام طبرانی، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں سب سے پہلے تکبیر کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ترک کیا، اور ابو عبید نے روایت کیا: سب سے پہلے تکبیر کو ترک کرنے والا زیاد ہے، اور یہ اس سے پہلے والے کے منافی نہیں، اس لیے کہ زیاد نے حضرت امیر معاویہ کے ترک کرنے کی وجہ سے ترک کیا اور حضرت معاویہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وجہ سے ترک کیا، اور اہل علم کی ایک جماعت نے اس فعل کو اخفا پر محمول کیا ہے، امام طحاوی نے حکایت کیا ہے کہ ایک قوم رکوع سجدے میں جاتے ہوئے تو تکبیر کو ترک کرتی تھی اٹھتے وقت نہیں چھوڑتی تھی، فرماتے ہیں: اسی طرح بنو امیہ کیا کرتے تھے، اور ابن منذر نے اسی کی مثل ابن عمر سے نقل کیا ہے، اور بعض اسلاف سے نقل کیا وہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ تکبیر نہیں کہا کرتے

تھے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۱۳ رقم ۷۸۴)

### فیضی کی جہالت

موصوف فیضی کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں: ”پھر وہ سنت میں کمی بیشی اور تبدیلی کے بھی مرتکب ہوئے۔ مثلاً امام سیوطی لکھتے ہیں: پہلا شخص جس نے عید میں اذان کی بدعت نکالی معاویہ ہے، اس کو امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے، اور فرمایا ہے: اول شخص جس نے عید کی تکبیریں کم کی تھیں وہ بھی معاویہ ہے۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۳۳۶)

اقول وباللہ التوفیق! میں نے بعض مقامات پر فیضی صاحب کی جگہ صرف فیضی لکھا میرے ذہن میں یہ خیال بار بار آتا رہا ہے کہ ان کے محبین اس پر بہت سیخ پا ہوں گے کہ یہ کس طرح نام لیا ہے۔ ذرا غور فرمائیں یہ بد باطن شخص کس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ذکر کرتا ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس میں سند ذکر کی ہے؟ پھر آپ تو الزام دیتے ہیں کہ تحقیق امراء نہیں کرتے۔ آپ امیر کہاں سے ہو گئے؟ آپ تو مفتی خان قادری صاحب کے ادارے میں نوکر ہیں، پھر آپ نے سند کی تحقیق کیوں نہیں کی؟

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات امام ابن ابی شیبہ کی کتاب مصنف کی کتاب الاوائل سے ذکر کی ہے۔ وہاں اس کو حضرت سعید بن مسیب سے قتادہ بن دعامہ نقل کر رہے ہیں جو مشہور مدلس ہیں اور روایت بھی عن کے ساتھ کر رہے ہیں۔ این تحقیق!

یہاں یہ روایت کر رہے ہیں حضرت سیدنا سعید بن مسیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: اسماعیل القاضی نے احکام القرآن میں بیان کیا ہے میں نے امام علی بن مدینی رحمہ اللہ تعالیٰ کو قتادہ کی حضرت سعید بن مسیب سے مروی احادیث کی سخت تضعیف کرتے سنا اور وہ فرماتے ہیں: میرے خیال ہے کہ اکثر روایات جو قتادہ نے حضرت سعید سے روایت کی ان کے مابین بہت سے رجال

ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۸۶ رقم ۵۷۰۶)

### فیضی صاحب کی کمال مہارت

قارئین کرام! اوپر آپ پڑھ کر آئے ہیں کہ یہاں گفتگو نماز میں رکوع سجدے میں جانے اور ان سے اٹھتے وقت تکبیر کہنے کی ہو رہی ہے۔ لیکن موصوف ترجمہ کرتے ہیں ”اول شخص جس نے عیدین کی

تکبیریں کم کی تھیں“ ذرا بتائیں یہ عیدین کا ترجمہ کس لفظ کا ہے؟ تحقیق تو امراء نہیں کرتے۔  
خطبہ عیدین کی تقدیم

اسی طرح خطبہ عیدین کی تقدیم کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں، یہاں تو حضرت سیدنا عمر بن الخطاب اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی تقدیم منقول ہے، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۱۰ رقم ۵۷۳۴ و رقم ۵۷۳۶، میں اس کی مشہور نسبت مروان شیطان کی طرف ہے جس کا مقصود لغوز باللہ حضرات اہل بیت اطہار علی جدہ وعلیہم الصلاۃ والسلام پر سب و شتم کرنا ہوتا تھا۔  
 یونہی مسلم شریف میں ہے:

قوله: أول من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلاة

”مروان نماز عید سے پہلے خطبے کی ابتداء مروان نے کی“۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۰ رقم ۱۸۶)

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

هذا أصح ما روى في أول من قدم الخطبة على الصلاة، وقد روى: أول من فعل ذلك عمر، وقيل: عثمان، وقيل: ابن الزبير، وقيل: معاوية رضي الله تعالى عنهم.  
 قال المؤلف رحمه الله تعالى: وبعيد أن يصح شيء من ذلك عن مثل هؤلاء، لأنهم شاهدوا رسول الله - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم -، وصلوا معه أعيادا كثيرة، والصحيح المنقول عنه، والمتواتر عند أهل المدينة: تقديم الصلاة على الخطبة، فكيف يعدل أحد منهم عما فعله النبي - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - وداوم عليه إلى أن توفي؟ فإن صح عن واحد من هؤلاء أنه قدم ذلك، فلعله إنما فعله لبارأى من انصراف الناس عن الخطبة، تاركين لسباعها مستعجلين، أو ليدرك الصلاة من تأخر وبعد منزله، ومع هذين التأويلين، فلا ينبغي أن تترك سنة رسول الله - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - لمثل ذلك، وأولئك الملاء أعلم وأجل من أن يصيروا إلى ذلك، والله أعلم.

وَأما مروان وبنو أمية، فإنما قدموها، لأنهم كانوا في خطبهم ينالون من علي - كرم الله تعالى وجهه - ويسمعون الناس ذلك، فكان الناس إذا صلوا معهم، انصرفوا عن

سمع خطبهم لذلك، فلما رأى مروان ذلك أو من شاء الله من بني أمية، قدموا الخطبة، ليسمعوا الناس من ذلك ما يكرهون، والصواب: تقديم الصلاة على الخطبة، كما تقدم، وقد حكى فيه بعض علمائنا الإجماع.

”خطبے کو نماز پر مقدم کرنے والے کے بارے میں سب سے صحیح بات یہی ہے، (یعنی مروان کا مقدم کرنا)، اور مروی ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر نے مقدم کیا، کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان نے، کہا گیا کہ حضرت ابن زبیر نے، کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہ نے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین: مؤلف کہتے ہیں: یہ بات بعید ہے کہ ان جیسے حضرات سے اس طرح کی بات بعید ہے اس لیے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کئی عید کی نمازیں پڑھیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو بات صحیح منقول ہے اور اہل مدینہ کے نزدیک متواتر بھی ہے وہ نماز کا خطبے پر مقدم کرنا ہے تو ان حضرات میں سے کوئی اس فعل سے عدول کیسے کر سکتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہو اور اس پر مداومت اختیار کی ہو۔؟ اگر ان میں سے کسی نے مقدم کیا بھی تو اس وجہ سے کہ انہوں نے لوگوں کو جلدی کی وجہ سے خطبے کا سننا چھوڑتے ہوئے دیکھا، یا اس لیے مقدم کیا کہ جو تاخیر سے آئے یا دور رہتا ہے وہ نماز کو پالے۔ ان دونوں تاویلوں کے باوجود (ہمارے لیے یہی حکم ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو اس وجہ سے چھوڑنا مناسب نہیں، اور یہ گروہ (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جو انہوں نے اختیار کیا اس کو زیادہ جانتے والے ہیں، بہر حال مروان اور بنو امیہ، تو انہوں نے خطبہ مقدم کیا کیونکہ اپنے خطبے میں حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی تنقیص کرتے تھے۔ اور لوگوں کو سناتے بھی تھے، پھر لوگ جب ان کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تو اس وجہ سے ان کا خطبہ سننے بغیر چلے جاتے، جب مروان یا بنو امیہ میں سے کسی اور نے بھی یہ معاملہ دیکھا تو خطبے کو مقدم کر دیا تاکہ لوگوں کو وہ باتیں سن سکیں جو وہ ناپسند کرتے تھے۔ درست یہی ہے کہ نماز کو خطبے پر مقدم کیا جائے گا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے، اس پر ہمارے بعض علما نے اجماع نقل کیا ہے۔“

(المہم لما أشكل من تلغیص کتاب مسلم ج ۱ ص ۲۳۱-۲۳۲)

امام قرطبی کی اس عبارت سے واضح ہوا:

(۱) تقدیم خطبہ کی نسبت صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن زبیر، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف کی گئی ہے۔

(۲) اول تو ان کی طرف اس کی نسبت کرنا ان کے حال سے بعید ہے۔

(۳) اگر ان حضرات نے مقدم کیا تو ان کے پیش نظر یہ حکمت تھی کہ جن لوگوں نے جلدی کی وجہ سے خطبہ سننا چھوڑ دیا ہے وہ بھی سن لیں، یا جو دور رہتے ہیں یا تاخیر سے پہنچ پاتے ہیں وہ نماز پالیں۔

(۴) اصل تقدیم مروان نے کی یا بنو امیہ کے کسی اور شخص نے کی۔ اس کا مقصود نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص تھا۔

جب یہ کام کسی اور کا ہے تو فیضی صاحب کو کس نے اختیار دیا ہے کہ اس کی نسبت حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کریں۔

باقی ائمہ بسا اوقات کچھ اقوال میں تطبیق دیتے ہیں لیکن ان کا مقصود فقط دو متعارض اقوال میں تطبیق مقصود ہوتی ہے نہ یہ کہ وہ قول ان کے نزدیک مختار بھی ہو۔

موصوف نے فتح الباری اور تاریخ الخلفاء کے حوالے سے اس کی نسبت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کی حالانکہ اگر فتح الباری کی مکمل عبارت نقل کرتے تو بات واضح ہو جاتی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

واختلف في أول من غير ذلك فرواية طارق بن شهاب عن أبي سعيد عند مسلم صريحة في أنه مروان كما تقدم في الباب قبله وقيل بل سبقه إلى ذلك عثمان وروى بن المنذر بإسناد صحيح إلى الحسن البصري قال: أول من خطب قبل الصلاة عثمان صلى بالناس ثم خطبهم يعني على العادة فرأى ناساً لم يدر كوا الصلاة ففعل ذلك أي صار يخطب قبل الصلاة وهذه العلة غير التي اعتل بها مروان لأن عثمان رأى مصلحة الجماعة في إدراكهم الصلاة وأما مروان فراعى مصلحتهم في إسماعهم الخطبة لكن قيل إنهم كانوا في زمن مروان يتعمدون ترك سماع خطبته لما فيها من سب من لا يستحق السب والإفراط في مدح بعض الناس فعلى هذا إنما راعى



مصلحة نفسه ويحتمل أن يكون عثمان فعل ذلك أحياناً بخلاف مروان فواظب عليه  
فلذلك نسب إليه وقد روى عن عمر مثل فعل عثمان قال عياض ومن تبعه: لا  
يصح عنه، وفيما قالوه نظر لأن عبد الرزاق وابن أبي شيبه روياه جميعاً عن ابن  
عينة عن يحيى بن سعيد الأنصاري عن يوسف بن عبد الله بن سلام وهذا إسناد  
صحيح لكن يعارضه حديث ابن عباس المذكور في الباب الذي بعده وكذا حديث  
ابن عمر فإن جمع بوقوع ذلك منه نادراً وإلا فما في الصحيحين أصح، وقد أخرج  
الشافعي عن عبد الله بن يزيد نحو حديث ابن عباس وزاد حتى قدم معاوية فقدم  
الخطبة، فهذا يشير إلى أن مروان إنما فعل ذلك تبعاً لمعاوية لأنه كان أمير المدينة  
من جهته، وروى عبد الرزاق عن ابن جريج عن الزهري قال: أول من أحدث الخطبة  
قبل الصلاة في العيد معاوية، وروى ابن المنذر عن ابن سيرين أن أول من فعل  
ذلك زياد بالبصرة، قال عياض: ولا مخالفة بين هذين الاثرين وأثر مروان لأن كلا  
من مروان وزياد كان عاملاً لمعاوية فيحصل على أنه ابتداء ذلك وتبعه عماله، والله  
أعلم

”اس میں اختلاف ہے کہ کس نے اس میں تبدیلی کی، طارق بن شہاب کی ابو سعید سے  
روایت صحیح مسلم میں اس حوالے سے صریح ہے کہ وہ مروان ہے جیسا کہ اس سے پہلے والے  
باب میں گزر چکا ہے، اور کہا گیا ہے اس سے بھی پہلے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ  
مقدم کیا، ابن المنذر سند صحیح کے ساتھ حسن بھری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں سب  
سے پہلے نماز عید سے خطبے کی تقدیم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی، آپ پہلے عادت  
کے مطابق پہلے نماز پڑھاتے پھر خطبہ دیتے، پھر آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ نماز نہیں پاسکتے  
تو انہوں نے خطبہ نماز سے پہلے دینا شروع کیا، اور یہ اس علت سے جدا علت ہے جو مروان  
کا مقصود تھی، اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کے جماعت میں شامل  
ہونے کی مصلحت کے پیش نظر ایسا کیا، بہر حال مروان تو اس کا مقصود لوگوں کو خطبہ سنانا ہوتا تھا،  
لیکن کہا گیا کہ مروان کے زمانے میں لوگوں نے خطبہ سنانا چھوڑ دیا تھا کیونکہ خطبے میں ایسی

ہستیوں کو برا کہا جاتا تھا جو سب کیے جانے کے مستحق نہیں تھے، اور بعض لوگوں کی تعریف میں مبالغہ کیا جاتا تھا تو اس نے اپنی ذات کی مصلحت دیکھی، اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی کبھی ایسا کیا ہو، اور اس مروان نے اس کی عادت بنالی اس لیے اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اور اس کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھی کی گئی ہے، قاضی عیاض مالکی اور ان کے قبیعین کہتے ہیں کہ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح ثابت نہیں، اور ان حضرات کا یہ کہنا درست نہیں اس لیے کہ حافظ عبد الرزاق اور امام ابن ابی شیبہ نے سفیان بن عیینہ انہوں نے یحییٰ بن سعید الانصاری سے انہوں نے یوسف بن عبد اللہ بن سلام سے یہ بات روایت کی ہے، یہ اسناد صحیح ہے، اور اس کے معارض حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے جو اس باب کے بعد مذکور ہے، اور اسی طرح ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے، اگر اس کو نا در ہونے پر محمول کیا جائے تو درست ہے، ورنہ جو حدیث صحیحین میں ہے وہی زیادہ صحیح ہے اور امام شافعی نے عبد اللہ بن یزید سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث روایت کی اور یہ زائد کیا: جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو خطبے کو مقدم کیا، یہ اشارہ کرتا ہے کہ مروان نے حضرت امیر معاویہ کی پیروی کرتے ہوئے ایسا کیا تھا کیونکہ وہ اس وقت مدینے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مقرر تھا اور حافظ عبد الرزاق نے ابن جریج سے انہوں نے زہری سے روایت کیا وہ کہتے ہیں: عید کی نماز سے پہلے خطبے کی ابتداء حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی، اور ابن منذر حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ بصرہ میں اس کی ابتداء کرنے والا زیاد تھا، قاضی عیاض فرماتے ہیں: یہ دونوں اثر مروان کے اثر کے منافی نہیں، اس لیے کہ مروان اور زیاد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عامل تھے، تو اس پر محمول کیا جائے گا کہ ابتداء حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمائی اور آپ کے عمال نے آپ کی اقتداء کی۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۵۱۸ باب المشی والركوب إلى العيد والصلاة قبل الخطبة وبغير أذات ولا إقامة)

اول تو اس سے واضح ہو گیا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اس کی تقدیم

حضرت عمر، حضرت عثمان، رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے، نیز عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی، جہاں تک رہا مروان کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تابع ہونا اس سے ہرگز مقصد کا ایک ہونا لازم نہیں آتا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود امام قرطبی بیان فرما چکے اور مروان کے مقاصد بھی انہوں نے واضح فرمادیئے ہیں۔

پھر دھوکہ

ظہور فیضی نے علامہ کا سانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے بھی اپنے مطلب کی عبارت نقل کی ورنہ علامہ علاء الدین کا سانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے بات بالکل واضح ہے کہ یہ فعل نتیجہ مروان کا ہے آپ کی مکمل عبارت یہ ہے:

والدلیل علی أنها بعد صلاة العيد ما روى أن مروان لما خطب العيد قبل الصلاة قام رجل فقال: أخرجت المنبر يا مروان ولم يخرج رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، وخطبت قبل الصلاة، وكان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يخطب بعد الصلاة، فقال مروان: ذاك شيء قد ترك، فقال أبو سعيد الخدري: أما هذا فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول: من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان أى أقل شرائع الإيمان

وانما أحدث بنو أمية الخطبة قبل الصلاة لأنهم كانوا يتكلمون في خطبتهم بما لا يحل، وكان الناس لا يجلسون بعد الصلاة لسماعتها فأحدثوها قبل الصلاة ليسمعها الناس

”اور خطبہ عید کے نماز کے بعد ہونے پر دلیل یہ ہے کہ مروان نے جب عید کی نماز سے پہلے خطبہ دیا تو ایک شخص کھڑے ہوئے اور کہا: تو منبر پر کھڑا ہو گیا: اے مروان، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت منبر نہیں رکھوایا، تو نے نماز سے پہلے خطبہ دیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، مروان نے کہا: یہ ایک کام تھا جو چھوڑ دیا گیا، اس پر حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ وہ

شخص ہے اس پر تو جو ہے وہ مقرر ہو چکا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو تم سے کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو زبان سے، اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو دل کے ذریعے، اور ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ یعنی ایمان کے شرائع میں سے کم تر درجہ ہے۔

عید کی نماز سے پہلے خطبہ بنو امیہ نے اس لیے شروع کیا تا کہ اپنے خطبے میں وہ کلام کریں جو حلال ہی نہیں، اور لوگ نماز کے بعد ان کا خطبہ سننے کے لیے بیٹھتے نہیں تھے، تو لوگوں کو سنانے کے لیے انہوں نے خطبے کو نماز سے پہلے کر دیا۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۴۱)

امام کا سانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس مکمل عبارت سے واضح ہو گیا کہ بنو امیہ سے مراد یہاں مروان ہے۔ لیکن فیضی صاحب نے آخر کی عبارت نقل کر دی تا کہ اپنے مذموم مقاصد کو پورا کر سکیں۔ اسی طرح کی خیانتیں ہیں جس سے فیضی اینڈ کمپنی استدلال کرتی ہے، کوئی ایسی صریح دلیل ان لوگوں کے پاس نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب و شتم کرتے یا اس کا کسی کو حکم دیتے تھے۔

مروان بد بخت یا بنو امیہ کے دیگر افراد کے فعل قبیح کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کی طرف کرنا کہاں کا انصاف ہے؟

حدیث میں تحریف، یزید کا دفاع، محدثین کی عبارت میں خیانت، ادھوری عبارتوں کو نقل کرنا اور جھوٹے الزامات لگا کر فیضی صاحب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اللہم اجعلہ ہادیا مہدیا کا رد کرنے چلے ہیں۔ کیا یہی معیار تحقیق ہے؟

مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب و شتم کرنے کا الزام

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مولائے کائنات مولا مشکل کشا حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ صرف خود سے افضل سمجھتے تھے، بلکہ آپ سے بہت محبت کرتے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کثرت سے بیان کیا کرتے اور سنا کرتے تھے۔ ان تمام باتوں کی تفصیل ائمہ اہل سنت نے اپنی کتب میں بیان فرمائی ہے۔

حافظ ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ الکامل میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ

زماتے ہیں:

کنا عند معاویة فذكر عليا فأحسن ذكره وذكر ابنه وأمه ثم قال: وكيف لا أقول هذا لهم؟ هم خيار خلق الله وعترته نبيه أخيار بنو أخيار

”یعنی ہم حضرت امیر معاویہ کے پاس تو انہوں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ اور بہترین تذکرہ کیا، ان کے بیٹے اور (بیٹے کی) والدہ (سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا) تذکرہ کیا، پھر فرمایا: میں ان کے بارے میں ایسا کیوں بیان نہ کروں؟ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بہترین لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں، بہترین لوگ بہترین لوگوں کی اولاد ہیں۔“

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۸ ص ۷۰ رقم ۲۵۱۵ ترجمہ عثمان بن عبد اللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان)

حافظ عسقلانی اور حافظ قسطلانی رحمہما اللہ تعالیٰ اپنی اپنی بخاری شریف کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقد ذكر يحيى بن سليمان الجعفي أحد شيوخ البخاري في كتاب صفين في تأليفه بسند جيد عن أبي مسلم الخولاني: أنه قال لمعاوية: أنت تنازع عليا في الخلافة أو أنت مثله؟ قال: لا وأني لأعلم أنه أفضل مني وأحق بالأمر

”امام بخاری کے استاد یحییٰ بن سلیمان الجعفی سند جید کے ساتھ اپنی تصنیف کتاب صفین میں حضرت سیدنا ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی: آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خلافت کے معاملہ تنازع کر رہے ہیں یا آپ ان کی مثل ہیں؟ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: میں بخوبی جانتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے افضل ہیں اور وہی خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔ (پھر آپ نے اس تنازع کی وجہ بیان فرمائی)۔“

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۰۰ رقم ۷۱۲۱) (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۴۶۳)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ جھوٹا الزام ہے کہ آپ مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہتے اور برا بھلا کہنے کا حکم دیتے تھے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، ماقبل میں وہ واقعات گزر چکے جو آپ کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت پر واضح دلالت کرتے ہیں۔ کسی بھی صحیح سند سے مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حضرت معاویہ کا سب و شتم کرنا یا اس کا حکم دینا ثابت نہیں، معاندین

مسلم شریف کی ایک مجمل روایت پیش کرتے اور اس سے اپنے فاسد و باطل عقیدے پر استدلال کرتے ہیں۔

ہم ائمہ اہل سنت کی اس روایت پر جو شرح ہے اسے ذکر کرتے ہیں تاکہ اس روایت کا صحیح معنی واضح ہو جائے: اولاً اس حدیث کا متن ملاحظہ فرمائیں:

اس میں واضح موجود ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سبب دریافت کر رہے ہیں، اگر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب کا حکم دیتے ہوتے، یا کرتے ہوتے تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بحث کرتے انہیں جواب دیتے، انہیں حکم دیتے، لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، بلکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاموش رہنا اس بات کی دلیل تھی کہ آپ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کو درست قرار دے رہے تھے۔

(۱) امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقد ذكر أبو عمر بن عبد البر بإسنادة إلى ضرار الصَّدَائِي: وقال له معاوية: صف لي عليًّا، فقال: اعفني يا أمير المؤمنين! قال: صفه. قال: أما إذا ولا بد من وصفه، فكان والله بعيد المدى، شديد القوى، يقول فصلاً، ويحكم عدلاً، يتفجر العلم من جوانبه، وتنطق الحكمة من نواحيه، يستوحش من الدنيا وزهرتها، ويأنس من الليل ووحشته، وكان غزير الدَّمْعَةِ، طويل الفكرة، يعجبه من اللباس ما قصر، ومن الطعام ما خشن، كان فينا كأحدنا، يهيئنا إذا سألناه، ويفتينا إذا استفتينا، ونحن - والله - مع تقريبه إيانا، وقربه منا لا نكاد نكلبه هيبة له، يُعظم أهل الدين، ويُقرب المساكين، لا يطمع القوى في باطله، ولا ييأس الضعيف من عدله، وأشهد لقد رأيته في بعض مواقفه، وقد أرخى الليل سدوله، وغارت نجومه، قابضاً على لحيته يتملل تملى السَّليم، ويبكي بكاء الحزين، ويقول: يا دنيا غُري غُري، ألي تعرضت؟ أم إلى تشوّفت، هيئات هيئات! قد بتتك ثلاثاً لا رجعة فيها، فعمرك قصير، وخطرك قليل، آه قلة الزاد، وبُعد السفر، ووحشة الطريق، فبكي معاوية، وقال: رحم الله أباً حسن! كان والله كذلك. كيف حزنتك عليه يا ضرار! قال: حزن من

ذبح واحدہا فی حجرہا۔

قلت: وهذا الحديث: يدل على معرفة معاوية بفضل علي، رضي الله عنه، ومنزلته، وعظيم حقه، ومكانته، وعند ذلك يبعد على معاوية أن يصرح بلعنه وسبه، لما كان معاوية موصوفاً به من الفضل والدين، والحلم، وكرم الأخلاق، وما يروى عنه من ذلك فأكثره كذب لا يصح. وأصح ما فيها قوله لسعد بن أبي وقاص: ما يمنعك أن تسب أبا التراب؟ وهذا ليس بتصريح بالسب، وإنما هو سؤال عن سبب امتناعه ليستخرج ما عنده من ذلك، أو من نقيضه، كما قد ظهر من جوابه، ولما سمع ذلك معاوية سكت، وأذعن، وعرف الحق لمستحقه، ولو سلمنا: أن ذلك من معاوية حمل على السب، فإنه يحتمل أن يكون طلب منه أن يسبّه بتقصير في اجتهاد في إسلام عثمان لقاتليه، أو في إقدامه على الحرب والقتال للمسلمين، وما أشبه ذلك مما يمكن أن يقصر بمثله من أهل الفضل، وأما التصريح باللعن، وركيك القول، كما قد اقتحمه جهال بني أمية وسفلتهم، فحاش معاوية منه، ومن كان على مثل حاله من الصلبة، والدين، والفضل، والحلم، والعلم، والله تعالى أعلم.

”ابو عمر بن عبد البر نے اپنی سند سے حضرت ضرار صدائی سے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے حضرت ضرار صدائی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا: میرے سامنے حضرت علی کی شان بیان کرو۔ انھوں نے کہا: یا امیر المؤمنین آپ مجھے اس سے معاف نہیں رکھتے؟ حضرت امیر معاویہ نے فرمایا: اُن کی شان بیان کرو۔ حضرت ضرار صدائی نے کہا: جب اوصاف علی سنانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تو پھر سنئے:

اللہ کی قسم! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواہشات سے دور رہنے والے، بہت طاقت ور تھے، فیصلہ کن گفتگو فرماتے، فیصلوں میں عدل فرماتے، اُن سے علم و حکمت کے چشمے پھونٹتے تھے، دنیا اور اس کی آسائشوں سے وحشت محسوس کرتے اور رات اور اس کے اندھیرے سے انسیت حاصل کرتے۔ وہ اشک باری فرمانے والے، فکر آخرت میں ڈوبے رہتے، پہننے اور کھانے میں جو میسر ہوتا اسی پر راضی رہتے، وہ ہمارے درمیان ہماری طرح ہی تھے، جب

ہم اُن سے سوال کرتے تو وہ جواب دیتے، ہم فتویٰ چاہتے تو وہ فتویٰ عطا فرماتے، اللہ کی قسم! جب ہم میں سے کوئی ان کے پاس جاتا تو وہ اس پر شفقت فرماتے، اپنے پاس بٹھاتے۔ (اتنی شفقت و قربت کے باوجود) ہم اُن کے رُعب کی وجہ سے بات نہ کر پاتے، وہ دین داروں کی تعظیم فرماتے، مسکینوں کو قریب کرتے، طاقتور کو باطل کا خواہش مند نہ بناتے، کمزور لوگ اُن کے عدل سے مایوس نہ ہوتے۔ اللہ کی قسم! میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے بعض دفعہ انہیں دیکھا جب ستارے چھپ جاتے تو وہ اپنی داڑھی پکڑ کر مضطرب اور بے چین ہوتے اور غمزدہ شخص کی طرح آنسو بہاتے پھر دنیا کو لٹکارتے ہوئے فرماتے: میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے۔ مجھ سے دُور ہو جا، میں تجھے تین طلاقیں دے چکا جس کے بعد رجوع نہیں، تیری عمر قلیل، تیری مجلس حقیر اور تیرا خطرہ آسان ہے، ہائے! راستہ پر خطر، زاہد راہ قلیل اور سفر طویل ہے۔

حضرت ضرار صدائی سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصاف سن کر حضرت امیر معاویہ رو پڑے اور کہا: اللہ ابوالحسن (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر رحم فرمائے۔ اللہ کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔ اے ضرار تجھ پر ان کا کیسا غم ہے؟ حضرت ضرار نے عرض کی: اس عورت کی طرح جس کی گود میں اس کے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر دیا گیا ہو۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں یہ حدیث حضرت معاویہ کے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت، آپ کے مرتبے، آپ کے عظیم حق اور مقام کی معرفت پر دلالت کرتی ہے، اور اس صورت میں بعید ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعن اور سب کریں، خصوصاً حضرت معاویہ خود فضیلت، دین، بردباری اور بہترین اخلاق سے متصف تھے۔ سب کرنے کے حوالے سے جو کچھ مروی ہے وہ اکثر جھوٹ اور غیر صحیح ہے۔ اس میں سب سے زیادہ صحیح بات وہ ہے جو آپ نے حضرت سعد سے کہی تھی کہ آپ کو کون سی بات، حضرت ابو تراب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرنے سے روکتی ہے؟ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ سب کرنے میں صریح نہیں، یہ تو محض ایک سوال ہے جو آپ نے سب نہ کرنے سے متعلق کیا تا کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ان کا موقف ہے وہ بیان کر دیں، یا اس کی



نقیض، جیسا کہ ان کے جواب سے ظاہر ہے اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا جواب سنا، تو خاموش رہے اور اس پر یقین کیا، اور مستحق کے حق کو جانا، اور اگر ہم تسلیم کریں کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے سب کرنے پر ہی ابھارنا تھا تو بھی اس کا احتمال ہے کہ آپ نے ان سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کرنے میں اجتہاد کی تقصیر کو برا کہنا طلب کیا ہو، یا انہوں نے جو مسلمانوں سے جنگ و قتال کیا اس کو برا کہنا مطلوب ہو، اور اس کی مثل کئی باتیں ہیں، جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثل اہل فضل کی باتوں کو محمول کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک رہا صراحتاً لعن طعن کرنا، برے الفاظ کہنا، جیسا کہ بنو امیہ کے جہال اور گھٹیا لوگوں نے وطیرہ بنایا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بری ہیں اور اسی طرح ہر وہ شخص جو آپ کی طرح صحابیت، دیانت، فضیلت، بردباری، اور علم والا ہو۔

(المفہم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم ج ۶ ص ۲۷۸)

(۲) امام عون الدین یحییٰ بن ہبیرہ الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولعلہ لا یبعد أن یکون قد أراد معاویة أن یؤدب بقول سعد بعض أحداث الأسنان من أهلہ أو أتباعہ بما یدکرہ سعد فی حق علی، وإنہ قد روی لنا أنه کان یثنی علیہ ویقول: کان رسول اللہ - صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم - یغرة بالعلم غراً، ویرد الفتاوی عنہ إلیہ فی حالة اشتداد ما بینہما، ولم یکن منکراً فضل علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما، وإنما کان القتال مستنداً إلی اجتہاد فی فرع، أخطأ فیہ معاویة وأصاب علی، ولیس ذلک بمخرج لہ من الإیمان.

”شاید یہ بات بعید نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھرانے یا متعلقین میں سے بعض نوجوانوں کو حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ذکر کردہ باتوں کے ذریعے مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ادب سکھانا چاہتے ہوں۔ یہ بات مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کیا کرتے تھے اور فرمایا

کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں علم کے ذریعے خوب روشن و منور فرمایا ہے۔ جب ان دونوں حضرات کے مابین جنگ کی کیفیت تھی اس وقت بھی آپ مولائے کائنات سے فتاویٰ طلب کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کے منکر نہیں تھے۔ ان کے مابین قتال فرع (فروعی معاملے) میں اجتہاد کی وجہ سے تھا، جس میں حضرت معاویہ نے خطا کی اور مولائے کائنات اصابت پر تھے، یہ بات انہیں ایمان سے خارج کرنے والی نہیں ہے۔ (الافصاح عن معانی الصحاح ج ۱ ص ۳۴۸)

(۳) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فقول معاوية هذا ليس فيه تصريح بانه أمر سعدا بسبه، وإنما سألته عن السبب المانع له من السب كانه يقول: هل امتنعت تورعاً أو خوفاً أو غير ذلك؛ فإن كان تورعاً واجلاً لاله عن السب فأنت مصيب محسن، وإن كان غير ذلك فله جواب آخر، ولعل سعداً قد كان في طائفة يسبون فلم يسب معهم وعجز عن الإنكار وأنكر عليهم فسأله هذا السؤال، قالوا: ويحتمل تأويلاً آخر أن معناه ما منعك أن تخطئه في رأيه واجتهاده وتظهر للناس حسن رأيينا واجتهادنا وأنه أخطأ قوله

”حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول اس میں صریح نہیں کہ آپ نے حضرت سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب کرنے کا حکم دیا ہو، آپ نے ان سے محض سب نہ کرنے کا سبب دریافت کیا ہے، گویا کہ آپ نے ان سے کہا: آپ برا بھلا کہنے سے ورع کی وجہ سے رکتے ہیں یا خوف کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے؟ اگر یہ بچا ورع اور بزدلی کے سبب ہے تو تو آپ نیکی کرنے والے اور اصابت پر ہیں، اور اگر اس کے لیے کوئی اور سبب ہے تو اس کا جواب اور ہے، شاید حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے لوگوں کے مابین تھے جو سب کرتے تھے، حضرت سعد برا بھی نہیں کہتے تھے اور انہیں روکنے سے بھی عاجز تھے، اور ان کے اس کام کو برا قرار دیتے تھے، اس پر ان سے یہ سوال کیا۔ علما فرماتے ہیں: یہاں ایک اور تاویل کا احتمال ہے وہ یہ کہ کون سی بات آپ کو زور دیتی ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے اور اجتہاد کو خطا پر قرار دیں، اور لوگوں کے سامنے ہماری رائے اور

ہمارے اجتہاد کو اچھا قرار دیں۔ (المہاج بشرح صحیح مسلم بن الحجاج ج ۸ ص ۱۹۳)

(۴) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے یہی بات علامہ سید غلام رسول سعیدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی شرح صحیح مسلم میں بیان کی ہے۔

(۵) امام قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ولا بد أن يتأول قول معاوية هذا، فتقول: ليس فيه تصريح بأنه أمره بسبه، وإنما سأله عن السبب المانع له من السب، وقد سئل عن مثل هذا السؤال من يستجيز سب المسؤول عنه (وسئل عنه) من لا يستخبره، فقد يكون معاوية رأى سعداً بين قوم يسبون، ولا يمكن الإنكار عليهم، فقال: ما منعك أن تسب أبا تراب ليستخرج منه مثل ما استخرج مما حكاة عن النبي - عليه الصلاة والسلام - فيكون له حجة على من سبه ممن ينضاف إليه من غوغاء جنده، فيحصل على المراد على لسان غيره من الصحابة، ولو لم يسلك هذا المسلك و حملنا عليه أنه قصد ضد هذا مما يثيرة عنه الموجدة، ويقع في حين الحق، لأمكن أن يريد السب الذي هو بمعنى التغيير للمذهب والرأى، وقد سمي ذلك في العرف سباً، ويقال في فرقة: إنها تسب أخرى إذا سمع منهم أنهم أخطؤوا في مذاهبتهم، وحادوا عن الصواب، وأكثروا من التشنيع عليهم، فمن الممكن أن يريد معاوية من سعد بقوله: ما منعك أن تسب أبا تراب أى يظهر للناس خطأه في رأيه، وإن رأينا ما نحن عليه أشد وأصوب. هذا مما لا يمكن أحد أن يمنع من احتمال قوله له، وقد ذكرنا ما يمكن أن يحمل قوله عليه ورأيه فيه جميل أو غير جميل في هذين الجوابين. فمثل هذا المعنى ينبغي أن يسلك فيما وقع في أمثال هذا.

”لازم ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کی تاویل کی جائے تو ہم کہتے ہیں: حضرت امیر معاویہ کے اس قول میں کوئی ایسی تصریح نہیں ہے کہ آپ نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب کرنے کا حکم دیا ہو، آپ ان سے محض اس بات کا سوال کر رہے ہیں کہ آپ کو کیا چیز سب کرنے سے روکتی ہے، اس طرح کا سوال اس شخص سے بھی کیا جاسکتا

ہے جو مسئول عنہ پر سب کو جائز قرار دیتا ہو اور اس سے بھی کیا جاسکتا ہے جو سب کرنے کو جائز قرار نہ دیتا ہو، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی قوم کے مابین دیکھا جو مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب کرتی تھی، اور ان پر انکار ممکن نہ تھا، تو آپ نے سوال کیا کہ آپ کو ابو تراب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنے سے کون سی بات روکتی ہے؟ یہ سوال اس لیے تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہی بیان کروایا جاسکے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے (مولائے کائنات کی فضیلت) میں روایت کیا تا کہ ان لوگوں پر حجت ہو جائے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب کرتے تھے اور وہ آپ کے لشکر میں گھنیا قسم کے لوگ تھے، اس سوال و جواب سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد دوسرے صحابی کی زبان کے ذریعے حاصل ہو گئی۔ اور اگر ہم اس تاویل کی راہ پر نہ چلیں، اور اس کی ضد ہی کے مقصود ہونے پر محمول کریں کہ یہ ناراضی اور غضب ہی تھا تو ممکن ہے کہ سب سے مراد مقصود ورائے کا تبدیل ہونا ہو، اور اس کو بھی عرف میں سب کہا جاتا ہے، کسی بھی فرقے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے دوسرے فرقے کو سب کیا جب اس نے سنا کہ اس نے اپنے مذہب میں خطا کی ہے اور راہ صواب سے ہٹ گئے ہیں اور اس فرقے والے پر طعن کرنے میں زیادتی کی، تو ممکن ہے کہ حضرت معاویہ نے حضرت سعد کو جو کہا تھا کہ کون سی بات آپ کو ابو تراب کو برا کہنے سے روکتی ہے، اس سے مراد یہ ہو کہ آپ ان کی رائے کی خطا لوگوں کے سامنے بیان کریں، اور ہماری رائے کو درست کہیں۔“

(إكمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۴۱۵-۴۱۶)

(۶-۷) علامہ وشتانی ابی اور امام سنوی الحسینی رحمہما اللہ تعالیٰ نے قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تاویل کو

اصح قرار دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ دونوں نے یہ بھی لکھا:

وقد كان معاوية معترفا بفضل علي وعظيم قدرة

”یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اور بلند

مقام کے معترف تھے۔“

(كمال إكمال المعلم للإمامي المالكي ج ۸ ص ۲۲۹) (كمال إكمال المعلم لعمدة الأحسن ج ۸ ص ۲۲۹)

(۸) علامہ حافظ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

يحب تأويله إما بأن المراد بالسبب إظهار خطأ اجتهداه و صواب اجتهدنا، وإما بأنه سمع قوما يسبونهم فأراد كفهم عن سبه بإظهار فضله على لسان سعد، وإما بأنه ليس فيه الأمر بل سؤال من السبب المانع عنه وتكديه رضى الله تعالى عنه بأبي تراب ليس طعنا فإنه كان يحب أن يكتنى به.

”یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی تاویل کرنا واجب ہے کہ یا تو سب سے مراد حضرت علی کے اجتہاد کی خطا کا ظاہر کرنا اور ہمارے (حضرت امیر معاویہ کے) اجتہاد کا درست ہونا بیان کرنا ہو۔ یا ہو سکتا ہے انہوں نے بعض لوگوں کو سب کرتے سنا ہو اور حضرت امیر معاویہ زبان حضرت سعد کے ذریعے حضرت علی کے فضائل ظاہر کروا کر اس قوم کو روکنا چاہتے ہوں۔ یا پھر یہ مراد ہے کہ اس میں سب کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ سب نہ کرنے کا سبب دریافت کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی کینت ابو تراب سے پکارنے میں کوئی طعن نہیں اس لیے کہ یہ تو ان کی پسندیدہ کینت ہے۔“

(الناهيّة عن طعن أمير المؤمنين معاوية رضي الله تعالى عنه ص ۱۰، فصل في الأجوبة عن مطاعنه)

(۹) علامہ طاہر پٹنی گجراتی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

هذا لا يستلزم أمر معاوية بالسب بل سؤال عن سبب امتناعه عنه أنه تورع أو إجلال أو غير ذلك، أو المعنى ما منعك أن تخطئه في اجتهد وتظهر للناس حسن اجتهدنا

”یعنی یہ اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے سب کا حکم دیا ہو بلکہ سب نہ کرنے کا سبب پوچھا ہے کہ وہ ورع و بزرگی ہے یا اس کے علاوہ کچھ اور ہے۔ یا یہ معنی ہے کہ لوگوں کے سامنے ان کے اجتہاد کی خطا کو بیان کرنے اور ہمارے اجتہاد کی درستی کا اظہار کرنے سے تمہیں کس چیز نے روکا ہے۔“ (مجمع بحار الآثار ج ۳ ص ۱۰)

(۱۰) فیضی صاحب کے غریب اہل سنت علامہ ابوالحسن سندھی حاشیہ ابن ماجہ میں لکھتے ہیں:

ومقتضى حسن الظن أن يحسن السب على التخطئة ونحوها مما يجوز بالنسبة إلى أهل

الاجتهاد لا اللعن وغیرہ۔

”یعنی حسن ظن کا تقاضا ہے کہ سب کو خطا وغیرہ کے معنی پر محمول کیا جائے جس (خطا وغیرہ) کا اطلاق اہل اجتہاد کی طرف نسبت کرنا جائز ہے نہ کہ لعنت وغیرہ (معنی کیا جائے)۔“

(حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۸۶ رقم ۱۱۲۱)

یہ ائمہ اہلسنت کثر ہم اللہ تعالیٰ کی شرح ہے، اور ان کے مطابق اس حدیث کا معنی یہ نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کا حکم دیا، بلکہ اس کا معنی ہے کہ آپ نے سب نہ کرنے کا سبب دریافت کیا، تاکہ حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شیر خدا مولا مشکل کشار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل لا جواب بیان فرمائیں اور ان لوگوں کو عبرت حاصل ہو جو ان نفوس قدسیہ پر سب و شتم کرتے تھے، اگر سب کرنے کا امر مراد لے بھی لیا جائے تو اس سے مراد اجتہاد میں خطا کا رقرار دینا ہے نہ کہ برا بھلا کہنا۔

جی مولوی فیضی صاحب! اب آپ ان سب پر کاریگری کا الزام لگا دیں۔ لیکن آپ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں جب صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ سے محفوظ نہ رہے تو ان حضرات کی ہستی ہی آپ کے حضور کیا ہے۔!

مدعی لاکھ یہ بھاری ہے گواہی تیری

اوپر گزرا کہ حضرت ضرار بن صمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواہش پر مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بیان کیے، فیضی صاحب اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: امام ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: حضرت ضرار بن صمرہ جب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفات حسنہ کے بیان سے فارغ ہوئے تو حضرت معاویہ نے ان تمام صفات کی تائید کی (اب اپنی طرف سے لکھتے ہیں یہ ابن عساکر کے الفاظ نہیں لیکن انہوں نے اسے ابن عساکر کی طرف منسوب کیا ہے) اور آخر میں مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے لیکن اگر میری موت کے بعد میرے ساتھیوں سے میرے متعلق پوچھا گیا تو اس طرح بیان نہیں کریں گے۔

(شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کا معنی بالکل واضح ہے کہ آپ مولائے کائنات

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت و عظمت، برتری کا اظہار فرما رہے ہیں اور عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے لیے یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے ایسے اوصاف نہیں کہ میرے انتقال کے بعد بیان کیے جائیں۔

لیکن براہو تعصب کا موصوف نے جہاں ابن عسا کر رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اضافہ کرتے ہوئے بددیانتی کی وہیں اس کے بعد انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی ایسی شرح کی کہ آپ کے عاجزی والے کلمات مقام مدح کی جگہ مقام ذم میں آ گئے۔

موصوف اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں: ”راقم الحروف کی گزارش ہے کہ فضائل بیان کرنے کے لیے ہوتے ہیں، تنازع کے لیے نہیں، لہذا جس بلند مرتبہ ہستی کے فضائل بیان کرنا ہوں بلا تقابل اس کے فضائل بیان کر دیئے جائیں اور کسی دوسری ہستی پر تعریض وغیرہ سے کلیۃً اجتناب کیا جائے۔“

(شرح اسنی المطالب ص ۳۶)

میں پوچھتا ہوں کہ آپ کے یہ تمام قاعدے اور گزارشات سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کیوں تبدیل ہو جاتے ہیں کہ آپ تعریض و تنقیص کرنے سے باز نہیں آتے چاہے اس کے لیے جھوٹ اور خیانت ہی سے کام کیوں نہ لینا پڑے۔ نعوذ باللہ من ذالک!

موصوف لکھتے ہیں: جہاں تک میرے مطالعہ کا تعلق ہے اس کی روشنی میں، میں سمجھتا ہوں حضرت معاویہ مجموعی طور پر اسلام کے خیر خواہ تھے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی ان کے دل میں ایک عظمت اور فضیلت موجود تھی، مگر وہ اس کا اظہار عام نہیں کرتے تھے، البتہ شاذ و نادر موقعوں پر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی وفادار ساتھی یا اپنے ہی کسی ہم راز کے سامنے ان کے علم و زہد وغیرہ کا اعتراف یا اظہار کر دیتے تھے، جیسا کہ حضرت ضرار صدائی سے فرمائش کر کے عظمت مرتضوی سنی تھی اور سننے کے بعد کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ علی پر رحمت فرمائے وہ ایسے ہی تھے، یا جیسا کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر آنے پر وہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کے بعد رو پڑے تھے، تو ان کی زوجہ نے کہا تھا: اب روتے ہو، حالانکہ تم ان کے ساتھ لڑتے رہے؟ تو جوابا کہا: تم نہیں جانتی کہ لوگوں نے کس قدر فضل، فقہ اور علم کھودیا۔ (شرح خصائص علی ص ۹۳۸)

اس کے بعد موصوف نے حسب عادت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف زہرا گلا ہے، لیکن ان کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

کس قدر محبت کرتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم میں بے مثل تھے، کیا کسی بردبار شخص سے ایسی بات کی توقع کی جاسکتی ہے۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت مستحکم ہو چکی تھی، حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، کیا کسی سمجھدار آدمی سے اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ بنے بنائے کام کو خوا مخواہ بگاڑنا شروع کر دے۔

باقی اس کے علاوہ تاریخی روایات آئی ہیں ان کا تو کوئی اعتبار ہی نہیں کہ سدا سب مطروح و مردود ہیں، ہاں بنو امیہ کے گورنروں میں سے کسی نے بعد میں سب و شتم کیا یا اسی وقت کسی جگہ ایسا ہوا تو اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مورد الزام ٹھہرانا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عداوت کی وجہ سے ہی ہو سکتا ہے، حقیقت کے اعتبار سے نہیں۔

حاصل کلام یہ کہ ائمہ اہل سنت کی تصریحات کے مطابق حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مولائے کائنات مولا مشکل کشار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرنے والے، ان کی فضیلت و عظمت کا اعتراف کرنے والے، ان کے فضائل و کمالات کو بیان کرنے والے تھے۔ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی بھی برا بھلا کہنے کے مرتکب ہوئے ہوں، مسلم شریف کی حدیث مبارک بھی اس باب میں صریح نہیں بلکہ اس کے متعدد معنی شارحین حدیث نے بیان فرمائے ہیں جیسا کہ ابھی تفصیل سے گزرا۔

### میسون بنت بحدل

محترم قارئین! اب تک آپ دیکھتے آئے ہیں کہ کس طرح انہوں نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص کرنے کے لیے تحریفات کا بازار گرم کیا ہوا ہے، ان کی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں اس کے لیے انہوں نے ان دیباہ و ہابیہ کی کتب سے بکثرت استناد کیا ہے جن میں سے بعض نے تو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذکر کی محفل تک سجانے کو ناجائز لکھا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو ابن تیمیہ کے قبیحین ہیں جس کا مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں تنقیص کرنا مشہور و معروف ہے جو بقول خود فیضی شان مولائے کائنات میں صرف دو حدیثوں کو صحیح مانتا ہے۔ لیکن اب موصوف ایک قدم آگے بڑھتے ہیں اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ میسون بنت بحدل کو کافر ثابت کرتے ہیں اور اس کے لیے ان کا استدلال فلپ ہٹی مستشرق کا قول ہے۔ حالانکہ ائمہ اسلام نے ان کو تالیفات میں شمار کیا ہے، ان سے مروی



ایک حدیث بھی ذکر کی ہے۔

تابعی کس کو کہتے ہیں

تابعی اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے کسی بھی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت اختیار کی یا ان سے ملاقات کی۔ علامہ سید شریف جرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

التابعی کل مسلم صعب صحابیا و قیل من لقیہ و هو الأظهر

”تابعی ہر اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے کسی صحابی کی صحبت اختیار کی ہو، اور ایک قول یہ ہے

کہ تابعی وہ مسلمان ہے جس نے کسی صحابی سے ملاقات کی ہو اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔“

علامہ حافظ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ دوسری تعریف کے تحت لکھتے ہیں:

أی التعریف الثانی للتابعی أظہر وأقوی قد اختارہ جمع من أرباب التقوی والفتوی

”یعنی تابعی کی دوسری زیادہ ظاہر زیادہ قوی ہے اسی کو ارباب تقوی و فتوی کی ایک جماعت

نے اختیار کیا ہے۔“ (ظفر الامانی بشرح مختصر السید الجرجانی ص ۵۴۰) وانظر: (المہمل الروی فی مختصر علوم

الحدیث النبوی لابن جماعة ص ۳۷۹) (المخلاصة فی أصول الحدیث للطیسی ص ۱۲۵)

حافظ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ تدریب الراوی میں دوسری تعریف کے بارے میں لکھتے ہیں:

قال العراقي: وعليه عمل الأكثرين من أهل الحديث

”حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اسی پر اکثر محدثین کا عمل ہے۔“

(تدریب الراوی ج ۵ ص ۲۴۰)

میسون بنت بحدل تابعیہ ہیں۔

حدیث، فقہ اور لغت کے امام، حسن بن محمد صفانی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب العباب الزاخر

میں ان کو تابعیات میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح امام فقیہ حنفی محدث مرتضیٰ زبیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاج

العروس میں حافظ صفانی کے حوالے سے ان کو تابعیات میں سے لکھا ہے۔

حافظ ابو بکر بن ماکولا، حافظ ابن نقطہ، حافظ ابن عساکر، حافظ ناصر الدین الدمشقی، حافظ ابن حجر

عسقلانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے آپ رحمہما اللہ تعالیٰ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے روایت کرتی ہیں، حافظ ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الکامل میں جب کہ حافظ ابن طاہر المقدسی

نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث ضعیف کو ذکر کیا ہے۔

(الاکمال لابن ماکولا ج ۷ ص ۱۹۳) (تاج العروس ج ۱۶ ص ۵۲۹) (تاریخ دمشق ج ۷ ص ۷۰) (رقم ۹۱۳۲) (تہذیب

المستہبہ بتحریر المستہبہ ج ۲ ص ۱۲۸۰) (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۴ ص ۲۶۶ رقم ۶۰۷۰) (ذخیرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۱۵ رقم

۳۲۸۰) (العیاب الزاخر)

ان ائمہ اسلام کی تصریحات سے ان کا تابعیہ ہونا واضح ہے، ان کے کفر پر تو دور کی بات فسق و فجور پر کوئی بات کسی سند صحیح سے ثابت نہیں۔

### فیضی متبع قلب ہٹی کا قول

لیکن فیضی بدین نے مستشرقین کے اقوال کا سہارا لے کر ان کا غیر مسلم ہونا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

”قرائن و احوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خصی شخص کے آنے پر میسون بنت بحدل کا اپنے

شوہر پر چڑھائی کرنے کا سبب اس کی پارسائی نہیں تھا، بلکہ وہ اس عمل سے اپنے خاوند کو خفت

سے دوچار کرنا چاہتی تھی، اس لیے کہ وہ ایک عیسائی عورت تھی اس کا امیر شام کے نکاح میں آنا

عیسائی حکمت عملی کے تحت تھا۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۳۱۸)

لعنت اللہ علی الکذبین۔ دلیل کیا ہے ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں:

”ہمارے مؤرخین اور علماء انساب میں سے کسی نے بھی میسون کے مسلمان ہونے کی تصریح

نہیں کی، ماسوا اس کے کہ علامہ صفائی لاہوری نے اسے تابعیہ لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ انہوں

نے فقط اصطلاحی طور پر لکھا ہے ورنہ عند الشریعہ تو اس کے شوہر بھی تابعین بالاحسان میں سے

نہیں تھے جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں اشارہ کر چکے ہیں اور ہماری کتاب الصحابة والاطقاء

میں اس کی مکمل تفصیل موجود ہے، اس کے برعکس اس کے عیسائی ہونے کے شواہد زیادہ ہیں۔

چنانچہ ڈاکٹر رضوان علی ندوی مشہور مؤرخ قلب ہٹی کے حوالے سے لکھتے ہیں: یزید کی ماں کے

حوالے سے یہ بات قدیم عربی تواریخ میں لکھی ہے کہ وہ شام کے عرب قبیلے بنی کلب (جس

کے اکثر لوگ قدیم سے عیسائی ہو گئے تھے) کے ایک سردار کی بیٹی میسون بنت بحدل تھی۔

ہمارے مؤرخ اس کے مذہب کی تصریح نہیں کرتے۔ لیکن لبنان کے اس عیسائی عرب نے

اقول وبالله التوفیق! کیا حافظ ابرج ماکولا، حافظ ابن نقطہ، حافظ ناصر الدین دمشقی، حافظ ابن حجر عسقلانی، امام صفائی اور امام زبیدی رحمہم اللہ تعالیٰ ہمارے علما میں سے نہیں ہیں، ضرور ہیں لیکن ہمارے علما میں سے ہیں فیضی کے علما میں سے نہیں، اس کے علما کون ہیں یہ اوپر واضح ہو چکا ہے۔ ”الجنس یحیل الی جنسہ“ یا فارسی میں کہیں تو

ثانیاً: اگر حافظ صفائی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اصطلاحاً حاکم کو تابعیات میں سے شمار کیا ہے تو ذرا عوام کو بتاتا تو تھا کہ اصطلاحی اعتبار سے تابعی کس کو کہتے ہیں؟ کیوں بتاتے؟ یا تو بوجہ جہالت معلوم ہی نہیں تھا یا بوجہ خیانت چھپا لیا کہ بتاتے تو پول کھل جاتا کیونکہ اصطلاحاً حاکم تو تابعی کے لیے مسلم ہونا شرط ہے۔

مفتیان اسلام بالخصوص مفتی خان قادری توجہ فرمائیں!

رابعاً: ائمہ نے جب ان کو تابعیات میں سے شمار کیا، اور راویان حدیث میں ذکر کیا، تو کیا حکم ہوگا  
 ثرئی اعتبار سے اس شخص پر جو اندازے سے کسی پر کفر کا حکم لگائے؟ ایک مقام پر کہے کہ وہ ایک عیسائی

عورت تھی اور دوسرے مقام پر کہے: ”تاہم ظاہر یہ ہے کہ وہ عیسائی ہی تھی“  
امید ہے مفتی خان قادری صاحب حکم شرع کا اظہار ضرور فرمائیں گے۔

### فیضی کی ہرزہ سرائی

فیضی ناخلف، اپنے بغض باطن کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”جس عورت کو ابن کثیر اور ہمارے لکیر کے فقیر امیر اہلسنت اس قدر پارسا بنا کر پیش کر رہے ہیں کیا واقعہ وہ ایسی پارسا تھی؟ ہرگز نہیں تھی، اس کی دلیل یہ ہے کہ امیر شام نے میسون کی موجودگی میں ایک عورت سے شادی کی تو میسون کو اس کے جسم کا معائنہ کرنے کا حکم دیا۔ میسون نے اس عورت کی شرمگاہ تک کا معائنہ کیا، چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں: اور انہوں [معاویہ] نے نائلہ بنت عمارہ الکلبیہ سے بھی نکاح کیا جس کا حسن انہیں اچھا لگا اور انہوں نے میسون بنت بحدل سے کہا: جا کر اپنی عم زادی کو دیکھو۔ وہ اندر گئی تو معاویہ نے اس سے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: وہ حسن و جمال میں کامل ہے لیکن میں نے اس کی ناف کے نیچے ایک تل دیکھا ہے اور میرا خیال ہے اس کا خاوند قتل ہو جائے گا اور اس کا سراں کی گود میں رکھا جائے گا تو حضرت معاویہ نے اسے طلاق دے دی اور ان کے بعد حبیب بن سلمہ فہری نے اس سے نکاح کر لیا پھر اس کے بعد نعمان بن بشیر نے اس سے نکاح کیا اور قتل ہو گئے اور ان کا سراں کی گود میں رکھا گیا“۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۳۱۳-۳۱۴)

اس کے بعد موصوف نے ہیڈنگ لگائی: ”کیا عورت کا عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے“ اور پھر اس میں خوب رنگ بھرا ہے۔

اقول وبالله التوفیق! اولاً: فیضی صاحب تو بزعم خود بڑے محقق ہیں جہاں دلائل ان کو لے جاتے ہیں یہ اسی طرف چلے جاتے ہیں تو آپ نے یہاں کیوں تحقیق نہ کی کہ یہ واقعہ ثابت بھی ہے یا نہیں؟ جہاں سے موصوف نے واقعہ نقل کیا اس مقام پر یہ بات بلا سند مذکور ہے کیا محقق اعظم کے لیے حلال ہے کہ وہ بلا سند بات کے ذریعے کسی پر تہمت لگائیں؟

ثانیاً: فیضی صاحب کے یہاں شاید یہ رواج ہوگا کہ اگر گھر کی خواتین کو کمرے میں دلہن کو دیکھنے کے لیے بھیجا جائے تو اندر جانے والی دلہن کے جسم کا معائنہ کرنے کے لیے جاتی ہے، البدایہ والنہایہ میں عربی

الفاظ یہ تھے: ادخل فانظري إلى ابنة عمك جس کا ترجمہ موصوف نے یہ کیا ”جا کر اپنی عم زادی کو دیکھو“ اور تمہیدی الفاظ یہ لکھے: ”امیر شام نے میسون کی موجودگی میں ایک عورت سے شادی کی تو میسون کو اس کے جسم کا معائنہ کرنے کا حکم دیا“ اب یہ توفیقی صاحب ہی بتا سکیں گے کہ عم زادی یعنی چچا زاد کو دیکھو کا معنی جسم کا معائنہ کرنا کیسے ہوتا ہے؟ فیضی صاحب تجربہ کار آدمی ہیں شاید نانا دادا بن گئے ہوں گے، نہ جانے کس کس کے جسم کے معائنہ کے لیے خواتین کو اندر بھیجا ہوگا۔

ثالثاً: عربی الفاظ یہ تھے: رأیت تحت سرتها خالا جس کا ترجمہ موصوف نے یہ کیا ہے: ”لیکن میں نے اس کی ناف کے نیچے ایک تل دیکھا ہے“ تحت السرة کا معنی شرمگاہ بنتا ہے؟ غالباً فیضی صاحب جس طرح اپنے کو آپ کو سنی سمجھتے ہیں اسی طرح حنفی بھی سمجھتے ہی ہوں گے احناف کے نزدیک قیام میں ہاتھ تحت السرة باندھے جاتے ہیں کیا اس کا معنی یہ ہوگا کہ فیضی صاحب نماز میں.... پر ہاتھ باندھتے ہیں؟

رابعاً: فیضی صاحب نے بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کیا کہ انہوں نے معائنہ کیا اور شرمگاہ کا بھی معائنہ کیا؟ اگر فیضی صاحب کہیں تشریف فرما ہوں اور اتفاق سے کپڑا کچھ نیچے ہو جائے اور فیضی صاحب کے کسی چاہنے والے کی نظر ناف سے نچلے حصے پر پڑ جائے تو وہ یہ کہے گا میں نے حضرت کے ناف کے نچلے حصے کو دیکھا یا یوں کہے گا: میں نے حضرت..... کا معائنہ کیا؟

یہاں ایسا کیوں ممکن نہیں کہ دلہن کا کپڑا ہٹنے کی وجہ سے میسون بنت بحدل کی نظر اتفاقاً پڑ گئی ہو؟ فیضی کی نظر میں یہ ممکن نہیں اس لیے کہ وہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ تھیں۔

بہر حال یہ توفیقی صاحب کے رنگیلی کہانی گھڑنے کا جواب تھا ورنہ اس واقعے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔  
تاریخ کی اس طرح کے واقعات میں شرعی حیثیت

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مہمہ عظیمہ (مشاجرات صحابہ میں تواریخ و سیر کی موشح حکایتیں قطعاً مردود ہیں) افادہ ۲۳ پر نظر تازہ کیجئے وہاں واضح ہو چکا ہے کہ کتب سیر میں کیسے کیسے بزدلوں، مطعونوں، شدید الضعفوں کی روایات بھری ہیں، وہیں کلبی رافضی متہم بالکذب کی نسبت سیرت عیون الاثر کا قول گزرا کہ اُس کی غالب روایات سیر و تواریخ ہیں جنہیں علما ایسوں سے روایت کر لیتے ہیں، وہیں سیرت انسان العیون کا ارشاد گزرا کہ سیر موضوع کے سوا ہر قسم ضعیف و سقیم و بے سند حکایات کو جمع کرتی ہے پھر انصافاً یہ بھی انہوں نے سیر کا منصب بتایا جو اُسے لائق ہے کہ موضوعات تو اصلاً کسی کام کے

## سیدنا معاویہؓ پر ائمہ اہل سنت کی نفی

نہیں انہیں وہ بھی نہیں لے سکتے ورنہ بظہر الواقع یہ میں بہت اہم ذمہ دار ہوں جو سے میں نے انہیں  
بہر حال فرق مراتب نہ کرنا اگر ہوں نہیں تو بد مذہبی ہے بد مذہبی نہیں تو ذہان ہے یہ میں باہمی باتوں سے  
لئے ہے اُس میں حد سے تجاوز نہیں کر سکتے، اُس کی روایات مذکورہ کی نفی و انکار سے مسلمان بھی نہیں  
نہیں نہ کہ معاذ اللہ اُن و اہلیات و فضائل و بے روپا حکایات سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین  
علیہم افضل الصلاۃ والسلام پر طعن پیدا کرنا ائمہ اہل سنت کا اہم ترین رکن ہے اہل سنت و اجماع  
نہ کرے گا مگر گمراہ بدوین مخالف و منقاد قبیحین، آج کل سے بد مذہب مرتدین انقلاب مخالف شیعہ  
جزافات سیر و خرافات تواریخ و امثالہا سے حضرات عالیہ خلفائے راشدین و ام المومنین و ائمہ و زعماء  
و عمرو بن العاص و مغیرہ بن شعبہ و غیر ہم اہل بیت و صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مطاعن مردودہ و ان کے باہمی  
مشاجرات میں موش و مہمل حکایات بیہودہ جن میں اکثر دوسرے سے لذب و وائض اور بہت الحاقات  
ملعونہ و روافض سے چھانٹ لاتے اور اُن سے قرآن عظیم و ارشادات مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ایمان  
اُمت و اساطین ملت کا مقابلہ چاہتے ہیں بے علم لوگ انہیں سن کر پریشان ہوتے یا فکر جواب میں پڑتے  
ہیں اُن کا پہلا جواب یہی ہے کہ ایسے مہملات کسی ادنیٰ مسلمان کو کتب کا رٹھہرا نے کیلئے مسموع نہیں ہوتے نہ  
کہ اُن محبوبانِ خدا پر طعن جن کے مدائح تفصیلی خواہ اجمالی سے کلام اللہ و کلام رسول اللہ مالا مال تھا بل  
جلالہ، و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، امام حجۃ الاسلام مرشد الانام محمد محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی اہل العلوم شریف  
میں فرماتے ہیں:

لا تجوز نسبة مسلم الا کبيرة من غير تحقیق نعم يجوز ان يقال ان ابن ملجم قتل

علیاً فان ذلك یثبت متواتراً.

”کسی مسلمان کو کسی کبیرہ کی طرف بے تحقیق نسبت کرنا حرام ہے، ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابن

ملجم شقی خارجی اشقی الآخِرین نے امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کیا کہ یہ تواتر ثابت

ہے۔“

حاشا للہ! اگر مورخین و امثالہم کی ایسے حکایات ادنیٰ قابل التفات ہوں تو اہل بیت و صحابہ درکنار خود

حضرات عالیہ انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہم اجمعین سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے کہ ان

مہملات مخذولہ نے حضرات سعادتنا و مولانا آدم صفی اللہ و داؤد خلیفۃ اللہ و سلیمان نبی اللہ و یوسف رسول اللہ

سید المرسلین محمد حبیب اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک سب کے بارہ میں وہ وہ ناپاک یہودہ حکایات موشہ نقل کی ہیں کہ اگر اپنے ظاہر پر تسلیم کی جائیں تو معاذ اللہ اصل ایمان کو رد کر بیٹھنا ہے ان ہولناک باطل کی بعض تفصیل مع رد جلیل کتاب مستطاب شفا شریف امام قاضی عیاض اور اس کی شروح وغیرہا سے ظاہر لاجرم ائمہ ملت و ناصحان اُمت نے تصریحیں فرمادیں کہ ان جہال و ضلال کے مہملات اور سیر و تاریخ کی حکایت پر ہرگز کان نہ رکھا جائے شفا و شروح شفا و مواہب و شرح مواہب و مدارج شیخ محقق وغیرہا میں بالاتفاق فرمایا۔۔۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۵۸۲-۵۸۳)

امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسلاف کے کلام کا خلاصہ یہاں بیان فرمادیا ہے کہ سیر و تاریخ کی کتب جن بالائی باتوں کے لیے ہیں ان ہی پر مختصر ہوں گی فضائل وغیرہ میں تو ان کی وہ باتیں جو دیگر نصوص کے معارض نہیں قبول کی جائیں گی لیکن اس کے ذریعے مشاجرات پر کلام کرنا یا صحابہ کرام علیہم الرضوان پر طعن کرنے کے لیے ان کو سند بنانا یا تو جاہل کا کام ہے یا بد مذہب مریض القلب کا۔

ان تواریخ میں اس طرح کی جو باتیں ہیں اگر ان کو لے لیا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ نہ صحابہ کرام علیہم الرضوان محفوظ رہیں گے، نہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، نہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام نہ فرشتے۔

لیکن فیضی کا کہنا ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف تاریخ تو دور کی بات ہے شیطان بھی ان کو کوئی بات بتائے گا تو بسر و چشم اسے قبول کریں گے۔ میسون بنت بحدل کو موصوف نے عیسائی ثابت کرنے کے لیے جو دلیل دی وہ تو آپ نے ملاحظہ فرمائی ہے اور جو واقعہ موصوف نے ذکر کیا اس سے بھی ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح کی باطل باتوں پر موصوف نے کئی صفحات کا لے کرتے ہوئے اپنے نامہ اعمال کو مزید سیاہ کیا ہے۔ جب بنیاد ہی باطل تو عمارت کی حیثیت کیا رہی۔

اس واقعے کا ماخذ کیا ہے؟

اس واقعے کو امام طبری نے تاریخ میں روایت کیا ہے، سند یوں بیان کی ہے: حدثنی أحمد عن علی قال: لما تزوج معاویة... الخ۔

ہم فضائل کی روایات کو فقط جہالت راوی کی وجہ سے رد کرنے والے اور ان کو موضوع قرار دینے والے عصر حاضر کے محقق فیضی صاحب سے مطالبہ کرتے ہیں ذرا تعین فرمائیں کہ یہاں احمد سے مراد کون

ہیں؟ اور ان کے شیخ علی کون ہیں؟ نیز ان کے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان اتصال ہے یا انقطاع؟ اتصال ثابت کریں، ورنہ مثالب کے لیے منقطع روایت سے استدلال کرنے والے کا حکم بیان کریں۔

اب ایسی مجروح، منقطع روایت پر فیضی صاحب نے پوری عمارت کھڑی کر دی کہ صرف میسون کے خبر دینے پر طلاق دینا کیسا پھر لکھتے ہیں: اب یہ وضاحت تو امیر اہل سنت ہی کر سکتے ہیں کہ ان کی فیض دہندہ ہستی نے محض ایک وجہ سے جو طلاق دی وہ طلاق احسن تھی طلاق حسن تھی طلاق بدعی تھی، یا پھر اجتہاد تھا اور اگر اجتہاد تھا تو کون سا دو اجروں والا یا ایک اجر والا؟ (الاحادیث الموضوعات ص ۳۱۶)

اقول وباللہ التوفیق! فیضی صاحب اغلوطات کے ذریعے عوام کو مرعوب کر سکتے ہیں، ذرا بتائیں، جب یہ واقعہ البدایہ والنہایہ میں بے سند تھا تو آپ جو امیر نہیں بلکہ نوکر ہیں تو آپ پر لازم تھا کہ اس کی تحقیق کرتے کہ اس واقعے کی سندی حیثیت کیا ہے۔ جب آپ نے اس کی سندی تحقیق بیان نہیں کی تو اس واقعے سے استدلال کرنے کا حکم کیا ہوگا؟ پھر ذرا یہ بتائیں کہ جس بے سند واقعے سے آپ صفحات پر صفحات کالے کیے جا رہے ہیں اس میں یہ کہاں ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جسم کا معائنہ کرنے بھیجا تھا؟ جب یہ نہیں صرف خاتون کو دیکھنے کے لیے بھیجا تو اس کا معنی جسم کا معائنہ کرنا کیسا ہو گیا؟ اور آخر میں آپ نے یہ لکھا کہ پورے جسم کا معائنہ کروایا۔ کس جملے کا یہ معنی ہے؟ جب ایسا کوئی جملہ ہے ہی نہیں تو پھر یہ تہمت لگانے والے کا حکم کیا ہوگا؟ پھر میسون بنت بحدل پر یہ الزام انہوں نے شرمگاہ کا معائنہ کیا، حالانکہ ناف کے نیچے تل تھا، جس پر ان کی نظر اتفاقاً پڑنا ممکن اس کے لیے یہ جملہ استعمال کرنا کیسا ہے؟ پھر اگر انہوں نے ناف کے نیچے تل دیکھا تو ہمیں حسن ظن کا حکم ہے ممکن ہے اتفاقاً کپڑے ہٹنے کی وجہ سے نظر پڑ گئی ہو آپ اس پر پوری کہانی بنا رہے ہیں آپ کے لیے کیا حکم ہوگا؟

اس کے بعد موصوف نے اسی البدایہ والنہایہ سے ایک اور بے سند واقعہ نقل کیا اور اس پر داستان بنالی۔ اولاً خصی بنانے والے واقعے کی سند پیش کریں۔

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں: ”یہاں یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ اسلام میں خصی خادم رکھنے والے پہلے شخص معاویہ ہی ہیں، چنانچہ امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کی اولیات کے بیان میں زبیر بن بکار سے نقل کرتے ہیں: وأول من اتخذ الخدام الخصیان فی الإسلام وہ أول شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں



فہمی نوکر رکھے۔“

فیضی صاحب مثالب کی روایات ایسے ذکر کرتے ہیں جیسے فضائل بیان کر رہے ہیں، جناب آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی پر طعن کرنے کے لیے میدان میں اترے ہوئے ہیں، ذرا تحقیق کر کے بتائیں زبیر بن بکار نے اپنی کس کتاب میں اس کو ذکر کیا ہے اور کیا اس کی سند بیان کی ہے؟ اگر کی ہے تو سند کی توثیق ثابت کریں۔ اگر سند بیان نہیں کی تو پھر بے سند باتوں سے طعن کرنے کا شرعی حکم کیا ہوگا؟

اس طرح کی ضعیف و مرجوح روایات اور فلپ ہٹی کی تحقیق کے ذریعے فیضی صاحب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث حسن اللہم اجعلہ ہادیامہدیا کو رد کرنے چلے ہیں۔

### اکل باطل کی نسبت

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

عن عبد الرحمن بن عبد رب الكعبة قال دخلت المسجد فإذا عبد الله بن عمرو بن العاص جالس في ظل الكعبة والناس مجتمعون عليه فأتيتهم فجلست إليه فقال كنامع رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في سفر فنزلنا منزلا فمنا من يصلح خبَاءة ومنا من ينتضل ومنا من هو في جشرة إذ نادى منادى رسول الله - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - الصلاة جامعة. فاجتمعنا إلى رسول الله - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - فقال "إنه لم يكن نبى قبلى إلا كان حقا عليه أن يدل أمته على خير ما يعلمه لهم وينذرهم شر ما يعلمه لهم وإن أمتكم هذه جعل عافيتها في أولها وسيصيب آخرها بلاء وأمر تنكرونها وتجيء فتنة فيرقق بعضها بعضا وتجيء الفتنة فيقول المؤمن هذه مهلكتى. ثم تنكشف وتجيء الفتنة فيقول المؤمن هذه هذه. فمن أحب أن يرحل عن النار ويدخل الجنة فلتأته منيته وهو يؤمن بالله واليوم الآخر وليأت إلى الناس الذى يحب أن يؤتى إليه ومن بايع إماما فأعطاه صفقة يده وثمرة قلبه فليطعه إن استطاع فإن جاء آخر ينازعه فاضربوا عنق الآخر." فدنوت منه فقلت له أنشدك الله أنت سمعت هذا من رسول الله - صلى الله

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ فأهوى إلى أذنيه وقلبه بیدیه وقال: سمعته أذنای ووعاه قلبی۔ فقلت له: هذا ابن عمك معاوية يأمرنا أن نأكل أموالنا بيننا بالباطل ونقتل أنفسنا والله يقول (يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيماً) قال فسكت ساعة ثم قال أطعه في طاعة الله واعصه في معصية الله

”عبدالرحمن بن عبد رب الکعبہ بیان کرتے ہیں میں مسجد (حرام) میں داخل ہوا، وہاں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کعبے کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ ان کے ارد گرد جمع تھے، میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا، انہوں نے فرمایا ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، ایک جگہ ہم نے پڑاؤ کیا، ہم میں سے بعض خیمے لگانے لگے، بعض تیروں کے پھل درست کرنے لگے، اور بعض اپنے مویشیوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے منادی نے ندا دی: نماز کی جماعت قائم ہونے لگی ہے۔ ہم تمام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ سے پہلے جو بھی نبی گزرے سب کے ذمہ تھا کہ وہ اپنی امت کی اس بہتر بات کی طرف رہنمائی کرے جو ان کے حق میں جانتا ہے، اور اس جو برائی ان کے بارے میں جانتا ہے اس سے ان کو ڈرائے۔ رہا تمہاری اس امت کا معاملہ تو اس کے ابتدائی حصے میں تو عافیت اور آخری حصے میں آزمائش اور ایسے امور ہوں گے جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، پس ایسے فتنے آئیں گے جو ایک سے بڑھ کر ایک ہوں گے، جب ایک فتنہ آئے گا تو مؤمن کہے گا یہ تو مجھے ہلاک کر دینے والا ہے، پھر وہ فتنہ دور ہو جائے گا، پھر دوسرا فتنہ آئے گا تو مؤمن کہے گا یہی ہے یہی ہے (جو مجھے ہلاک کرنے والا ہے)، تو جو شخص یہ پسند کرے کہ اسے جہنم سے بچایا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے، تو اسے موت اس حالت میں آئے کہ وہ اللہ عزوجل اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اور لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو اپنے ساتھ کیے جانے کو پسند کرتا ہے، اور جو کسی امام کی بیعت کر لے، اور صدق دل کے ساتھ اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدے تو حتی الوسع اس کی

اطاعت کرے، پھر اگر دوسرا شخص آئے جو اس سے جھگڑے تو اس کو قتل کر دو۔ عبد الرحمن کہتے ہیں میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قریب ہوا اور ان سے عرض کی میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے؟ تو انہوں نے اپنے کانوں اور اپنے دل کی طرف اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا اور فرمایا: یہ بات میرے کانوں نے سنی اور دل نے یاد رکھی ہے، تو میں نے ان سے کہا کہ یہ آپ کے چچا کے بیٹے ہیں جو ہمیں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے کھانے اور آپس میں قتال کا حکم دیتے ہیں: جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد ہے: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ذریعے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی رضامندی سے تجارت کے ذریعے اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر رحم فرمانے والا ہے۔ یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا: ان کی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اطاعت کرو، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے کاموں میں بات نہ مانو۔ (صحیح مسلم ج ۸ ص ۱۸ رقم ۴۸۸۲)

اس روایت کو پڑھ کر اگر کچھ بھی کسی نے مطالعہ کیا ہو اور تعصب و بغض معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خالی ہو تو خود جان سکتا ہے کہ یہ قائل کا اپنا گمان تھا چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجتہادی خطا کے مرتکب ہوئے تھے اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی حق و صواب پر تھے، حضرت عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گمان اور تاویل کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے یہ گفتگو کی ہے، ورنہ حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

آئیے علمائے اسلام کے اس حوالے سے ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس روایت کی شرح میں فرماتے ہیں:

وما ذكره عبد الرحمن عن معاوية إغتياء في الكلام على حسب ظنه وتأويله، وإلا

فمعاوية رضي الله عنه لم يعرف من حاله ولا من سيرته شيء مما قاله له

”اور جو کچھ عبد الرحمن نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ذکر کیا ہے یہ

ان کے اپنے گمان اور تاویل کی وجہ سے کلام حد سے بڑھنا ہے ورنہ حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال و سیرت میں کوئی ایسی بات معروف نہیں جو عبد الرحمن نے کہی

ہے۔ (المفہم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم ن؛ ص ۵۲)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

المقصود بهذا الكلام أن هذا القائل لما سمع كلام عبد الله بن عمرو بن العاص وذكر الحديث في تحريم منازعة الخليفة الأول وأن الثاني يقتل فاعتقد هذا القائل هذا الوصف في معاوية لمنازعته علياً رضي الله عنه وكانت قد سبقت بيعة علي فرأى هذا أن نفقة معاوية على أجناده وأتباعه في حرب علي ومنازعته ومقاتلته إياه من أكل المال بالباطل ومن قتل النفس لأنه قتال بغير حق فلا يستحق أحداً ما لا في مقاتلته

”اور مقصود اس کلام کے ساتھ یہ ہے کہ قائل نے جب حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا کلام سنا اور انہوں نے پہلے مقرر ہونے والے خلیفہ سے منازعت کی تحریم کو سنا اور یہ سنا کہ دوسرے کو قتل کر دیا جائے گا، تو اس قائل نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ وصف گمان کر لیا، کیونکہ انہوں نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی بیعت پہلے کر لی گئی تھی ان سے منازعت کی تھی، اور اس قائل نے یہ سمجھا حضرت امیر معاویہ کا اپنے لشکر اور پیروکاروں پر حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جنگ آپ سے منازعت و قتال میں خرچ کرنا اور مال کو باطل طریقے سے کھانے اور قتل نفس میں سے ہے کیونکہ آپ کا یہ قتل بغير حق کے ہے، لہذا اس قتال میں کوئی بھی کسی مال کا مستحق نہیں ہے۔“

(شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۶ ص ۱۷۶)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ تصریح کر چکے کہ یہ قائل کا گمان ہے، اور اس پر اہلسنت متفق ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل حصول امارت کے لیے نہیں تھا، بلکہ قتل عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے لیے تھا، اس حوالے سے اہل سنت کا مذہب کیا ہے آئیے احناف کی ایک عظیم شخصیت، سید السادات خاتم المحققین سید ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

اعلم أرشدني الله وإياك وتولى هداي وهذاك أن أفضل الأمة بعد نبيها صلى الله تعالى عليه وسلم أصحابه الذين نضروا وبذلوا مهجهم في مرضاته وليس من

مؤمن ولا مؤمنة إلا ولهم في عنقه أعظم منه فيجب علينا تعظيمهم واحترامهم  
ويحرم سبهم والطعن فيهم ونسكت عما جرى بينهم من الحروب فإنه كان عن  
اجتهادهم هذا كله مذهب أهل الحق وهم أهل السنة والجماعة وهم الصحابة  
والتابعون والأئمة المجتهدون ومن خرج عن هذا الطريق فهو ضال مبتدع أو  
كافر

”جان لے! اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے سیدھی راہ پر چلائے، اور میری اور تیری ہدایت کا والی ہو۔  
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی امت میں سب سے افضل آپ کے صحابہ  
ہیں جنہوں نے آپ کی مدد کی اور اپنی زندگی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد میں  
صرف کی ہر مومن مرد و عورت کے پر ان کی بہت بڑا احسان ہے، ہم پر ان کی تعظیم، ان کا  
احترام لازم ہے، اور ان پر سب کرنا ان پر طعن کرنا حرام ہے، اور ان کے درمیان جو معاملات  
ہوئے ہم ان سے سکوت کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کے اجتہاد کی وجہ سے تھے یہ تمام اہل حق کا  
مذہب ہے، اور وہ اہل حق اہل سنت و جماعت ہیں، اور صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین اہل سنت  
و جماعت ہی ہیں تو جو اس راہ سے دور ہوا وہ گمراہ، بد دین ہے یا کافر ہے۔“ (تنبیہ الولاة  
والحکام علی احکام شاتم خیر الانام ضمن مجموعۃ رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۵۴۷-۵۴۸)

جب یہ اجتہادی خطا تھی تو اس کو مال باطل کھانا راوی کے گمان میں تو ہو سکتا ہے، حقیقت کے اعتبار  
سے نہیں۔

فیضی صاحب کے پسندیدہ شارح صاحب الکوکب الوہاج نے امام قرطبی امام نووی رحمہما اللہ تعالیٰ کی  
اس شرح کو نقل کر کے مقرر رکھا ہے اور لکھا ہے:

فاتضح بتفسیر النووی رحمہ اللہ تعالیٰ أنه ليس مراد القائل أن معاوية رضي الله  
تعالى عنه كان يخنون في بيت المال والعياذ بالله أو يقتل الناس بغیر حق ولا اجتہاد  
كما زعم بعضهم فإنه لم يثبت ذلك عنه بطريق موثوق له وهو من فضلاء  
الصحابة رضي الله عنهم والله أعلم.

”امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر سے واضح ہوا کہ قائل کی مراد یہ نہیں تھی کہ حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المال میں خیانت کرتے العیاذ باللہ، یا آپ لوگوں کو بغیر حق یا اجتہاد کے قتل کر رہے تھے جیسا کہ بعض لوگوں نے گمان کیا ہے، کیونکہ یہ بات کسی ثقہ طریقے سے ثابت نہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ فضلاً عنہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے تھے۔  
(الکو کب الوہاج شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۰)

پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عبد رب الکعبہ یہ تابعی ثقہ بزرگ ہیں اور کوئی ہیں، اور اہل کوفہ بالخصوص اس دور کے عمومی طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سخت خلاف تھے۔  
ان تمام نقول سے تو یہ واضح ہے کہ یہاں عبدالرحمن بن عبد رب الکعبہ کا اپنا گمان تھا اور ظاہر ہے ان کا گمان غلط تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخالفت کرنا اجتہاد کی بنیاد پر تھا جس کی صراحت آپ اوپر پڑھ چکے ہیں، لیکن اس دور کے سب سے بڑے بغض معاویہ رکھنے والے فیضی صاحب لکھتے ہیں: ایمان سے بتائیے! کیا حضرت عبدالرحمان نے غلط سمجھا تھا؟ کیا سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جنگی معاملات میں خرچ کرنا اور ان کے خلاف اپنے قبیعین کی وفاداریاں حاصل کرنے میں مال خرچ کرنا حلال تھا؟ ہرگز نہیں۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۱۶)

یہ فیضی صاحب کی رائے ہے، جبکہ ائمہ اہل سنت کا موقف آپ علامہ سید ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ سے سماعت کر چکے ہیں، اور اس کی صراحت صرف علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ ہی نے نہیں لا تعداد ائمہ اہل سنت کر چکے ہیں کہ یہ اجتہادی خطا تھی اور ان کا یہ معاملات اختیار کرنا اپنے اجتہاد کی بنیاد پر تھا۔ جس کی روشنی میں واضح ہے کہ عبدالرحمن بن عبد رب الکعبہ کی یہ اپنی سوچ اور گمان تھا۔ حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

پھر موصوف اپنے پیش رو کی طرح ایک اعتراض نقل کرتے ہیں انداز ملاحظہ فرمائیں کیا یہ کسی سنی کا

انداز ہے؟ لکھتے ہیں:

”امیر شام کو مال اس قدر مرغوب تھا کہ وہ حاکمانہ اختیار استعمال کرتے ہوئے مال غنیمت میں سے سونے چاندی کو تقسیم سے پہلے ہی اپنے لیے خاص کرنے کا حکم فرماتے تھے، دستور دنیا داری یہ ہے کہ بادشاہوں کے ایسے احکام پر اکثر عمل ہو جاتا ہے تو معاملہ باہر نہیں آتا لیکن کبھی بعض ایمان دار اور امانت دار حضرات ایسے احکامات پر عمل کرنے سے پرہیز کریں تو بات

پبلک میں چلی جاتی ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ متعدد کتب حدیث و سیر وغیرہ میں آیا ہے کہ زیاد بن ابیہ جب معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا تو اس نے خراسان کی طرف ایک لشکر بھیجا اور اس کا سربراہ صحابی رسول سیدنا حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا۔ انہوں نے خراسان کو فتح کر لیا اور کثیر مال غنیمت حاصل کیا۔ زیاد نے انہیں ایک خط روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا: اما بعد، امیر المؤمنین نے میری طرف ایک خط لکھا ہے کہ سونا چاندی ان کے لیے الگ کر لیا جائے لہذا سونا چاندی مجاہدین میں تقسیم نہ کیا جائے۔ جواباً سیدنا حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی طرف یوں لکھ بھیجا: تمہارا خط مجھے پہنچ چکا ہے، تم نے اس میں امیر المؤمنین کی کتاب (خط) کا ذکر کیا ہے، جبکہ میرے پاس امیر المؤمنین کی کتاب (خط) سے قبل اللہ کی کتاب موجود ہے اور اللہ کی قسم! اگر زمین و آسمان کسی بندے کے کھلنے کے لیے باہم مل جائیں اور وہ بندہ خوفِ الہی رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے نکلنے کی سبیل پیدا فرمادیتا ہے۔ والسلام۔ پھر سیدنا حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ وہ مال غنیمت آپس میں تقسیم کر لیں۔ معاویہ نے چونکہ سیدنا حکم بن عمرو کو تقسیم کے متعلق ایک حکم کیا تھا، انہوں نے اس حکم کی تعمیل نہ کی تو انہیں قید کر دیا گیا اور وہ اسی قید میں انتقال فرما گئے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب ان کے پاس یہ خط پہنچا اور انہوں نے اس کی تعمیل نہ کی تو اس موقع پر ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے تھے: اے اللہ! اگر میرے لیے تیرے پاس کوئی خیر ہے تو مجھے اپنے پاس بلا لے، پھر وہ اسی عرصہ میں خراسان کے علاقہ مرو میں انتقال فرما گئے۔“ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۱۷)

افسوس فیضی صاحب یہ روایت سنداً ضعیف ہے اور احتمالات کثیرہ پر مشتمل ہے، اس لیے آپ کے لیے تو ویسے بھی مفید نہیں۔

موصوف نے اس کے لیے کئی کتابوں کے حوالے دیے ہیں لیکن اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ ذرا اس کی تحقیق کر لیتے کہ روایت صحیح بھی ہے یا نہیں۔

اس کی سند میں هشام بن حسان راوی ہیں جن کے بارے میں بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ ثقہ راوی ہیں لیکن ان کی حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے میں کلام ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی

لکھتے ہیں:

ثقة من أثبت الناس في ابن سيرين وفي روايته عن الحسن وعطاء مقال لأنه قيل  
كان يرسل عنهما

”ثقة ہیں ابن سیرین سے روایت کرنے میں سب سے مضبوط ہیں، اور حسن بصری اور عطا  
سے ان کی روایت کے میں کلام ہے اس لیے کہ کہا گیا ہے کہ یہ ان دونوں سے مرسل روایت  
کرتے ہیں۔“ (تقریب التہذیب ص ۶۰۲ رقم ۷۲۸۹)

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وروي أبو بكر بن أبي شيبة عن ابن عليّة قال: كنا لنعدهشام بن حسان في الحسن  
شيثا

”ابو بکر بن ابی شیبہ، ابن علیہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: ہم ہشام بن حسان کی حسن  
بصری سے روایت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔“ (سیر أعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۵۷)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إنما تكلموا في حديثه عن الحسن وعطاء لأنه كان يرسل، وكانوا يرون أنه أخذ كتب  
حوشب

”محدثین نے محض ان کی حسن اور عطا سے حدیث میں کلام کیا اس لیے کہ آپ ان سے مرسل  
روایت کرتے ہیں، محدثین کا خیال ہے کہ انہوں نے حوشب کی کتب سے (حسن بصری کی  
روایت کو) اخذ کیا ہے۔“ (سؤالات أبي عبيد الآجري لأبي داود ص ۲۸۴ رقم ۴۰۵)

یہی حال الطبقات الکبریٰ، تہذیب الکمال، اور سیر اعلام النبلاء کی سند کا ہے ان تمام میں ہشام بن  
حسان حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کر رہے۔

تاریخ طبری کی سند میں دو راوی ہیں عبدالرحمن بن صبح ان کے حالات باوجود تلاش کے کہیں نہیں مل  
سکے، دوسرے حاتم بن قبیصہ ان کا تذکرہ ابن ابی حاتم نے الجرح والتعديل میں کیا ہے لیکن کوئی جرح  
وتعديل نقل نہیں کی۔ دونوں راوی مجھول ہیں۔

استیعاب کی دونوں سندوں میں ہشام بن حسان ہیں جو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت



کر رہے، دوسری سند میں انقطاع بھی ہے، ابن عبد البر اور یزید بن ہارون کا سماع عالم روایا میں بطریق منام تو ہو سکتا ہے حقیقت میں نہیں۔

المنتظم کے رواة میں ہشتم بن عدی ہے جو متروک، کذاب راوی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ليس بشقة كان يكذب۔ (سان المیزان ج ۸ ص ۳۶۱ رقم ۸۳۱۲)  
یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ليس بشقة كان يكذب۔

(تاریخ یحییٰ بن معین رولۃ الدورۃ ج ۳ ص ۳۶۳ رقم ۱۷۶۷)

امام نسائی فرماتے ہیں: متروک الحدیث۔ (کتاب الضعفاء والمرتدین ص ۲۵۱ رقم ۶۴۲)

امام ابوداؤد فرماتے ہیں: کذاب۔ (سان المیزان ج ۸ ص ۳۶۱ رقم ۸۳۱۲)

امام عجلٰی کہتے ہیں: کذاب وقد رأيتہ۔ (الثقات للعجلی ج ۲ ص ۳۳۷ رقم ۱۹۲۴)

حافظ ساجی کہتے ہیں: کان یکذب۔ (سان المیزان ج ۸ ص ۳۶۱ رقم ۸۳۱۲)

جبکہ صفۃ الصفوہ میں بھی سند منقطع ہے، شرح ادب القاضی اور الکامل فی التاریخ لابن اثیر میں یہ روایت بے سند ہے۔

سند اس واقعہ کا حال آپ جان چکے، کہیں انقطاع ہے، کہیں سرے سے سند ہی نہیں، کہیں کذاب راوی لیکن مولوی فیضی صاحب تعزیہ کا لنگر سمجھ کے کھائے جا رہے ہیں۔ اصول اہل سنت تو یہ ہیں کہ اگر صحیح سند سے بھی ایسی کوئی بات کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں آئے تو اس کی تاویل کی جائے گی، لیکن یہ نجانے کون سے سنی ہیں جن کا موقف یہ ہے کہ جرم نہ بھی ہو تو ثابت کرنا ہے۔

البدایہ والنہایہ کا حوالہ کیوں نہیں دیا؟

ابن کثیر جس کا حوالہ موصوف نے زبردست چالاکی سے کام لیتے ہوئے نہیں دیا کیونکہ اس سے قبل ان کے بعض پیشرو البدایہ والنہایہ کا حوالہ دے چکے ہیں جس پر پکڑ ہوئی کہ وہاں تو یہ لکھا ہے: یجمع کلہ من هذه الغنیمۃ لبیت المال کے الفاظ ہیں، یعنی یہ مال جو الگ کرنے کا حکم دیا تو اس لیے کہ اس کو بیت المال میں جمع کیا جاسکے۔

لہذا اس لحاظ سے تو یہ اعتراض ہی باطل ہو گیا کہ اپنی ذات کے لیے مال منگوایا تھا۔

## مزید جوابات

اول: تو اس میں کوئی صراحت نہیں کہ یہ خط سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر لکھا گیا، زیاد کا اپنا فعل بھی ہو سکتا ہے۔

ثانیاً: اگر لکھا بھی گیا تو ممکن ہے اس وقت بیت المال کو سخت ضرورت ہو اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھتے ہوں کہ سونا چاندی جو جمع ہوگا وہ خمس جتنا ہی ہوگا اس لیے الگ کروانے کا حکم دے دیا۔ الی غیر ذلک من الاحتمالات الكثيرة القویة۔

## فیضی صاحب کے محقق العصر کا فیصلہ:

فیضی صاحب کے ادارے کے سربراہ مفتی خان قادری اپنی کتاب ”صحابہ کی وصیتیں“ میں لکھتے ہیں: محمد بن حکم سے روایت ہے کہ آپ (سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے وصال کے وقت یہ بھی وصیت کی تھی: میرے ذاتی اموال میں سے نصف بیت المال میں داخل کر دیا جائے گویا وہ ازراہ احتیاط اپنے مال کو صاف کرنا چاہتے تھے۔“

آپ جان چکے ہیں کہ فیضی صاحب کے قاعدے کے مطابق الاحادیث الموضوعہ مفتی خان قادری کی کتاب ہے، یہ کیسا تضاد ہے، ایک جگہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتنا محتاط ذکر کرتے ہیں اور دوسری طریقہ اہلسنت سے عدول کرتے ہوئے ایک منکر مطروح مجمل واقعہ سے ایک عظیم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام رکھنا چاہتے ہیں یہ ایک سنی سے تو متصور نہیں! پھر یہ صاحب ہیں کون؟ حضرت امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی جو شرح کی وہ گزر چکی ہے اس پر موصوف امام قرطبی پر بھی چڑھ دوڑے لکھتے ہیں: یہ امام ابو العباس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خوش فہمی ہے، ورنہ معاویہ کے ایسے احوال سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔۔۔ الخ۔

جس انداز میں یہ احوال آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ثابت کرنا چاہتے ہیں، اگر ان باتوں کا اعتبار کر لیا جائے تو کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا، اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا معاملہ تو ایک طرف رہا تاریخ کی کتب سے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تک محفوظ نہ رہے۔ جناب عقیدہ ان مجمل و مہمل واقعات سے نہیں بنتا عقیدہ قرآن و حدیث اور اسلاف کی تصریحات سے بنتا ہے، آپ سنی ہیں؟ اگر اہلسنت سے تعلق رکھتے ہیں تو ابتداء میں عدالت صحابہ کے تحت ہم نے ائمہ اہل سنت

کے بالعموم تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان اور بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے اقوال ذکر کیے ہیں، کیا یہ تمام کے تمام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان تمام احوال سے غافل تھے؟  
جنت کی بشارت

حضرت سیدتنا ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

أُنْهَآ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجِبُوا

”انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت کا پہلا لشکر جو سمندر میں غزوہ کرے گا انہوں نے (جنت کو) لازم کر لیا۔“

یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں، امام طبرانی نے معجم کبیر، معجم اوسط اور مسند الشامیین میں، ابن ابی عاصم نے الآحاد والثنائی اور کتاب الجہاد میں، حافظ ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ اور حلیۃ الاولیاء میں، امام حاکم نے مستدرک میں، امام بغوی نے شرح السنہ میں امام بیہقی نے دلائل النبوة اور دیلمی نے فردوس میں روایت کی ہے۔ (صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۲ رقم ۲۹۲۴ باب ما قیل فی قتال الروم) (المعجم الاوسط ج ۷ ص ۴۸ رقم ۶۸۱۲) (مسند الشامیین ج ۱ ص ۲۵۷ رقم ۴۴۵) (کتاب الجہاد لابن ابی عاصم ج ۲ ص ۶۶۲ رقم ۲۸۴) (الآحاد والثنائی ج ۶ ص ۹۸ رقم ۳۳۱۲) (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۶۲) (معرفۃ الصحابہ ج ۸ ص ۳۴۸۰ رقم ۷۸۹۵) (شرح السنہ ج ۱۳ ص ۳۱۲ رقم ۳۷۳۱) (الفردوس بآثار الخطاب ج ۳ ص ۳۸ رقم ۴۰۹۱)

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ العلل المتناہیہ پر اپنی تعلیقات میں فرماتے ہیں:

أَقُولُ وَبِاللَّهِ التَّوْفِيقُ: قَدْ فَتَحَ اللَّهُ بِمَنْهٍ وَكَرَمِهِ عَلَى حَدِيثِهَا صَحِيحًا يَشْهَدُ لِمَعَاوِيَةَ بِالْجَنَّةِ. أَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ عَنْ عَمِيرِ بْنِ الْأَسْوَدِ الْعَنْسِيِّ عَنْ أُمِّ حَرَامٍ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا - أَنَّهَا سَمِعَتْ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلَهُ وَسَلَّمَ - يَقُولُ: ((أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجِبُوا)) قَالَتْ أُمُّ حَرَامٍ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَنَا فِيهِمْ؟ قَالَ: ((أَنْتَ فِيهِمْ))

(صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۲ رقم ۲۹۲۴ باب ما قیل فی قتال الروم، طبع دار المنہاج، الطبعة الثالثة ۱۴۳۶ھ، تحقیق الشیخ محمد زبیر المنجد، مصر الناصر) تعلیقات کا کلام مفتی حسان صاحب کی تحریر سے لیا گیا ہے

ومعلوم أن هذا الغزو كان في خلافة سيدنا عثمان -رضي الله تعالى عنه- بإمرة معاوية -رضي الله تعالى عنه- فقد ثبت أنه من الذين وجبت لهم الجنة. وكان أميراً عليهم

”یعنی اللہ عزوجل کی توفیق سے میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان اور کرم سے مجھے حدیث صحیحہ پر مطلع فرمایا جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنتی ہونے کی گواہی دیتی ہے۔“

امام بخاری، عمیر بن اسود العنسی کے طریق سے اور وہ حضرت سیدتنا ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو سمندر میں غزوہ کرے گا انہوں نے واجب کر لی (یعنی جنت) ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ میں ان میں سے ہوں؟ فرمایا: تم ان میں سے ہو۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ یہ غزوہ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں ہوا تھا۔ لہذا ثابت ہوا آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے لیے جنت واجب ہوئی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ان کے امیر تھے۔

(تعلیقات الإمام أهل السنة على العلل المتناهیة ص ۵ مخطوط)

### اعتراضات فیضی کی حقیقت

یہ حدیث مبارک حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کو متضمن تھی اس لیے موصوف کے طعن سے کیسے محفوظ رہتی، موصوف نے اس پر سب سے پہلا یہ اعتراض کیا کہ اس کے تمام راوی شامی ہیں اور بعض تو حمصی ہیں، ہم یہ پوچھتے ہیں کیا کہیں یہ قاعدہ مذکور ہے کہ شامیوں اور حمصیوں کی روایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں ہو تو مقبول نہیں؟

ثانیاً: یہاں تو مطلقاً صحابہ کرام علیہم الرضوان جو پہلا سمندری غزوہ کریں گے ان کی فضیلت ہے، اس عمومی فضیلت کے ضمن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ لہذا اس حدیث پر اعتراض کی کوئی صورت ہی نہیں۔

نور بن یزید

نور بن یزید کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں:

”اس کا شمار دشمنان علی میں ہوتا ہے چنانچہ امام ابن سعد، حافظ ابن عساکر، حافظ جمال الدین مزید ورحمہ اللہ عسقلانی لکھتے ہیں: اس کا دادا جنگ صفین میں حمایت معاویہ میں لشکر مرقضوی کے ہاتھوں مارا گیا اس سے جب بھی وہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کرتا تو کہتا ”لا احب رجلا قتل جدی“ میں اس شخص کو پسند نہیں کرتا جس نے میرے دادا کو قتل کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ دشمن علی تھا اور کتاب ہذا کے شروع میں آپ امام احمد بن حنبل اور دوسرے علماء کرام کے حوالہ سے پڑھ چکے ہیں، کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمن اس شخص کو چڑھاتے رہتے تھے جس نے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ کی تھی، تاہم چونکہ یہ بخاری کا راوی ہے لہذا ”اسے ہم مارن دی کیا مجال“ بخاری میں تو جس راوی کا نام آگیا وہ سند عصمت پا گیا، انبئہ بخاری میں ائمہ اہل بیت کی کوئی گنجائش نہیں حتیٰ کہ وہ ہستی (امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو صدق و صفا کی وجہ سے صادق کہلاتی تھی، امام بخاری نے ان سے بھی روایت نہیں لی۔“ (رحمہ اللہ موضوعات ص ۳۴۵)

سبحان اللہ! امام بخاری پر تو موصوف خوب گرجے اور برے، لیکن اپنی باری میں سب بھول گئے جس راوی کو دشمن علی ثابت کرنے کے لیے موصوف جدوجہد کر رہے ہیں اس کے بارے میں ذرا تحقیق کر لیتے ہیں کہ دشمنان سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اضافہ نہ ہوتا جن پانچ کتابوں کے موصوف نے حوالے دیئے ان میں موخر الذکر چاروں کتب کا مرجع پانچویں کتاب امام ابن سعد کی الطبقات الکبریٰ ہے اور الطبقات الکبریٰ میں یہ بات بے سند لکھی ہے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۱۶۷)

کیا آپ کے نزدیک جب کسی پر تہمت لگتی ہو تو وہاں وہ بات بے سند بھی معتبر ہو جاتی ہے؟ صحیح یہ ہے کہ یہ ہرگز حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب و شتم نہیں کرتے تھے۔ ہدی اساری میں ہے: وکان یومی بالنصب ایضا وقال یحییٰ بن معین کان یجالس قوماینا لون من علی لکنہ ہو کان لایسب ان پر تہمت کی تہمت بھی ہے، اور یحییٰ بن معین کہتے ہیں یہ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھتے تھے جو سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص کرتے تھے لیکن یہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو برا نہیں کہتے تھے۔

حافظ عباس الدوری لکھتے ہیں:

سمعت یحییٰ یقول أزهرا الحرازی وأسد بن وداعة وجماعة كانوا يهملسون يשתمون على بن أبي طالب وكان ثور بن يزيد في ناحية لا يسب علياً فإذا لم يسب جروا برجله.  
”میں نے یحییٰ بن معین کو فرماتے سنا: ازہر الحرازی، اسد بن وداعہ اور ایک جماعت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شتم کر رہی تھی، اور ثور بن یزید ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے، یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب نہیں کر رہے تھے، جب انہوں نے سب نہیں کیا تو وہ لوگ نے ان کو لاتیں مارنے لگے۔“

(تاریخ یحییٰ بن معین روایۃ عباس الدوری ج ۴ ص ۴۲۳ رقم ۵۰۸۹)

یہ بات تہذیب التہذیب میں اسی مقام پر بھی نقل کی گئی ہے جہاں سے موصوف نے ان کو نا صبی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

نہ جانے بغض معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موصوف کس کس کو رگڑتے اور بلا تحقیق دشمن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بناتے جائیں گے۔

ثالثاً: طرفہ یہ ہے کہ یہاں ثور بن یزید اس حدیث کو روایت کرنے میں متفرد نہیں، زید بن واقد دمشقی ثقہ راوی نے ان کی متابعت کی ہے چنانچہ محدث عبد الجبار الخولانی الدارانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ داریا میں اپنی سند کے ساتھ زید بن واقد عن خالد بن معدان اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(تاریخ داریا الکبریٰ ص ۵۸)

نیز اس کے علاوہ صحیح بخاری اور دیگر کتب کی حدیث جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدتنا ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے اس میں بھی اس حدیث کی مثل الفاظ موجود ہیں۔

صحیح بخاری میں ائمہ اہل بیت کی روایات

امام بخاری پر موصوف کا جلال برقرار ہے، طعن بھی کرتے ہیں اور پھر بڑے بھول پن سے کہتے ہیں: میں نے کیا کیا ہے؟

امام بخاری اہلسنت کے امام ہیں اور ان کے نزدیک بھی انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ ہی معصوم

ہیں، البتہ فیضی صاحب کے فرقے میں معصومین کی تعداد لا تعداد ہے۔

موصوف نے اپنے مقبوعین کی اتباع میں کہہ تو دیا کہ امام بخاری نے ائمہ اہل بیت سے روایات نہیں لیں لیکن اس کو ثابت نہیں کر سکیں گے۔ صحیح بخاری میں حضرت سیدنا مولائے کائنات علی المرتضیٰ، حضرت سیدہ خاتون جنت بی بی فاطمہ، حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ، حضرت سیدنا امام عالی مقام امام حسین، حضرت سیدنا امام محمد باقر، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بکثرت روایات موجود ہیں۔

نیز حضرت سیدنا عباس، حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس، حضرت سیدہ ام ہانی، حضرت سیدنا فضل بن عباس، حضرت سیدنا عبد اللہ بن جعفر، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر کئی ائمہ اہل بیت سے سے احادیث مروی ہیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام بخاری نے الادب المفرد میں حدیث روایت کی ہے۔

### فیضی کے سربراہ کا فیصلہ

فیضی صاحب کے سربراہ صاحب مفتی خان قادری صاحب کی تائید سے دکتور خلیل بن ابراہیم ملا خاطر کے حالات زندگی میں ان کو اس وقت کا حدیث میں ید طولی رکھنے والا اور کئی معزز القاب سے یاد کیا گیا ہے، اور یہ سید زادے بھی ہیں، انہوں نے مکمل ایک کتاب ”الإمام البخاری وروایتہ عن أئمة آل البيت“ کے نام سے لکھی ہے اور فیضی صاحب کے فرقے کے لوگوں کی طرف سے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ پر وارد اس اعتراض کا مفصل جواب دیا ہے۔ فیضی صاحب اس کا مطالعہ فرمائیں تسلی چاہیں گے تو ہو جائے گی۔

کتاب ”فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ میں اس حدیث کے تحت شرح ابن بطلال سے جو شرح نقل کی گئی تھی وہ اس مقام پر اتنی ہی ہے البتہ دوسرے مقام پر مہلب نے اس حدیث میں یزید کو بھی شامل کیا ہے، ظاہر ہے کہ کسی سنی کے نزدیک یہ شرح قبول نہیں، اسی لیے حافظ بدر الدین عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کی یزید سے متعلق شرح کا رد کیا ہے۔ لیکن موصوف بضد ہیں کہ جب آپ نے مہلب کی یہ شرح قبول کی ہے تو پھر اس شرح کو بھی قبول کریں۔ مؤلفین فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس کو قبول نہیں کریں گے، لیکن ظہور احمد فیضی سے کوئی بعید نہیں کہ اگر موصوف کو کسی طرح اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص نظر آئے تو اس کو بھی قبول کر لیں گے کیونکہ ان کے نزدیک معیار ایک ہی ہے، اس کے لیے موصوف حدیث میں

تحریف کر گزرے، یزید و مروان کا دفاع کیا، عبارتوں میں تحریف کا سیلاب لے کر آئے۔

فیضی صاحب کی کتاب میں رد کرنے کے لیے اگرچہ ابھی بہت کچھ موجود ہے، لیکن ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں، چونکہ فیضی نے کتاب میں جگہ جگہ لکھا ہے کہ کچھ باتوں کی تفصیل وہ کتاب لائبریری اور الصحابہ والطلاق میں بیان کریں گے، ان شاء اللہ عزوجل یہ عاجزان کی مذکورہ کتابوں میں متوقع اعتراضات کے جواب بخوبی جانتا ہے اور اس کے جواب نکال کر رکھے ہیں، جیسے ہی موصوف کی کتاب آئے گی ان شاء اللہ عزوجل اس کو ترتیب دے دیا جائے گا۔

آخر میں ہم فیضی صاحب کی ایک اور خیانت آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں، اور وہ حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ہے جس سے یہ بدعتی فرقہ عامۃ الناس کو دھوکہ دیتا ہے۔

ملا علی قاری کا موقف کیا ہے

یہاں بہتر ہے کہ ہم اس بات کی تحقیق کر دیں کہ حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کیا موقف ہے اور ان کی مرقاۃ کی ایک عبارت جو امام بابر ترقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات کے رد پر تفریعا تھی اس کا معنی کیا ہے۔ کیونکہ فیضی صاحب اس عبارت کو لے کر بہت طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ان کے قبعین بھی جھل مرکب کے مرتکب ہوتے ہیں۔

حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مخ الروض الازھر میں فرماتے ہیں:

وأما ما وقع من امتناع جماعة من الصحابة عن نصرۃ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والخروج معه إلى المعاربة ومن محاربة طائفة منهم له كما في حرب الجمل وصفين فلا يدل علی عدم صحة خلافته ولا علی تضلیل مخالفه فی ولايته، إذ لم يكن ذلك عن نزاع فی حقيقة إمارته، كان عن خطأ فی اجتهادهم حيث أنكروا علیه ترك القود من قتلة عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بل زعم بعضهم أنه كان مائلا إلى قتله، والمخطئ فی الاجتهاد لا یضلل ولا یفسق علی ما علیه الاعتماد

”بہر حال صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت کا سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد نہ کرنا، آپ کے ساتھ جنگ پر نکلنے سے رکنا، اور ان میں سے ایک گروہ کا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے کا جو واقعہ پیش آیا جیسا کہ جنگ جمل اور صفین میں تو یہ حضرت علی رضی



اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی عدم صحت پر دلالت نہیں کرتا اور نہ ہی آپ کی حکومت میں آپ سے مخالفت کرنے والوں کی گمراہی پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ یہ نزاع حقیقتاً حکومت کے لیے نہیں تھا بلکہ ان کے اجتہاد کی وجہ سے تھا جیسا کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے قصاص نہ لینے پر مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر انکار کیا، بلکہ ان میں سے بعض نے تو یہ گمان کیا کہ (نعوذ باللہ) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مائل تھے، اور معتمد قول کے مطابق اجتہاد میں خطا کرنے والے کی نہ تضلیل کی جاتی ہے، نہ تفسیق کی جاتی ہے۔ (منح الروض الأذھر شرح الفقہ الاکبر ص ۱۹۲)

مزید فرماتے ہیں:

ثم كان معاوية مخطئاً إلا أنه فعل ما فعل عن تأويل فلم يصر به فاسقاً. واختلف أهل السنة والجماعة في تسميته باغياً فمنهم من امتنع من ذلك والصحيح قول من أطلق لقوله عليه الصلاة والسلام لعمار تقتلك الفئة الباغية

”پھر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطا پر تھے مگر یہ کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ تاویل کی وجہ سے کیا تو وہ فاسق نہ ہوئے، اور اہل سنت و جماعت کا اس میں اختلاف ہے کہ ان کو باغی کہا جائے گا یا نہیں تو بعض ائمہ نے اس سے منع کیا ہے اور صحیح ان لوگوں کا قول ہے جو باغی کے اطلاق کو درست کہتے ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا: تجھے باغی گردہ شہید کرے گا۔“ (منح الروض الأذھر ص ۲۰۰)

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ہم صحابہ کا ذکر خیر ہی کے ساتھ کرتے ہیں کی شرح میں فرماتے ہیں:

أى مجتمعين ومنفردين وفي نسخة: ولا نذكر أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم إلا بخير، يعنى وإن صدر من بعضهم بعض ما هو فى الصورة شر، فإنه إما كان عن اجتہاد ولم يكن على وجه فساد من إصرار وعناد كان رجوعهم إلى خير معاد بناء على حسن الظن بهم

”یعنی اجتماعی طور ذکر کریں یا انفرادی طور پر، ذکر خیر کے ساتھ ہی کرتے ہیں، اور ایک نسخہ میں

یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر خیر کے ساتھ ہی کرتے ہیں، یعنی اگرچہ ان میں سے بعض سے وہ کام صادر ہوئے جو صورتاً شر ہیں، کیونکہ یہ امور ان سے اجتہاد کی بنیاد پر صادر ہوئے ہیں نہ کہ اصرار و عناد کے سبب فساد کی وجہ سے، ان سے حسن ظن کی بنیاد پر ان تمام کا مقصود بہترین انجام کی طرف تھا۔

(منہج الروض الأزهري ص ۲۰۹)

شم العوارض میں اپنا موقف بیان کرتے ہیں:

وأما من سب أحدا من الصحابة فهو فاسق ومبتدع بالإجماع إذا اعتقد أنه مباح  
”جو صحابہ میں کسی کو بھی برا کہے وہ بالاجماع فاسق مبتدع ہے جب کہ اس کا اعتقاد یہ ہو کہ برا کہنا مباح ہے۔“ (شم العوارض ضمن مجموعۃ رسائل ملا علی القاری)

شرح الشفاء میں فرماتے ہیں:

ومعاوية وإن أسلم عام الفتح لكن له سبق ظاهر على من أسلم بعده سواء كان  
من الصحابة أو التابعين

”اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ فتح مکہ کے سال ایمان لے کر آئے لیکن آپ کو اپنے بعد ایمان لانے والے چاہے وہ صحابہ ہوں یا تابعین پر واضح سبقت حاصل ہے۔“

(شرح الشفاء ج ۱ ص ۹۷)

مرقاۃ میں بیان فرماتے ہیں:

وأما معاوية فهو من العدول الفضلاء والصحابة الأخيار، والحروب التي جرت  
بينهم كانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب أنفسها بسببها، وكلهم  
متأولون في حروبهم، ولم يخرج بذلك أحد منهم من العدالة لأنهم مجتهدون  
اختلفوا في مسائل كما اختلف المجتهدون بعدهم في مسائل، ولا يلزم من ذلك  
نقص أحد منهم

”حضرت معاویہ عادل فاضل اور بہترین صحابہ میں سے تھے، وہ جنگیں جو ان کے درمیان ہوئیں، ان میں سے ہر ایک گروہ کو شبہ تھا جس کے سبب وہ اپنے آپ کو صواب پر ہونے کا

اعتقاد رکھتا تھا، اور یہ تمام اپنی جنگوں میں تاویل کرنے والے تھے، اس سبب ان میں سے کوئی عدالت سے خارج نہیں ہوا، اس لیے کہ یہ تمام مجتہد تھے، اور انہوں نے مسائل میں اختلاف کیا جیسا کہ ان کے بعد آنے والے مجتہدین نے مسائل میں اختلاف کیا، اور ان میں سے کسی میں بھی اس سبب نقص واقع نہ ہوا۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱۰ ص ۳۵۵)

ان عبارات صریحہ سے ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف واضح ہوا۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ صحابہ کرام جو مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل آئے۔

- (۱) یہ ان کی اجتہادی خطا تھی، جس کی وجہ سے وہ فاسق نہیں ہوئے۔
- (۲) بلکہ ان پر باغی کے اطلاق میں ائمہ اہل سنت کا اختلاف ہے، اگرچہ باغی کے اطلاق کو درست کہنے والوں کو قول صحیح ہے۔ ہم ابتداء میں علامہ محدث فقیہ عبداللطیف سندھی، علامہ محدث سید غلام رسول سعیدی، حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ یہ اطلاق ظاہر کے اعتبار سے ہے، اور اصطلاحی معنی یعنی امام برحق کے خلاف خروج کیا اس وجہ سے ہے اور یہاں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے بھی واضح ہے کہ یہ خروج اجتہاد کی وجہ سے تھا اور اب اس کا اطلاق ممنوع ہے جس کی صراحت بھی گزر چکی ہے۔

(۳) صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے ہر ایک کا ذکر خیر ہی کے ساتھ کیا جائے گا۔

(۴) جو کچھ ان میں سے بعض سے صادر ہوا وہ صرف ”صورتا“ ”شر“ تھا حقیقتاً ان کا مقصود خیر تھا، فساد کی نیت سے نہیں تھا۔

(۵) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ اسلام فتح مکہ کے موقع پر لائے لیکن ان کو بعد والے افراد چاہے صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے ہوں یا تابعین میں سے ان پر واضح سبقت حاصل ہے۔

(۶) سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہترین، عادل، فاضل، مجتہد صحابی تھے۔

اب ہم آپ کو فیضی صاحب کی خیانت پر مطلع کرتے ہیں۔ حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرح میں پہلے علامہ ابن الملک کے حوالے سے یہ واضح کیا

کہ فتنہ باغیہ سے مراد حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گروہ ہے، پھر حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو تاویلیں ذکر کریں کہ آپ باغی بمعنی طالب لیتے تھے، یعنی بغی کا معنی قصاص عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب کرنا لیتے تھے، دوسری تاویل آپ یہ کرتے تھے کہ حضرت سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید ہم نے نہیں مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہے اس لیے کہ وہی حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدان جنگ میں لے کر آئے تھے، جس کا جواب لا جواب مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیا کہ پھر حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا سبب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بنے گی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدان جنگ میں لے کر آئے تھے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان دونوں تاویلوں کو رد کیا اور ان کا جواب ذکر کیا۔ پھر اس کے بعد آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا:

ثم رأيت الشيخ أكمل الدين قال: الظاهر أن هذا أي التأويل السابق عن معاوية، وما حكى عنه أيضاً من أنه قتله من أخرجه للقتل وحرضه عليه كل منهما افتراء عليه، أما الأول فتحريف للحديث، وأما الثاني فلأنه ما أخرجه أحد، بل هو خرج بنفسه وماله مجاهداً في سبيل الله قاصداً لإقامة الغرض، وإنما كان كل منهما افتراء على معاوية لأنه رضي الله تعالى عنه أعقل من أن يقع في شيء ظاهر الفساد على الخاص والعام.

”ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ یہاں شیخ اکمل الدین بابر قی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رد کرتے ہیں کہ اگر آپ کی بات تسلیم کر لی جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تاویل نہیں کی تھی تو ان کی جنگ کس بنیاد پر تھی؟ پھر تو ان پر لازم تھا کہ وہ اپنی اس بغاوت سے خلیفہ یعنی حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رجوع کرتے اور مخالفت کو ترک کرتے اور اس صورت میں تو ان کا مطالبہ محض خلافت رہ جاتا اس کو بھی ترک کرتے۔ عربی عبارت ملاحظہ فرمائیں: قلت: فإذا كان الواجب عليه أن يرجع عن بغية بإطاعته الخليفة، ويترك المخالفة وطلب الخلافة المنيفة میں کہتا ہوں اس وقت حضرت امیر معاویہ پر واجب تھا کہ وہ اپنی بغاوت سے خلیفہ کی طرف اطاعت کے ساتھ رجوع کرتے اور مخالفت اور خلافت منیفہ کی طلب کو ترک کرتے۔“

تاویل کو تسلیم نہ کریں اور پھر وہ رجوع بھی نہ کریں تو ظاہر ہے نتیجہ فسق کا نکلنا ہے کہ یہ خواہ مخواہ کی جنگ تھی، لیکن نہ صرف ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ بلکہ بکثرت ائمہ اہل سنت کی تصریحات موجود ہیں کہ یہ مشاجرات اجتہاد کی بنیاد پر تھے، لہذا فسق نہ رہا یہ ایک اجتہادی خطا ہوئی۔

لیکن امام اکمل الدین بابر تہی کے انکار کا نتیجہ تو یہ نکلتا کہ تاویل ہے ہی نہیں اس پر ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ تفریع بیان کرتے ہیں:

فتبین بهذا أنه كان في الباطن باغيا. وفي الظاهر متسترا بدم عثمان مراعيًا مراثيًا.  
فجاء هذا الحديث عليه ناعيا. وعن عمله ناهيا. لكن كان ذلك في الكتاب مسطورا.  
فصار عنده كل من القرآن والحديث مهجورا.

”پھر اس سے تو یہ ظاہر ہوا کہ وہ باطن میں باغی ہی تھے اور ظاہر میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے پردے میں چھپے ہوئے تھے، فقط ظاہری طور پر دکھانے والے تھے، پھر یہ حدیث ان کی غلطی کو ظاہر کرنے والی، اور ان کے فعل کا انکار کرنے والی ہوئی ہاں وہی ہوا جو تقدیر میں لکھا ہوا تھا، اور قرآن و حدیث میں جو کچھ تھا وہ ان کے نزدیک مہجور ہو گیا۔“

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ محض نتیجہ بیان کیا ہے کہ علامہ بابر تہی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلقا تاویل سے ہی انکار کر دینا غلط ہے، اس سے تو یہ نتیجہ نکلے گا، حالانکہ ایسا نہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد یہ ارشاد فرماتے ہیں:

فرحم الله من أنصف ولم يتعصب ولم يتعسف، وتولى الاقتصاد في الاعتقاد، لئلا يقع في جانبى سبيل الرشاد من الرفض والنصب بأن يحب جميع الآل والصحب

”اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت ہو جنہوں نے انصاف کیا (یعنی اہل سنت جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطا اجتہادی پر مانتے ہیں) اور تعصب نہیں برتا اور حد سے بھی نہیں بڑھے، اور اعتقاد میں اعتدال کو پسند کیا تاکہ وہ ہدایت کے دونوں کناروں سے جدا ہو کر رفض (جو حضرت معاویہ پر طعن و تشنیع، سب و شتم کرنے والوں کا مذہب ہے) اور ناصیت (جو مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عداوت رکھنے کو نام ہے) میں جانہ پڑے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم فرمائے جو تمام آل و اصحاب سے محبت رکھے۔“

اتنی وضاحت مجھے موصوف جیسے لوگوں کے لیے کرنی پڑی ہے ورنہ اگر تعصب سے خالی ہو کر کوئی بھی اہل علم جو اصول و ضوابط کو جانتا اور اس کی پابندی کرتا ہے اصل عربی عبارت مرقاۃ سے پڑھے گا تو اس کے سامنے یہ مفہوم بالکل واضح ہے۔

یہیں سے ظہور احمد فیضی کی خیانت بھی ظاہر ہو گئی کہ فتبیین بھذا سے عبارت نقل کر دی اور اس پر عمارت کھڑی کر لی لیکن ماقبل عبارت چھوڑ دی کہ بھذا سے مراد کیا ہے۔

تمام تعریفیں اس رب لم یزل کے لیے ہیں جس نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اس حقیر ناچیز بندے کو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دفاع کی سعادت بخشی۔ رب کریم اپنے کرم سے اس کوشش کو اپنی بلند بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے۔ اور آئندہ بھی توفیق عطا کرے کہ جب فیضی بد باطن جیسے لوگ ذوات مقدسہ پر طعن و تشنیع کے لیے اظہارِ بد بختی کریں تب تب یہ فقیر ان پاکیزہ ہستیوں کا دفاع کرتا رہے۔

آمین آمین آمین یا رب العلمین بحاجۃ سید المرسلین صلی تعالیٰ علیہ وآلہ الطیبین  
الطاہرین وصحبۃ المکرمین!





14

فیوض الزمانی سنن النساء  
فی شیخ

8

مرآة المناجیح مشکوٰۃ المصابیح  
جلد دوم

1

معجم الصحابة  
جلد اول

1

نسخ الحیث منسوخ  
جلد اول

4

شرح ریاض الصالحین  
جلد دوم

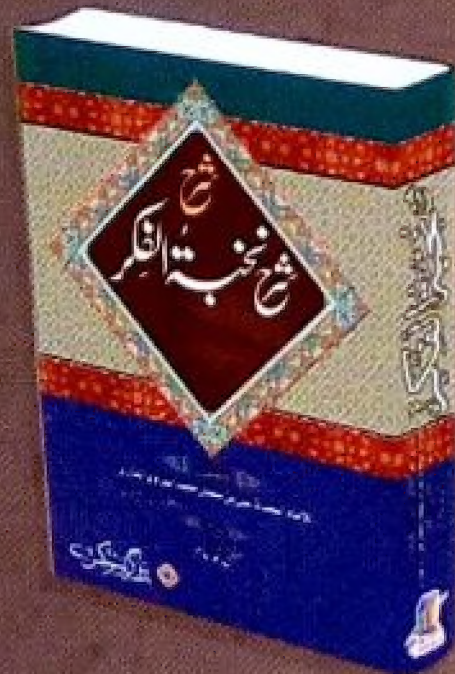
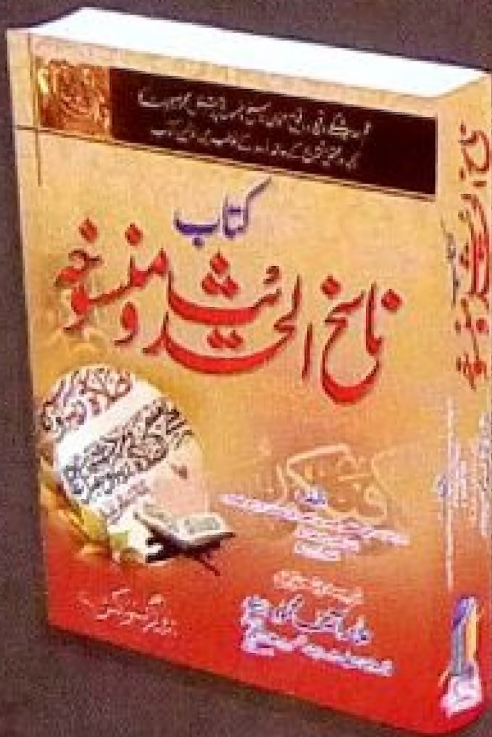
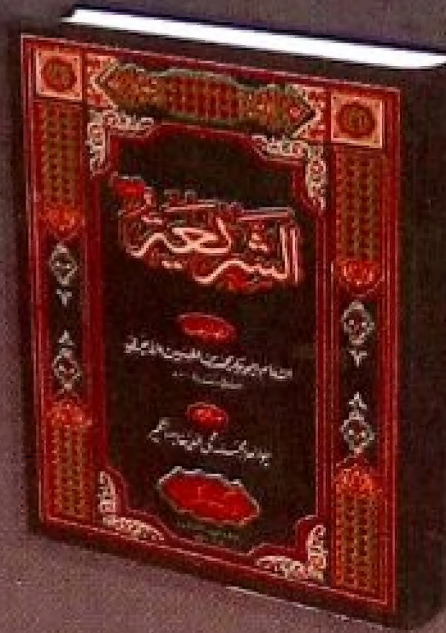
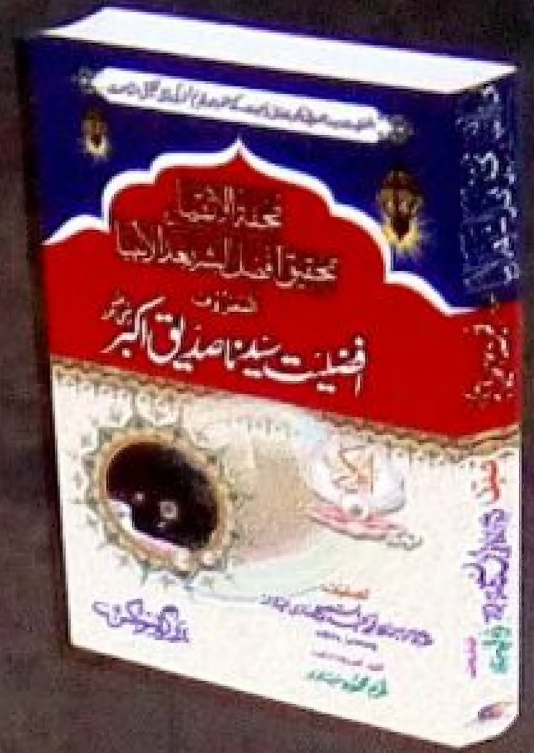
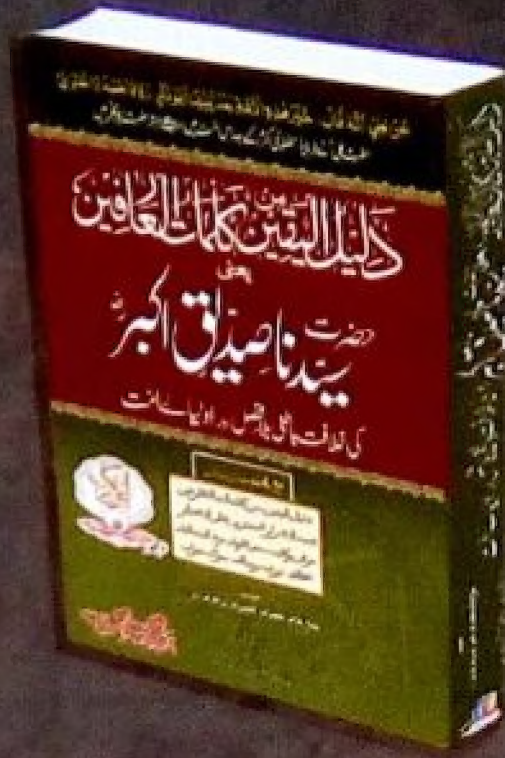
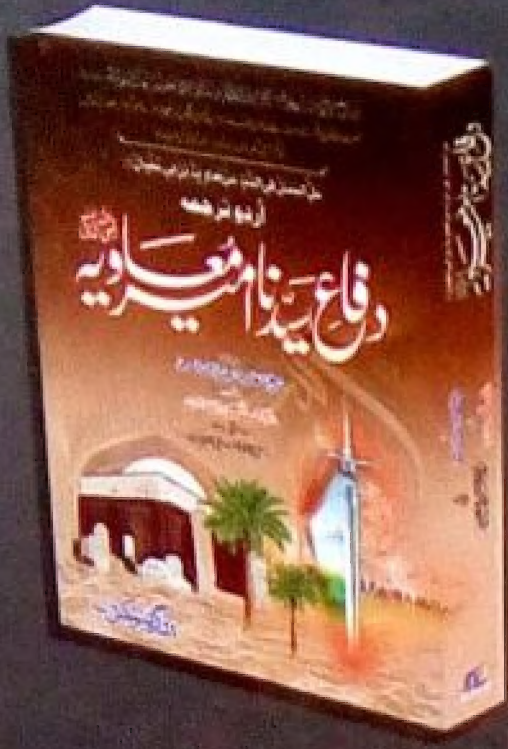
1

شرح قصیدہ زبدہ (لنہاجری)  
(اردو) جلد اول

1

شرح قصیدہ زبدہ (محلّی)  
(اردو) جلد اول





**Website**

[www.millatpublication.com](http://www.millatpublication.com)



**facebook**

millatpublication



**Whatsapp**

0322-9455312 / 0321-4146464 / 0323-8836776



**Email**

millatpublication786@gmail.com



یوسف مارکیٹ • غزنی سٹریٹ  
اردو بازار • لاہور

فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

پروکسٹ بکس